

# محمود الفتاویٰ (مبوب)

جلد سوم

از کتاب الصلوٰۃ: باب القضاء تا کتاب الزکوٰۃ: باب المصارف

حضرت اقدس مفتی احمد صاحب خانپوری دامت برکاتہم

(سابق صدر مفتی، حال شیخ الحدیث: جامعہ اسلامیہ تعلیم الدین، ڈابھیل)

مرتب: مفتی عبدالقیوم صاحب راجکوٹی

ناشر

مکتبہ محمودیہ، محمودنگر، ڈابھیل، گجرات

# تفصیلات

نام کتاب: ..... محمود الفتاویٰ (جلد سوم)

مرتب: ..... مفتی عبدالقیوم صاحب راجکوٹی

کمپیوٹرسیننگ: ..... محمد ساجد بن مصطفیٰ پٹنی ، عبداللہ بن اشرف مانگرولی

ناشر: ..... مکتبہ محمودیہ، محمودنگر، ڈابھیل

## ملنے کے پتے

مکتبہ انور، محمودنگر، ڈابھیل ، 9924693470

ادارۃ الصدیق ڈابھیل، نزد جامعہ ، 9913319190 / 9904886188

ادارۃ الصدیق دیوبند، نزد مدنی مسجد، مدنی روڈ، دیوبند، 9997953255

## فہرست

صفحہ	عناوین	نمبر شمار
❁	<b>باب صلاة القضاء والمسبوق</b>	❁
۳۱	قضائے عمری کی نماز پڑھنے کا طریقہ کیا ہے؟	۱
۳۲	فرض کی تیسری اور چوتھی رکعت میں سورہ فاتحہ کے بجائے تین بار سبحان اللہ کہنا	۲
۳۳	قضاء نمازوں کو بیت اللہ شریف جا کر پڑھے تو کیا ایک لاکھ کے برابر ثواب ملے گا؟	۳
۳۴	بیت اللہ شریف میں ایک قضاء نماز پڑھنے سے ایک ہی نماز ذمہ سے ساقط ہوگی نہ کہ ایک لاکھ	۴
۳۴	قضاء نمازوں کا علم نہ ہو تو کیسے قضا کریں؟	۵
۳۵	فوت شدہ نمازوں کی تعداد معلوم کرنے کا طریقہ	۶
۳۶	قضاء عمری کا آسان طریقہ	۷
۳۶	فاسد شدہ نماز کی قضاء کہاں کرے؟	۸
۳۸	صاحب ترتیب پہلے عصر پھر مغرب پڑھے	۹
۳۸	ظہر اور عصر چھوٹ جائے تو پہلے کس کو پڑھے؟	۱۰
۳۹	بناء کا حکم	۱۱
۴۰	مسبوق کے لیے ثناء	۱۲

۴۱	مضبوق تشہد ترک کردے تو سجدہ سہو واجب ہے	۱۳
۴۲	چھوٹی ہوئی تین رکعت پڑھنے کی ترکیب	۱۴
۴۲	مضبوق امام کے ساتھ سلام پھیر دے تو؟	۱۵
۴۳	مضبوق التحیات کے بعد کیا پڑھے؟	۱۶
۴۳	ترک واجب کی وجہ سے اعادہ نماز میں مضبوق کیا کرے؟	۱۷
۴۵	نماز کا فدیہ	۱۸
❀	<b>باب السنن والنوافل</b>	❀
۴۶	اذان سے پہلے سنت پڑھ لینا	۱۹
۴۶	دور رکعت میں تحیۃ الوضوء اور تحیۃ المسجد کی نیت کرنا	۲۰
۴۷	کیا دوسروں کے لیے استخارہ کر سکتے ہیں؟	۲۱
۴۸	شوافع کے یہاں نماز مغرب سے پہلے دور رکعت	۲۲
۴۹	دور رکعت میں صلوة الحاجہ و صلوة التوبہ کی ایک ساتھ نیت کرنا	۲۳
۵۰	طلب باران کی نماز	۲۴
۵۱	سنن قبلیہ اور بعدیہ کو مسجد میں پڑھنا بہتر ہے یا گھر میں؟	۲۵
۵۷	تہجد کی نماز باجماعت منقول نہیں	۲۶
۵۹	صلوة التیسح اور تہجد باجماعت	۲۷
۵۹	تہجد کا طریقہ، اہمیت اور فضائل	۲۸
۶۰	تہجد کے متعلق کچھ سوال	۲۹

۶۱	صلاۃ الکسوف مکروہ اوقات میں پڑھنا	۳۰
۶۱	کسوف شمس کی رکعتیں اور قراءت کی کیفیت	۳۱
❁	<b>باب سجود السہو</b>	❁
۶۳	تیسری رکعت میں بھول کر بیٹھنے سے سجدہ سہو	۳۲
۶۳	قعدہ اولیٰ میں التحیات کے بعد درود شریف پڑھ لیا	۳۳
۶۴	وتر کے بعد قعدہ اولیٰ میں سورہ فاتحہ پڑھ لینا	۳۴
۶۵	قعدہ اولیٰ چھوڑ کر تیسری رکعت میں قعدہ کرنے پر سجدہ سہو	۳۵
۶۵	نفل نماز میں بھی سجدہ سہو واجب ہے	۳۶
۶۶	ایک سورت کی ابتدا کے بعد دوسری سورت پڑھنے کا حکم	۳۷
۶۷	ایک آیت چھوڑنے پر سجدہ سہو کرنا	۳۸
۶۷	دوسری رکعت کے بعد کھڑا ہونے سے سجدہ سہو	۳۹
۶۷	قعدہ اولیٰ بھول کر کھڑے ہونا	۴۰
۶۸	عصر میں سہو کی وجہ سے پڑھی گئی مزید دو رکعت مکروہ نہیں	۴۱
۶۹	التحیات سے پہلے سجدہ کی تسبیح دو مرتبہ پڑھی تو سجدہ سہو نہیں	۴۲
۷۰	نماز میں سجدہ تلاوت کے بعد دوبارہ سورہ فاتحہ پڑھنا	۴۳
۷۰	رباعی نماز میں کمی بیشی کا حکم	۴۴
۷۲	قعدہ کے سلسلے میں امام و مقتدی کا اختلاف ہو جائے تو؟	۴۵

❁	باب سجدة التلاوة	❁
۷۳	آیت سجدہ کی تلاوت کے بعد انتقال ہو گیا	۴۶
۷۴	سجدہ تلاوت کی ادائیگی واجب ہے	۴۷
۷۵	سجدہ تلاوت کے فدیہ کی وصیت	۴۸
۷۵	سجدہ تلاوت کے بعد سورہ فاتحہ پڑھی تو کیا حکم ہے؟	۴۹
۷۶	آیت سجدہ کا لقمہ دینے پر کتنے سجدہ واجب ہوں گے؟	۵۰
۷۶	مکروہ وقت میں سجدہ تلاوت	۵۱
۷۷	ٹیپ کی قرأت پر سجدہ تلاوت	۵۲
۷۷	کیسٹ، ٹی-وی یا ریڈیو پر آیت سجدہ سننے سے سجدہ کا وجوب	۵۳
۷۸	ریڈیو کی تلاوت پر سجدہ تلاوت	۵۴
۷۹	نماز میں سجدہ تلاوت بھول گیا تو کیا کرے؟	۵۵
❁	باب التراویح	❁
۷۹	تراویح میں بسم اللہ بالجہر کا مسئلہ	۵۶
۸۲	تراویح میں جہراً بسم اللہ پڑھنے نہ پڑھنے میں امام ابوحنیفہ <small>رحمۃ اللہ علیہ</small> اور امام عاصم کا اتباع	۵۷
۸۳	تراویح میں ہر سورہ کے شروع میں جہراً بسم اللہ پڑھنا	۵۸
۸۴	ہر سورت سے پہلے بسم اللہ پڑھنا چاہیے	۵۹
۸۴	نابالغ بچہ (مراہق) تراویح میں لقمہ دے سکتا ہے؟	۶۰

۸۵	تراویح میں سورہ ناس کے بعد دعائے ماثورہ پڑھی تو نماز فاسد نہ ہوگی	۶۱
۸۶	امام نے تراویح کی تین رکعت پڑھادی تو کیا حکم ہے؟	۶۲
۸۶	تراویح میں اگر ایک ہی رکعت پڑھی تو اس میں پڑھا ہوا قرآن دہرایا جائے	۶۳
۸۷	رمضان میں عشاء انفراداً پڑھنے والا وتر کی نماز جماعت سے پڑھ سکتا ہے	۶۴
۸۷	تراویح میں ختم قرآن کے بعد کیا پڑھنا افضل ہے	۶۵
۸۸	تراویح علاحدہ پڑھنے کی صورت میں عشاء کی نماز مسجد میں باجماعت پڑھنا ضروری ہے	۶۶
۹۰	امام کو لقمہ دینے میں جلدی کرنا کسے کہتے ہیں؟	۶۷
۹۱	تراویح پڑھانے کے معاوضہ کا مصرف	۶۸
۹۱	تراویح پڑھانے والے کا ہدیہ لینا	۶۹
۹۲	تراویح کی اجرت لوٹانے کا طریقہ	۷۰
۹۳	تراویح کا ہدیہ جبراً	۷۱
۹۴	تراویح پر ہدیہ لینا	۷۲
۹۵	تراویح پر معاوضہ اور حیلہ	۷۳
۹۶	تراویح پر اجرت کا حیلہ	۷۴

۹۷	تراویح پر اجرت	۷۵
۹۹	تراویح پر اجرت اور حیلہ	۷۶
۱۰۱	تراویح پڑھانے والے کے لیے چندہ	۷۷
۱۰۲	تراویح میں سامع ضروری نہیں	۷۸
۱۰۲	تراویح کی تین رکعت پڑھادی	۷۹
۱۰۳	تراویح میں نابالغ کی امامت	۸۰
۱۰۳	چودہ سالہ حافظ کی اقتداء میں تراویح	۸۱
۱۰۴	تراویح میں امام حنفی ہو یا شافعی؟	۸۲
۱۰۴	تراویح مسجد کے علاوہ کسی اور جگہ پڑھنا	۸۳
۱۰۵	شبینہ ممنوع ہے	۸۴
۱۰۵	تراویح کی جماعت کا ثبوت	۸۵
۱۰۶	ایک ہی مسجد میں متعدد تراویح کا حکم	۸۶
۱۰۶	عشاء میں تراویح کا مخصوص الفاظ میں اعلان کرنا بعد تراویح بعض سورۃ پڑھ کر پانی پر دم کر کے تبرک حاصل کرنا	۸۷
۱۰۸	تراویح میں قرأت کے بعد دعا کرنا	۸۸
۱۰۹	تراویح میں بہ اعتبار سُو رقرآن پڑھنا	۸۹
۱۰۹	تراویح میں تسبیحات اور شہد چھوڑنا	۹۰



۹۱	تراویح میں قرآن شریف دیکھ کر پڑھنے والے کی اقتدا	۱۱۰
۹۲	تراویح میں قرآن شریف دیکھ کر لقمہ دیا تو کیا حکم ہے؟	۱۱۰
۹۳	اٹھائیس اور اثنیسویس کی تراویح میں کونسی سورتیں پڑھے؟	۱۱۱
۹۴	تراویح اور وتر کے درمیان دعا کرنا	۱۱۲
۹۵	تراویح میں قرآن سنانے سے پہلے اجرت	۱۱۲
۹۶	ترویج کی دعائیں	۱۱۳
۹۷	مروّجہ دعائے ترویج کی حیثیت اور اس کا دیوارِ قبلہ پر لٹکانا	۱۱۹
۹۸	ہاؤس کی تراویح میں عورتوں کی شرکت	۱۲۰
۹۹	عید، تراویح اور شوہر کی نماز میں عورت کی شرکت	۱۲۲
۱۰۰	مستورات کا باجماعت تراویح پڑھنا	۱۲۲
۱۰۱	عورتوں کے لیے تراویح وجماعت	۱۲۳
۱۰۲	عورتوں پر بھی تراویح ہے	۱۲۴
۱۰۳	تراویح میں ختم قرآن کی شرعی حیثیت	۱۲۵
۱۰۴	ختم قرآن پر شیرینی اور ہدیہ	۱۲۵
۱۰۵	رمضان کی ستائیسویس میں ختم قرآن	۱۲۶
۱۰۶	ستائیسویس شب میں ختم کرنا	۱۲۷
۱۰۷	تراویح کی بیس رکعات کے ثبوت پر رسائل علماء	۱۲۷

۱۲۹	تراویح میں بیس رکعات کا ثبوت	۱۰۸
✽	<b>باب صلاة المسافر</b>	✽
۱۳۱	شہر کی آبادی کے بعد مسافر شمار ہوگا	۱۰۹
۱۳۱	سفر کی ابتدا و انتہا کی حد	۱۱۰
۱۳۲	شروع سفر سے قصر کرے	۱۱۱
۱۳۳	شرعی مسافت	۱۱۲
۱۳۳	دوسرے شہر میں بغرض ملازمت قیام ہو تو قصر نماز پڑھیں	۱۱۳
۱۳۴	جائے ملازمت مقام قصر میں ہو تو وہاں قصر ہوگی	۱۱۴
۱۳۴	سرکاری ڈرائیور قصر کرے گا؟	۱۱۵
۱۳۵	دوران سفر اگر اپنے ہی گاؤں آ پہنچے تو نماز پوری پڑھے	۱۱۶
۱۳۵	مستورات بحالت سفر نماز ادا پڑھیں یا قضاء کریں؟	۱۱۷
۱۳۶	سفر میں نماز قضاء ہونے کا خوف ہو تو ٹرین چھوڑ دے	۱۱۸
۱۳۶	شرعی مسافر کا ۴۸/میل سے قبل دو چار دن کے لیے ٹھہرنا	۱۱۹
۱۳۷	سو کلومیٹر سفر کرنے سے قصر	۱۲۰
۱۳۷	سفر میں قبلہ کی تحری اور منفرد کے لیے اذان و اقامت کا حکم	۱۲۱
۱۳۸	بس کے سفر میں نماز	۱۲۲
۱۳۸	وطن اقامت بنانے کی ایک تدبیر	۱۲۳
۱۳۹	جیل میں نماز قصر پڑھیں یا نہیں؟	۱۲۴

۱۲۵	مدتِ اقامت	۱۴۰
۱۲۶	ایک شہر کے مختلف محلوں میں قیام کی نیت کرنے والا اتمام کرنے	۱۴۱
۱۲۷	مسافر امام نے چار رکعت والی نمازیں پڑھادیں	۱۴۱
۱۲۸	مسافر اتمام کرے تو کیا حکم ہے؟	۱۴۲
۱۲۹	ایک ہفتہ کا قیام معلوم ہونے کے باوجود اقامت کی نیت کرنا	۱۴۳
۱۳۰	نیتِ اقامت کے شرائط	۱۴۵
۱۳۱	نیتِ اقامت کے شرائط کی تفصیل	۱۴۵
۱۳۲	وطنِ اقامت کب باطل ہوتا ہے؟	۱۵۱
۱۳۳	وطنِ اقامت سفر شرعی سے باطل ہو جاتا ہے	۱۵۲
۱۳۴	مسافر شخص اقتدا کی صورت میں نماز کس طرح پڑھے؟	۱۵۳
۱۳۵	تبلیغی جماعت کے لیے قصر و اتمام کے چند احکام	۱۵۴
❁	<b>باب صلاة الجمعة</b>	❁
۱۳۶	قصبہ کے مثل بستی میں جمعہ	۱۵۶
۱۳۷	گاؤں میں جمعہ	۱۵۸
۱۳۸	چھوٹی بستی میں جمعہ	۱۶۰
۱۳۹	بڑا گاؤں کسے کہتے ہیں؟	۱۶۱
۱۴۰	ایک گاؤں میں نماز جمعہ کے وجوب کی تفصیل و تحقیق	۱۶۳
۱۴۱	شرائط جمعہ نہ پائے جانے کے باوجود جمعہ پڑھنا	۱۶۵

۱۶۶	چھوٹے دیہات میں جمعہ کا حکم	۱۳۲
۱۶۶	جیل خانہ میں نماز جمعہ	۱۳۳
۱۷۰	زوال سے پہلے اذان جمعہ	۱۳۴
۱۷۱	شہر میں جمعہ کی اذانِ اول پر کاروبار بند کرنے کا مسئلہ	۱۳۵
۱۷۲	جمعہ کے وقت ہوٹل بند رکھنا ضروری ہے	۱۳۶
۱۷۳	اردو میں خطبہ	۱۳۷
۱۷۳	خطبہ جمعہ میں عربی کے علاوہ دوسری زبان کی ملاوٹ	۱۳۸
۱۷۵	غیر عربی میں خطبہ دینا	۱۳۹
۱۷۷	اردو میں خطبہ دینا اور مقتدیوں کا اسے نہ سننا	۱۵۰
۱۷۷	دو خطبوں کے درمیان بیٹھنا	۱۵۱
۱۷۸	خطبہ ختم ہونے سے پہلے کھڑے ہونے والوں کو بٹھا دینا	۱۵۲
۱۷۹	خطبہ جمعہ میں بنات مکرمات رضی اللہ عنہن کا ذکر مبارک	۱۵۳
۱۸۰	خطبہ کے وقت عصا لینا مستحب ہے	۱۵۴
۱۸۰	خطبہ جمعہ عربی میں ضروری ہے	۱۵۵
۱۸۱	خطبہ کے وقت پنکھا جھلوانا	۱۵۶
۱۸۲	خطبہ میں آیت درود کو درود شریف کے ساتھ ملانا	۱۵۷
۱۸۲	خطیب کا ”تعال“ پڑھنا لکن فاحش ہے	۱۵۸
۱۸۳	خطیب کی شکل دیکھنے کے لیے ٹی وی اسکرین مسجد میں لگانا	۱۵۹

۱۸۵	محلہ کی مسجد اور دیگر جگہ میں تکرار جمعہ	۱۶۰
۱۸۷	ایک بستی میں دو جگہ جمعہ قائم کرنا	۱۶۱
۱۸۹	ایک ہی مسجد میں نماز جمعہ کی دو جماعت کرنا	۱۶۲
۱۹۰	جمعہ کے روز باجماعت ظہر پڑھنا	۱۶۳
۱۹۱	بڑی بستی میں جمعہ کے روز احتیاط الظہر پڑھنا	۱۶۴
۱۹۲	بعد جمعہ احتیاط الظہر پڑھنا	۱۶۵
۱۹۴	ملازمت ترک جمعہ کے لیے عذر نہیں بن سکتی	۱۶۶
۱۹۵	امتحان کی وجہ سے نماز جمعہ ترک کرنا	۱۶۷
۱۹۵	نماز جمعہ کی درستگی بعد یہ سنن پر موقوف نہیں	۱۶۸
۱۹۶	اذان کے بعد فوراً خطبہ شروع کر دیا تو سنت کب پڑھیں؟	۱۶۹
۱۹۶	بعد نماز جمعہ وعیدین دعا سزا یا جہراً؟	۱۷۰
۱۹۷	جہاں جمعہ درست نہ ہو وہاں ظہر کے لیے اذان دینا	۱۷۱
۱۹۸	جمعہ میں اول وقت سے کیا مراد ہے؟	۱۷۲
۱۹۹	ذہاب الی الجمعۃ کی روایات میں وارد مختلف الفاظ میں تطبیق	۱۷۳
۲۰۰	جمعہ کے دن صبح سویرے غسل کرنے سے سنت کی ادائیگی	۱۷۴
۲۰۱	دیہاتوں کا مشترکہ قبرستان فنائے شہر میں شمار نہیں ہو سکتا	۱۷۵
۲۰۳	جمعہ کے دن دوران بیان سنتیں پڑھنا	۱۷۶
۲۰۵	اذان خطبہ کے درمیان چندہ جمع کرنا	۱۷۷

۲۰۵	اذانِ خطبہ جمعہ سے متعلق چند سوالات	۱۷۸
۲۰۷	جمعہ کی اذانِ ثانی کا طریقہ	۱۷۹
❁	<b>باب صلاة العیدین</b>	❁
۲۰۸	جس بستی میں جمعہ ہو سکتی ہو وہاں نمازِ عیدین بھی درست ہے	۱۸۰
۲۰۹	عید کی نمازِ عید گاہ میں پڑھنا سنت ہے	۱۸۱
۲۱۵	آبادی میں مسجد کے باہر نمازِ عید ادا کرنا	۱۸۲
۲۱۷	نمازِ عید عید گاہ میں پڑھے یا میدان میں؟	۱۸۳
۲۱۷	نمازِ عید کے بعد طویل دعا مانگنا	۱۸۴
۲۱۸	عیدین میں دعا نماز کے بعد کرے یا خطبہ کے بعد؟ حضرات اکابر کا معمول	۱۸۵
۲۲۴	دعا نمازِ عید کے بعد یا خطبہ کے بعد؟	۱۸۶
۲۲۵	عیدین کے خطبے کے بعد طویل دعا کرنا عیدین میں مصافحہ و معانقہ کرنا	۱۸۷
۲۲۵	نمازِ عید کے بعد مصافحہ و معانقہ کرنا	۱۸۸
۲۲۶	مصافحہ بعد العیدین کا حکم	۱۸۹
۲۲۷	تکبیر تشریح ایک بار کہنا سنت ہے	۱۹۰
۲۲۷	عیدین میں جماعتِ ثانیہ کا جواز	۱۹۱
۲۳۷	عیدین میں جماعتِ ثانیہ کا حکم	۱۹۲

۲۳۸	دس افراد کا عید کی نماز الگ پڑھنا مکروہ ہے	۱۹۳
۲۳۹	عید کی نماز تنہا پڑھنا	۱۹۴
۲۳۹	عیدین میں زائد تکبیر کہہ دی	۱۹۵
۲۴۰	نماز عیدین میں پانچ تکبیرات زوائد کہنا	۱۹۶
۲۴۱	عیدین کی شرائط مفقود ہوں وہاں نماز عید جاری رکھنا	۱۹۷
۲۴۳	مسبق عید کی نماز کس طرح پڑھے؟	۱۹۸
۲۴۳	نماز عید کے بعد قبرستان جانا	۱۹۹
۲۴۴	عید کے دن پورے سال انتقال ہونے والوں کے گھر جا کر ان کی تعزیت کرنا	۲۰۰
۲۴۵	عید کے دن تعزیت کرنا	۲۰۱
۲۴۵	عید کی نماز سے پہلے وعظ بیان کرنا	۲۰۲
۲۴۶	غیر مجب و مقرر و واعظ کا عید کی نماز پڑھانا	۲۰۳
۲۴۷	واعظین کا عید گاہ میں وقت کی پابندی نہ کرنا	۲۰۴
❁	<b>باب الجنائز</b>	❁
۲۴۸	نماز جنازہ کی تعجیل یا تاخیر کے متعلق چند سوالات	۲۰۵
۲۵۲	جماعت خانے میں جنازے کی نماز پڑھنا	۲۰۶
۲۵۵	نماز جنازہ میں سورہ فاتحہ پڑھنا	۲۰۷
۲۵۵	جنازہ کی نماز میں شفاء کا ثبوت	۲۰۸

۲۵۶	امام جنازہ کی نماز میں کہاں کھڑا رہے؟	۲۰۹
۲۵۷	جنازہ کی صفوں کا فاصلہ	۲۱۰
۲۵۷	صفوفِ نمازِ جنازہ کی درستگی کے درمیان کلمہ شہادت پڑھنا	۲۱۱
۲۵۷	نمازِ جنازہ اور تراویح وغیرہ کی نیت	۲۱۲
۲۵۸	ائمہ حرم کی اقتدا میں نمازِ جنازہ دو سلام سے پڑھنے پر اشکال کا جواب	۲۱۳
۲۶۰	نمازِ جنازہ مکرر پڑھنا	۲۱۴
۲۶۱	شافعی امام کے پیچھے غائبانہ میت کی نمازِ جنازہ پڑھنا	۲۱۵
۲۶۱	عورت اگر نمازِ جنازہ پڑھے تو کیا حکم ہے؟	۲۱۶
۲۶۲	کیا جلی ہوئی میت کو غسل دیا جائے گا؟	۲۱۷
۲۶۲	پوسٹ مارٹم کئے ہوئے شخص کی تجہیز و تکفین اور نمازِ جنازہ	۲۱۸
۲۶۳	میت پلاسٹک میں سلپیک کردہ ہو تو غسل کیسے دیا جائے؟	۲۱۹
۲۶۳	بعد وفات زوجین کا ایک دوسرے کو دیکھنا اور غسل دینا	۲۲۰
۲۶۵	مرنے کے بعد بیوی کا چہرہ دیکھنا	۲۲۱
۲۶۶	بہت چھوٹے بچے کو عورت غسل دے سکتی ہے	۲۲۲
۲۶۶	بے نمازی کی نمازِ جنازہ نہ پڑھنے کی تجویز درست نہیں	۲۲۳
۲۶۷	فاسق و گنہگار مسلمان کی نمازِ جنازہ پڑھنا کیسا ہے؟	۲۲۴
۲۶۸	خودکشی کرنے والے کی نمازِ جنازہ	۲۲۵



۲۶۹	قبر پر نماز جنازہ کب تک پڑھ سکتے ہیں؟	۲۲۶
۲۶۹	رضا خانی سے مقابلہ میں مر گیا وہ شہید ہے	۲۲۷
۲۷۰	پیٹ کے کینسر سے مرنے والا شہید ہے	۲۲۸
۲۷۰	فسادات میں مقتول شہید ہے	۲۲۹
۲۷۱	لا وارث میت کا حکم	۲۳۰
۲۷۲	دفن کے بعد مستحب اعمال	۲۳۱
۲۷۳	بعد تدفین مستحب عمل	۲۳۲
۲۷۳	جنازہ کے ساتھ میلاد پڑھنا، بعد دفن اذان دینا	۲۳۳
۲۷۵	قبر پر اذان دینا	۲۳۴
۲۷۶	زیارت قبور کا مسنون طریقہ	۲۳۵
۲۷۷	زیارت قبور اور میت کی روح کے متعلق	۲۳۶
۲۷۸	انتقال کے بعد سونے کا دانت نکالنا	۲۳۷
۲۷۸	ایصال ثواب میں امام و مؤذن کی شرکت	۲۳۸
۲۷۹	قومی ایکتا کے لیے کافر کی میت کا اعزاز و اکرام کرنا	۲۳۹
۲۸۰	دیوانہ لڑکے کی نماز جنازہ وغیرہ	۲۴۰
۲۸۱	بیٹھ کر قبر میں مٹی رکھنا	۲۴۱
۲۸۲	میت کا منہ دکھانے کی رسم	۲۴۲

۲۸۲	جنازہ میں غیر مسلم کی شرکت	۲۴۳
۲۸۳	میت کے ساتھ کافر کا شریک ہونا	۲۴۴
۲۸۳	بعد دفن ہاتھ اٹھا کر دعا کرنا	۲۴۵
۲۸۴	دفن کے وقت ہاتھ اٹھا کر دعا کرنا، اکابر دیوبند کا معمول	۲۴۶
۲۸۷	دفن کے بعد ہاتھ اٹھا کر دعا کرنا	۲۴۷
۲۸۸	میت کو خوشبو لگانے کا طریقہ	۲۴۸
۲۸۹	میت کے سر ہانے ٹہنی رکھنا	۲۴۹
۲۹۰	تدفین سے پہلے ایصالِ ثواب کا حکم	۲۵۰
۲۹۱	قبل از غسل میت قرآن پڑھ کر ایصالِ ثواب کرنا	۲۵۱
۲۹۱	جنازے میں عدم شرکت کی وصیت معتبر نہیں	۲۵۲
۲۹۲	جنازے کی ایک رسم	۲۵۳
۲۹۳	قبر کے پاس تلاوت قرآن کا حکم	۲۵۴
۲۹۳	قبر پر قرآن شریف میں دیکھ کر تلاوت	۲۵۵
۲۹۴	میت کو قبر میں کس طرح اتارے؟	۲۵۶
۲۹۴	میت کو قبر میں لٹانے کا طریقہ	۲۵۷
۲۹۵	قبر کتنی اونچی کر سکتے ہیں؟	۲۵۸
۲۹۵	جنازہ کے ساتھ بہ آواز بلند کلمہ پڑھنا	۲۵۹
۲۹۶	شبِ برأت اور عیدین میں زیارتِ قبور کا حکم	۲۶۰

۲۹۷	شوہر کے مرض الموت میں مہر معاف کروانا	۲۶۱
۲۹۷	انشغال اور غسل کے وقت میت کو کس طرح سلائے؟	۲۶۲
۲۹۸	غیر مسلم میت کو کندھا دینا اور اگنی سنسکار کرنا	۲۶۳
✽	<b>باب المکروہات والمفادات</b>	✽
۲۹۹	کل صلاة ادیت الخ کا محل۔ (ہر وہ نماز جو مکروہ کے ارتکاب کے ساتھ پڑھی گئی اس کا لوٹانا مستحب ہے یا واجب؟)	۲۶۴
۳۰۰	نماز میں فساد آئے تو اسی وقت ختم کر دے	۲۶۵
۳۰۱	رکوع سجدے میں قراءت کرنا	۲۶۶
۳۰۱	نماز قرآن مجید سے دیکھ کر پڑھنا	۲۶۷
۳۰۲	نماز میں دیکھ کر قرآن شریف پڑھنے والے کی اقتداء کرنا	۲۶۸
۳۰۲	عورت کے محاذات میں نماز پڑھنے کا حکم	۲۶۹
۳۰۳	امام کا محراب میں کھڑے ہو کر نماز پڑھانے کی وجہ کراہت	۲۷۰
۳۰۴	محراب کے مقابل قرآن رکھنا	۲۷۱
۳۰۵	لنگی یا پانچامہ ٹخنوں سے نیچے ہو تو نماز مکروہ تحریمی ہوگی	۲۷۲
۳۰۶	جیب میں تصویر رکھ کر نماز پڑھنا	۲۷۳
۳۰۶	تصویر والی گھڑی پہن کر کیا نماز ہوگی؟	۲۷۴
۳۰۷	چین والی گھڑی پہن کر نماز پڑھنا	۲۷۵
۳۰۷	نماز میں گھڑی دیکھنا	۲۷۶

۳۰۸	نماز میں ستر کا حصہ کھلنے پر ناظر و منظور کی نماز کا حکم	۲۷۷
۳۰۸	ایک رکن میں بار بار کھجلاانا	۲۷۸
۳۰۹	نماز میں بہ وقت ختم قرآن دعائے ماثورہ پڑھنے کا حکم	۲۷۹
۳۱۰	خانہ کعبہ وغیرہ کی تصویر والے مصطلے پر نماز پڑھنا	۲۸۰
۳۱۱	گرم ٹوپی میں پیشانی چھپا کر نماز پڑھنا	۲۸۱
۲۱۱	کسی آنے والے کی خاطر رکوع یا سجدہ کو طویل کرنا	۲۸۲
۳۱۲	دوسرے سلام کے بغیر نماز ختم کرنا	۲۸۳
۳۱۳	قطرہ روکنے کی غرض سے عضو مخصوص کو بانڈھ کر نماز پڑھنا	۲۸۴
۳۱۳	مذی کوروک کر نماز پڑھنا	۲۸۵
۳۱۴	امام نے صرف ایک سجدہ کیا تو نماز کا اعادہ ہے	۲۸۶
۳۱۵	حالت سجدہ میں بوجہ عذر انگلیوں کا بطن زمین پر نہ رکھنا	۲۸۷
۳۱۷	بعد نماز منی کا دھبہ دیکھنا	۲۸۸
❁	<b>باب الوتر</b>	❁
۳۱۷	ائمہ حرم کی اقتداء میں وتر پڑھنا	۲۸۹
۳۲۵	ائمہ حرم کی اقتداء میں وتر پڑھنا	۲۹۰
۳۲۶	اول شب میں قبل الوتر تہجد	۲۹۱
۳۲۶	دیر سے رمضان کا ثبوت ہو تو وتر کا اعادہ نہیں	۲۹۲
۳۲۷	حنفی کا وتر کی نماز میں شافعی امام کی اقتداء کرنا	۲۹۳

۲۹۴	دعائے قنوت پڑھے بغیر رکوع کرنا اور لقمہ دینے پر پھر کھڑا ہونا	۳۲۷
✽	<b>باب صلاة المعذور</b>	✽
۲۹۵	صاحبِ عذر کی تعریف اور اس کا حکم	۳۲۸
۲۹۶	سلس البول یا خروجِ ریح والے مریض کی نماز	۳۲۸
۲۹۷	قیام، رکوع سے عاجز کس طرح نماز پڑھے؟	۳۲۹
۲۹۸	کرسی پر نماز پڑھنے کا حکم مساجد میں کرسیوں کے رواج کی قباحتیں	۳۳۱
۲۹۹	معذور شخص کے لیے ٹیبل وغیرہ پر سجدہ کرنے کا حکم	۳۳۵
۳۰۰	قوتِ حافظہ میں بوجہ مرض نماز و روزہ یا دنہ آنا عذر ہے	۳۴۹
✽	<b>باب صلاة النساء</b>	✽
۳۰۱	مر و عورت کی نماز میں فرق	۳۵۱
۳۰۲	عورتوں کا نماز باجماعت پڑھنا	۳۵۳
۳۰۳	عورتوں کا نماز کی جماعت میں حاضر ہونا کیسا ہے؟	۳۵۳
۳۰۴	حرمین شریفین میں عورتوں کا جماعت کی نماز میں شریک ہونا	۳۵۷
۳۰۵	عورت کے لیے عقیص (انبوڑے) کے ساتھ نماز پڑھنا	۳۵۸
۳۰۶	بجنے والے زیور اور چمک دار کپڑے پہن کر نماز پڑھنا	۳۵۹
۳۰۷	مرد اور عورت کا ساتھ میں نماز پڑھنا	۳۶۰
۳۰۸	مزدور عورتوں کا مسجد میں نماز پڑھنا	۳۶۱

۳۰۹	عورتوں کا مسجد میں باجماعت نماز ادا کرنا	۳۰۹
✽	<b>باب الدعاء</b>	✽
۳۱۰	فرض نماز کے بعد دعا کا ثبوت	۳۱۰
۳۱۱	فرض نماز کے بعد دعا کرنا	۳۱۱
۳۱۲	پنج وقتہ نماز کے بعد دعا کا ثبوت	۳۱۲
۳۱۳	فجر و عصر کے بعد دعا کا ثبوت	۳۱۳
۳۱۴	مغرب کی نماز سے پہلے دعا کا ثبوت	۳۱۴
۳۱۵	فجر اور عصر کی نماز کے بعد مقتدیوں کی طرف منہ کر کے دعا کرنا	۳۱۵
۳۱۶	فرض نماز کے بعد اجتماعی طور پر ہاتھ اٹھا کر دعا مانگنا	۳۱۶
۳۱۷	نماز کے بعد امام کا رخ کس طرف ہو؟	۳۱۷
۳۱۸	نماز کے بعد دعا سر آیا جہراً؟	۳۱۸
۳۱۹	فرض نماز کے بعد دعا کی مقدار	۳۱۹
✽	<b>آلہ مکبر الصوت سے متعلق مسائل</b>	✽
۳۲۰	بلا ضرورت نماز میں مانگ کا استعمال	۳۲۰
۳۲۱	بلا ضرورت مانگ کا استعمال	۳۲۱
۳۲۲	نماز میں آلہ مکبر الصوت کا استعمال اور اس کی حفاظت کرنا	۳۲۲
۳۲۳	آلہ مکبر الصوت کا بقدر ضرورت استعمال	۳۲۳

❁	متفرقاتِ صلوة	❁
۳۸۲	بے نمازی کے متعلق شیخ العثیمین کا فتویٰ شریعت کی نظر میں	۳۲۴
۳۸۸	نماز پڑھ لینے کے بعد دوسری جگہ اسی وقت کو پایا تو کیا دوبارہ نماز پڑھنا ضروری ہے؟	۳۲۵
۳۹۴	حرام لقمہ کھانے سے چالیس روز کی نماز نہیں ہوتی کا مطلب	۳۲۶
۳۹۵	کیا گنہگار کی نماز مقبول ہے؟	۳۲۷
۳۹۵	قومہ اور سجدہ کے اذکارِ مسنونہ	۳۲۸
۳۹۶	پلنگ پر بیٹھے ہوئے کے سامنے نماز پڑھنا	۳۲۹
۳۹۷	سلام پھیرنے کا مسنون طریقہ	۳۳۰
۳۹۸	نماز میں نیت میں ”آج“ کی قید	۳۳۱
۳۹۹	کپڑے کا پردہ سترہ ہے	۳۳۲
۳۹۹	فجر کے علاوہ دیگر نمازوں میں قنوت نازلہ ”فتاویٰ رحیمیہ“ سے ایک عالم کی غلط روش کی اصلاح	۳۳۳
۴۰۲	کویت پر حملہ میں قنوت نازلہ پڑھنا	۳۳۴
۴۰۲	قنوت نازلہ میں ممالک کا نام لینا	۳۳۵
۴۰۳	قنوت نازلہ کے آخر میں درود شریف	۳۳۶
۴۰۴	دوران نماز زلزلہ آجائے تو کیا کرے؟	۳۳۷
۴۰۵	مکبر کا درمیان نماز میں ”تسمیح“ کہنا	۳۳۸

۴۰۵	مغرب سے پہلے اور قبرستان میں دعا	۳۳۹
۴۰۶	نمازی کے نیچے سے چندہ کا ڈبہ گزارنا	۳۴۰
۴۰۷	فجر کے بعد سونا	۳۴۱
۴۰۷	التحیات الخ کا شان نزول	۳۴۲
۴۰۸	نماز و روزہ کے فدیہ کا حیلہ	۳۴۳
۴۱۱	تشہد میں انگلی اشارہ کے بعد کس طرح رکھیں؟	۳۴۴
۴۱۱	نماز میں دھیان کا طریقہ	۳۴۵
۴۱۲	نماز میں وساوس کا علاج	۳۴۶
۴۱۳	تکبیر اولیٰ کا وقت کب تک رہتا ہے؟	۳۴۷
۴۱۳	دو وقتوں کی نماز ساتھ پڑھنا	۳۴۸
۴۱۴	نسبندی کرانے والے کی نماز و روزہ کا حکم	۳۴۹

## کتاب الزکوٰۃ

✽	<b>باب وجوب الزکوٰۃ</b>	✽
۴۱۷	زکوٰۃ کے چند مسائل: حوائجِ اصلیہ کی تحدید نہیں	۳۵۰
۴۱۸	کتنی رقم پر زکوٰۃ واجب ہے؟	۳۵۱
۴۱۸	زکوٰۃ میں حوائجِ اصلیہ کی تشریح	۳۵۲
۴۲۳	کیاٹی وی اور کمپیوٹر کا شمار حوائجِ اصلیہ میں ہے؟	۳۵۳



۴۲۴	ضرورت کے لیے جو رقم ہے کیا اس پر زکوٰۃ ہوگی؟	۳۵۴
۴۲۴	حج کے لیے جمع کرائی ہوئی رقم پر زکوٰۃ کا حکم	۳۵۵
۴۲۵	گھر کے لیے جمع شدہ رقم پر زکوٰۃ اور حج کا حکم	۳۵۶
۴۲۷	ٹریکٹر، سلائی مشین اور حج کے لیے جمع رقم پر زکوٰۃ کا وجوب	۳۵۷
۴۲۸	شادی پر دینے کے لیے رکھے ہوئے زیورات پر زکوٰۃ	۳۵۸
۴۲۸	روزانہ پس انداز رقم کی زکوٰۃ کب ادا کرے؟	۳۵۹
۴۲۹	حکومت کی طرف سے بچوں کو دی جانے والی امداد پر زکوٰۃ	۳۶۰
۴۳۱	بچوں کے نام بینک میں جمع رقم کی زکوٰۃ کس پر ہے؟	۳۶۱
۴۳۱	پراویڈنٹ فنڈ پر زکوٰۃ	۳۶۲
۴۳۳	پراویڈنٹ فنڈ پر زکوٰۃ کے مختلف مسائل	۳۶۳
۴۳۷	کیا دلالی سے جمع کی ہوئی رقم پر زکوٰۃ ہے؟	۳۶۴
۴۳۷	امانت کی رقم پر زکوٰۃ کا حکم	۳۶۵
۴۳۸	فکس ڈپوزٹ والی رقم پر زکوٰۃ	۳۶۶
۴۳۸	جمع رقم پر زکوٰۃ	۳۶۷
۴۳۹	موتی، لال برتن، ہیرہ اور تانبے پر زکوٰۃ	۳۶۸
۴۴۰	سونے کے دانت پر زکوٰۃ	۳۶۹
۴۴۰	ثمنین کو نقد رقم کے ساتھ ملا کر نصاب مکمل کیا جائے گا	۳۷۰
۴۴۱	کیا ہر رقم پر سال گزرنا ضروری ہے؟	۳۷۱

۴۴۲	بیس ہزار روپے اور ڈھائی تولہ سونے میں زکوٰۃ	۳۷۲
۴۴۳	سونے، کپڑے اور نقد روپیوں میں زکوٰۃ	۳۷۳
۴۴۴	نقد رقم اور زیورات پر زکوٰۃ	۳۷۴
۴۴۴	کچھ سونا اور کچھ نقد چاندی ہو تو زکوٰۃ واجب ہے؟	۳۷۵
۴۴۵	سونے کے ساتھ روپیہ بھی ہو تو؟	۳۷۶
۴۴۶	رانگ ملے ہوئے سونے کی زکوٰۃ کا حکم	۳۷۷
۴۴۶	زیورات میں کس قیمت کا اعتبار ہوگا؟	۳۷۸
۴۴۷	صرف روپیوں پر زکوٰۃ	۳۷۹
۴۴۷	مال مستفاد پر زکوٰۃ کا ایک مسئلہ	۳۸۰
۴۴۸	یکے بعد دیگرے فیکٹری خریدی تو زکوٰۃ کا کیا حکم ہے؟	۳۸۱
۴۴۹	فیکٹری کی جگہ اور مشینری پر زکوٰۃ واجب نہیں	۳۸۲
۴۴۹	جس زمین کی مٹی سے اینٹیں بنائی جائیں اس میں زکوٰۃ نہیں	۳۸۳
۴۵۰	نصاب کے برابر مقروض پر زکوٰۃ واجب نہیں	۳۸۴
۴۵۰	سونے چاندی کے ناقص نصاب میں وجوب زکوٰۃ	۳۸۵
۴۵۱	بینک میں جمع رقم سے زکوٰۃ کیسے ادا کرے؟	۳۸۶
۴۵۳	زکوٰۃ کا وجوب اصلی رقم پر ہے نہ کہ سود پر	۳۸۷
۴۵۳	زیور کی زکوٰۃ کون اور کس طرح نکالے؟	۳۸۸

۳۸۹	لڑکی کے لیے زیور بنوا کر رکھا تو اس کی زکوٰۃ کس پر ہے؟	۴۵۶
۳۹۰	بیوی کی زکوٰۃ بیوی ہی ادا کرے	۴۵۷
۳۹۱	عورت کے پاس نقد موجود نہ ہو تو زکوٰۃ کیسے نکالے؟	۴۵۸
۳۹۲	شوہر مقرض ہو تو بھی بیوی کی ملکیت کے زیور پر زکوٰۃ آئے گی	۴۵۹
۳۹۳	شوہر مقرض اور بیوی صاحب نصاب ہو تو؟	۴۵۹
۳۹۴	سونا چاندی کے نصاب میں فرق کی وجہ	۴۶۰
۳۹۵	سونے چاندی کا نصاب جدید حساب سے	۴۶۰
۳۹۶	آرڈر پر کام لینے والا زکوٰۃ کیسے ادا کرے؟	۴۶۱
۳۹۷	بھینسوں پر زکوٰۃ کا حکم	۴۶۲
۳۹۸	نصاب صدقۃ الفطر میں زمین کا شمار ہوگا؟	۴۶۳
۳۹۹	بیوی کا صدقۃ الفطر کس کے ذمہ ہے؟	۴۶۳
۴۰۰	تعمیر مکان کے لیے خریدی گئی اشیاء پر صدقۃ الفطر	۴۶۴
✽	<b>قرض اور زکوٰۃ کے مسائل</b>	✽
۴۰۱	مانع زکوٰۃ قرض	۴۶۵
۴۰۲	فیکٹری مالکان تجار کا دین محیط اور وجوب زکوٰۃ	۴۶۵
۴۰۳	دین مہر مانع وجوب زکوٰۃ ہے یا نہیں؟	۴۷۵
۴۰۴	دین متوسط پر وجوب زکوٰۃ کی ایک صورت	۴۷۹
۴۰۵	دین مؤجل بھی وجوب زکوٰۃ کے لیے مانع ہے	۴۸۰

۴۸۷	قرض کی زکوٰۃ قرض دینے والے پر ہے	۴۰۶
۴۸۸	قرض لی ہوئی رقم کی زکوٰۃ کون ادا کرے گا؟	۴۰۷
۴۸۸	سونا ادھا خریدنے پر زکوٰۃ	۴۰۸
۴۸۹	ادائے زکوٰۃ میں قرض لیے ہوئے سرسوں کا دام کس دن کا وضع کرے؟	۴۰۹
۴۹۰	بیع کی قسط وار وصولی کی صورت میں زکوٰۃ کی ادائیگی	۴۱۰
۴۹۱	قرض حسنہ پر زکوٰۃ ہے یا نہیں؟	۴۱۱
۴۹۲	ڈپازٹ پر زکوٰۃ نہیں	۴۱۲
۴۹۳	مقرض شخص کا صدقہ کرنا	۴۱۳
۴۹۳	قرض خواہ کے انتقال کے بعد نامعلوم قرض وصول ہو تو زکوٰۃ فرض ہوگی؟	۴۱۴
✽	<b>باب زکوٰۃ أموال التجارة</b>	✽
۴۹۴	تجارتی زمین پر زکوٰۃ ہے	۴۱۵
۴۹۴	ہوٹل کے خام مال (آٹا، تیل، مصالحہ) پر کیا زکوٰۃ آئے گی؟	۴۱۶
۴۹۵	مال تجارت کی زکوٰۃ میں کونسی قیمت کا اعتبار ہے	۴۱۷
۴۹۵	زکوٰۃ میں بیچنے کی قیمت کا اعتبار ہے	۴۱۸
۴۹۶	زیرا، سونف، اور رائی پر زکوٰۃ	۴۱۹
۴۹۷	تجارتی غلہ کی زکوٰۃ کے چند مسائل	۴۲۰

۴۹۸	شرکت والے کاروبار کی زکوٰۃ کس طرح نکالی جائے؟	۴۲۱
۴۹۹	مرغیوں پر زکوٰۃ	۴۲۲
۵۰۰	انڈے پر زکوٰۃ	۴۲۳
۵۰۱	زکوٰۃ دکان پر یا مال پر؟	۴۲۴
۵۰۱	مضاربت کی رقم میں زکوٰۃ واجب ہے	۴۲۵
۵۰۲	بیچنے کی نیت سے خریدی ہوئی زمین پر زکوٰۃ	۴۲۶
۵۰۲	مشترکہ منافع میں تصرف اور زکوٰۃ کا حکم	۴۲۷
✽	<b>باب المصارف</b>	✽
۵۰۴	مصرف اور غیر مصرف کی چند صورتیں	۴۲۸
۵۰۶	جس کے پاس ٹی وی وغیرہ ہو اس کو زکوٰۃ دینا	۴۲۹
۵۰۶	مقروض کے لیے زکوٰۃ لینے کا حکم	۴۳۰
۵۰۸	فیکٹری کا مقروض مالک مستحق زکوٰۃ ہے	۴۳۱
۵۰۹	مقروض مستحق زکوٰۃ ہے	۴۳۲
۵۱۰	رہائش کے مکانات زکوٰۃ کا حق دار ہونے میں مانع نہیں	۴۳۳
۵۱۱	مقدمہ کے لیے زکوٰۃ دینا	۴۳۴
۵۱۱	زکوٰۃ کی رقم کاروبار میں لگا کر غربا پر منافع کی تقسیم	۴۳۵
✽	مدارس میں زکوٰۃ کے استعمال کے متعلق کچھ سوالات	✽
۵۱۶	غیر مسلم مہاجن سے قرض لے کر ادائے قرض میں زکوٰۃ دینا	۴۳۶

۵۱۶	مہتمم طلبہ کا وکیل	۴۳۷
۵۱۶	زکوٰۃ کی رقم طلبہ کو بطور وظیفہ دینا	۴۳۸
۵۱۷	حیلوں کی شرعی حیثیت و اقسام	۴۳۹



## باب صلاة القضاء والمسبوق

### قضاے عمری کی نماز پڑھنے کا طریقہ کیا ہے؟

**سوال:** قضاے عمری کے متعلق ایک جگہ اشتہار دیکھا کہ نفل نماز کے بجائے قضاء ادا کریں، اسی طرح بڑی راتوں میں (مثلاً شب برأت، شب قدر وغیرہ میں بھی) زیادہ سے زیادہ قضاے عمری ادا کرنے کی فکر کریں۔ اب دریافت طلب یہ ہے کہ قضاے عمری کا طریقہ کہیں بھی میری نظر سے نہیں گذرا اس لیے تحقیق چاہتا ہوں۔

**الجواب:** حامداً ومصلياً ومسلماً

کسی آدمی کی بہت ساری نمازیں چھوٹ گئی ہیں، اور اس کو معلوم ہے کہ میری اتنی نمازیں فوت ہوئی ہیں تب تو فوت شدہ نمازوں کی تعیین کے ساتھ نیت کر کے قضاء کرے، مثلاً: میری فلاں دن کی فجر کی نماز جو فوت ہوئی ہے میں اس کی قضاء کر رہا ہوں، اسی طرح تمام فوت شدہ نمازوں کی قضاء کر لے، اور اگر اس کو یہ معلوم نہیں کہ اس کی کتنی نمازیں فوت ہوئی ہیں تو فوت شدہ نمازوں کی ادائیگی کے لیے حسب ذیل طریقہ اختیار کر سکتا ہے، مثلاً: سب سے پہلے فجر کی تمام نمازوں کی قضاء کر لے، اور اس کے لیے بوقت قضاء نیت اس طرح کرے کہ میرے ذمہ جتنی فجر کی نمازیں باقی ہیں ان میں جو پہلی فجر ہے میں اس کی قضاء کر رہا ہوں، اسی طرح ہر فجر کی نماز کے لیے نیت کرتا رہے؛ یہاں تک کہ دل کو اطمینان ہو جائے کہ میرے ذمہ جتنی فجر کی نمازیں باقی تھیں ان کی قضاء پوری ہو چکی، اس کے بعد اسی ترتیب سے ظہر کی نمازوں کی قضاء

کرے، اس کے بعد عصر، مغرب، عشاء اور وتر کی قضاء اسی ترتیب سے کرتا رہے، یہ یاد رہے کہ قضاء صرف فرائض کی ہوتی ہے نوافل اور سنن کی قضاء نہیں، مثلاً: فجر کی نماز میں دو سنن اور دو فرض ہیں، تو قضاء صرف دو فرض رکعات کی کی جائے گی، دو سنت رکعتوں کی قضاء کی ضرورت نہیں۔ ایسا آدمی جس کی زندگی میں بہت ساری نمازیں فوت ہوئی ہیں نوافل کی جگہ بھی قضائے عمری ہی پڑھا کرے کیوں کہ اگر موت آگئی اور فرض نمازیں ذمہ میں باقی رہی تو پکڑ ہوگی، اور اگر نفلیں نہ پڑھیں تو ان پر پکڑ نہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عنی عنہ خانپوری

## فرض کی تیسری اور چوتھی رکعت میں سورہ فاتحہ کے بجائے

### تین بار سبحان اللہ کہنا

**سوال:** قضائے عمری کے اشتہار میں یہ بھی لکھا ہوا ہے کہ فرض کی تیسری اور چوتھی رکعت میں الحمد شریف کی جگہ تین بار سبحان اللہ کہے، ہاں! وتر کی ہر رکعت میں الحمد اور سورت پڑھنا ہے۔ اسی طرح تعدہ اخیرہ میں درود اور دعائے ماثورہ کی جگہ فقط ”اللہم صل علی محمد وآلہ“ پڑھے، دریافت طلب یہ ہے کہ کیا اس طرح کرنے سے قضائے عمری ساقط ہو جائیگی؟

**الجواب:** حامداً ومصلياً ومسلماً

جی ہاں! فرض کی تیسری اور چوتھی رکعت میں سورہ فاتحہ کے بجائے تین مرتبہ



سبحان اللہ پڑھ لے تب بھی کافی ہے۔ البتہ وتر کی تیسری رکعت میں الحمد شریف کے ساتھ سورت ملانا ضروری ہے، جس پر بہت ساری قضاء نمازیں باقی ہوں، وہ ان کی ادائیگی میں سہولت کے لیے قعدہ اخیرہ میں درود ابراہیم کی جگہ مختصر درود پراکتفا کرے جیسا کہ سوال میں ہے، اور اسی طرح قعدہ اخیرہ میں درود شریف کے بعد پڑھی جانے والی دعائے ماثورہ چھوڑ دے تو اسکی بھی گنجائش ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔  
کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

## قضاء نمازوں کو بیت اللہ شریف جا کر پڑھے

تو کیا ایک لاکھ کے برابر ثواب ملے گا؟

**سوال:** بیت اللہ شریف میں ایک نماز ادا کرنے کا ثواب ایک لاکھ نماز کے برابر ملتا ہے بالفرض اگر کسی آدمی کی چند نمازیں یہاں قضاء ہوئیں اور وہ بیت اللہ شریف جا کر ادا کرے تو اس کو ہر قضاء نماز کے بدلہ ایک لاکھ نمازوں کے برابر ثواب ملے گا یا نہیں؟

**الجواب:** حامداً ومصلياً ومسلماً

فقہاء نے اس فضیلت کو فرض نماز کے ساتھ مخصوص قرار دیا ہے، اور قضاء نماز بھی اس کا ایک فرد ہے، اس لیے داخل ہونی چاہیے، اگرچہ باوجود تنوع اور تلاش کے اس کی صراحت کسی کتاب میں نہیں ملی۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

بیت اللہ شریف میں ایک قضاء نماز پڑھنے سے ایک ہی نماز  
ذمہ سے ساقط ہوگی، نہ کہ ایک لاکھ

**سوال:** بیت اللہ شریف میں ایک نماز کا ثواب ایک لاکھ نمازوں کے برابر ہے  
اب اگر کسی آدمی کی دس بیس سال کی نمازیں قضاء ہوئیں اب یہ شخص بیت اللہ شریف  
جا کر دس روز تک ایک ایک وقت کی قضاء نماز پڑھے تو کیا اس کی بیس سال کی قضاء  
نمازیں ذمہ سے ساقط ہو جائیں گی؟

**الجواب:** حامداً ومصلياً ومسلماً

جتنی نمازیں قضاء ہوئی ہیں تمام پڑھنی ہوگی، اس کے بغیر ذمہ بری نہیں ہوگا،  
اگر آپ کی فرض کردہ صورت تسلیم کر لی جائے تو پچپن سال سے زائد کی نمازوں کے  
لیے حرم کی ایک نماز کافی ہونی چاہیے، دورانِ قیام روزانہ ایک ایک پڑھنے کی بھی  
ضرورت نہیں رہتی۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

قضاء نمازوں کا علم نہ ہو تو کیسے قضا کریں؟

**سوال:** میری بہت سی نمازیں قضا ہوئی ہیں، اور جب سے قضا ہو رہی ہے تو  
اس کی یہ صورت ہوئی کہ میں نماز ادا بھی کرتا تھا اور قضا بھی کرتا تھا، اس وجہ سے ابھی  
میں نماز کی تعیین نہیں کر سکا ہوں، ”فتاویٰ محمودیہ“ میں لکھا ہے کہ آدمی نماز قضا کو ادا کرتا  
رہے، جب اس کا دل مطمئن ہو جائے گا تو پوری ہو جائے گی، اب اس میں کوئی مقدار

سامنے ہوتی نہیں، اس لیے میں نے یوں سوچا، جتنے سال سے نماز چھوٹ رہی ہے اس کے بارے میں کہ کتنی نماز چھوٹی، نماز شروع کرنے سے پہلے میں اپنے دل سے فتویٰ لے لوں، اور ایک مقدار قائم کر کے نماز پڑھنا شروع کروں، مثال کے طور پر ظہر کی نماز کتنی چھوٹی وہ معلوم نہیں؛ مگر دل سے پوچھتا ہوں تو وہ کہتا ہے ۲۰۰، اس عدد کو سامنے رکھ کر نماز پڑھنا شروع کر دوں؛ تو کیا یہ میرے لیے صحیح ہوگا؟

**الجواب:** حامداً ومصلياً ومسلماً

اس تخمینہ کے مطابق نمازوں کی قضاء کیجئے یہاں تک کہ قلب کو اطمینان ہو جائے کہ اب میرے ذمہ کوئی قضاء باقی نہیں رہی۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عنی عنہ خانپوری، ۱۸ جمادی الاولیٰ ۱۶۱۶ھ

الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عنی عنہ

**فوت شدہ نمازوں کی تعداد معلوم کرنے کا طریقہ**

**سوال:** حضرت اس وقت میری عمر کم و بیش ۲۱ (اکیس سال) ہے، جہاں تک

مجھے یاد ہے جب میں اٹھارہ سال کا تھا تب سے الحمد للہ نمازوں کی پابندی کر رہا ہوں؛ مگر اس سے پہلے کبھی نماز پڑھتا تھا اور کبھی نہیں، اور فجر اور وتر تو جلدی نہیں پڑھ پاتا تھا، اب ان نمازوں کو کس طرح ادا کروں؟

**الجواب:** حامداً ومصلياً ومسلماً

جب سے آپ بالغ ہوئے اس کے بعد سے لے کر نماز پڑھنا شروع کیا، وہاں تک کے زمانہ کی تمام نمازوں کی قضا کر لیں اور اس سلسلہ میں پوری احتیاط کے ساتھ

جو اندازہ لگایا جاسکتا ہو لگائیں اور اس کے مطابق قضا کر لیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

العبد احمد خانپوری، ۷/ محرم الحرام ۱۴۲۳ھ

## قضاء عمری کا آسان طریقہ

**سوال:** قضاء عمری میں آسان طریقہ یہ ہے: ہر فرض نماز کے وقت ایک نماز کی قضا کر لیوے، عصر اور عشاء میں سنت غیر مؤکدہ کے بدلے میں فرض کی قضاء کر لیوے؛ مگر ظہر، مغرب اور فجر میں کب قضاء کرے نوافل و سنت سے فارغ ہو کر یا اس سے پہلے؟

**الجواب:** حامداً ومصلياً ومسلماً  
اختیار ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

## فاسد شدہ نماز کی قضاء کہاں کرے؟

**سوال:** امام مسجد عشاء کی جماعت کر رہے تھے، چوتھی رکعت کے دو سجدے کر کے قعدہ کئے بغیر پانچویں رکعت کے لیے کھڑے ہو گئے، پانچویں رکعت پوری کر کے بیٹھ گئے اور سجدہ سہو کر کے نماز ختم کی، امام صاحب کو بتایا گیا کہ قعدہ اخیرہ چوتھی رکعت میں نہیں ہوا تھا، اس لیے نماز فرض ادا نہیں ہوئی اور اعادہ کرنا ہوگا، امام صاحب اور دوسرے کچھ لوگوں نے کہا کہ نماز ادا ہوگئی اور رکعت زائد باطل ہوگئی اور تاخیر کی سجدہ سہو سے تلافی ہوگئی، اس کے جواب میں مسئلہ کی وضاحت کرتے ہوئے بہشتی

زیور باب سجدہ سہومسلکہ ۱۸ کا حوالہ دیا کہ نماز کا اعادہ کرنا ہوگا، تو امام صاحب نے بہشتی زیور کے بارے میں کہا کہ یہ تو عورتوں کے لیے ہے، اور اپنی نماز کی صحت کی دلیل حدیث بخاری سے دی، ”باب أبواب تفسیر الصلوٰۃ“ میں ذکر ہے کہ آپ ﷺ نے ظہر کی پانچ رکعت پڑھائی۔ (صلی الظہر خمساً) اور سجدہ سہو کر لیا تھا، اس کے جواب میں کہا گیا کہ وہ حدیث بقیہ ائمہ ثلاثہ کے مسلک کی ہے، اور احناف اس کو محمول کرتے ہیں کہ آپ ﷺ قعدہ اخیرہ کر کے پانچویں رکعت کے لیے کھڑے ہوئے ہوں گے جس صورت میں نماز ادا ہو جاتی ہے، تو امام صاحب نے مجبوراً تسلیم کر لیا، اور تقریباً ایک مہینہ پندرہ دن کے بعد نمازِ عشاء میں اعادہ کا اعلان ہوا، سوال یہ ہے کہ اس نماز کی قضا مسجد میں جماعت کے ساتھ کرنی چاہیے یا انفراداً بھی کافی ہے؟ اور اعلان کی سب سے بہتر صورت کیا ہونی چاہیے؟

(الجواب) : حامداً ومصلياً ومسلماً

نماز ختم ہوتے جب امام صاحب کو آگاہ کر دیا گیا کہ قعدہ اخیرہ کے ترک کی وجہ سے نماز فاسد ہوگئی تو ان کو چاہیے تھا کہ اسی وقت وہیں اس نماز کو جماعت کے ساتھ بلا اذان و اقامت لوٹا دیتے؛ لیکن ان کی ضد اور ہٹ دھرمی کے نتیجہ میں اس نماز کی قضا کی نوبت آئی، اب اتنی مدت کے بعد جب اس کی قضا کی جا رہی ہے تو اگر جماعت کے ساتھ قضا کرنا چاہتے ہیں تو اس مسجد میں نہیں ہوگی؛ بلکہ دوسری جگہ کر سکتے ہیں، اور اگر انفراداً کرنا چاہیں تو جہاں چاہیں اختیار ہے۔

وفي المجتبیٰ: قوم ذكروا فساد صلوٰۃ صلوا في المسجد في الوقت  
قضوها بجماعة فيه، ولا يعيدون الأذان والإقامة، وإن قضوها بعد الوقت

قضوہا فی غیر ذلک المسجد بإذان وإقامة اھ (شامی ۱/ ۲۸۷، عالمگیری ۱/ ۵۵)  
اعلان کے لیے وہ صورت اختیار کی جائے جس سے ان تمام حضرات کو اطلاع ہو جائے جو اس دن فاسد شدہ نماز میں شریک تھے؛ تاکہ وہ اس کی قضا کر کے بری الذمہ ہو سکیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عنی عنہ خانپوری، ۲۲/ صفر المظفر ۱۳۱۳ھ  
الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عنی عنہ

## صاحب ترتیب پہلے عصر پھر مغرب پڑھے

**سوال:** ایک شخص مغرب کی اذان کے دوران یا مغرب کی جماعت ہو رہی ہو اس وقت آیا تو اذان کا جواب دے پھر جماعت مغرب میں شریک ہو بعد ادا اپنی ایک وقت کی قضا عصر کی نماز پڑھے یا دوران اذان و جماعت پہلے عصر کی قضا کر لے پھر مغرب کی جماعت میں شریک ہو؟

**الجواب:** حامداً ومصلياً ومسلماً

اگر وہ صاحب ترتیب ہے تو اس کو چاہیے کہ پہلے عصر کی نماز کی قضا کرے، اس کے بعد مغرب کی جماعت میں شریک ہو جائے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: العبد احمد عنی عنہ خانپوری

## ظہر اور عصر چھوٹ جائے تو پہلے کس کو پڑھے؟

**سوال:** اگر کسی وجہ سے ظہر اور عصر چھوٹ جائے اور مغرب کا وقت قریب ہو تو

ظہر اور عصر میں سے پہلے کس کو پڑھے اور اگر مغرب کا وقت بھی نکل جائے تو قضاء نماز کس ترتیب سے پڑھے؟

**الجواب:** حامداً ومصلياً ومسلماً

اگر وہ صاحب ترتیب ہے، یعنی اس پر اس دن کی ظہر اور عصر کے علاوہ اور کوئی نماز باقی نہیں ہے، تب تو جب تک پہلے ظہر پھر عصر نہ پڑھے وہاں تک مغرب کی نماز پڑھنا درست نہیں؛ البتہ اگر مغرب کی نماز ادا کرتے وقت اس کو ظہر اور عصر کی نماز یاد نہ رہی یا مغرب کی نماز کا وقت تنگ ہو چکا ہے کہ ظہر اور عصر ادا کرنے کی صورت میں مغرب کی نماز قضاء ہو جانے کا قوی اندیشہ ہے، تو مغرب درست ہے۔ اور اگر وہ صاحب ترتیب نہیں ہے تو اس صورت میں اگر وقت میں گنجائش ہے تو بہتر یہ ہے کہ پہلے ظہر و عصر ادا کرے لیکن اس کے باوجود اگر پہلے مغرب کی نماز ادا کر لی تو وہ درست ہو جائے گی۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

## بناء کا حکم

**سوال ①:** آخری رکعت میں التحیات کے بعد ریح خارج ہوگئی تو نماز پوری کس طرح کرے؟

**②:** نماز جماعت کے ساتھ پڑھ رہے تھے کہ وضو ٹوٹا اور رکعت کے بعد، اب نماز کس طرح پڑھے؟ وضو کر کے آکر چوتھی رکعت میں حاضر ہوئے تو تکبیر تحریمہ کہہ کر حاضر ہوں گے یا نہیں اور کبھی ایسا ہوا کہ امام نے سلام کہہ دیا جب وضو بنا کر آئے تو

اب پوری نماز پڑھنی پڑے گی؟

الجواب: حامداً ومصلياً ومسلماً

① نیا وضو کر کے بقیہ نماز مکمل کر سکتا ہے جس کو فقہی اصطلاح میں بناء کرنا کہتے ہیں؛ لیکن اس کے لیے کئی شرائط ہیں عموماً ان کی رعایت دشوار ہے اس لیے ازسرنو پڑھ لینا مناسب ہے۔

② جواب نمبر: ۱ کی طرح۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

## مسبوق کے لیے ثناء

سوال: اگر عصر کی جماعت میں بندہ حاضر ہو اس وقت جب کہ امام ایک رکعت پوری کر چکا تھا، تو دوسری رکعت میں جب حاضر ہوا تب ثنا سبحانک اللہم پڑھی جائے گی یا نہیں؟

الجواب: حامداً ومصلياً ومسلماً

عصر کی نماز میں پڑھنا چاہیے۔

إذا انتهى إلى الإمام وقد سبقه الإمام بشيء من صلاته هل يأتي بالثناء؟ فهذا على وجه: الأول: إذا أدركه القيام في الركعة الأولى أو في الثانية، وفي هذا الوجه كان القاضي الإمام أبو علي النسفي يحكي عن أستاذه لا يأتي بالثناء، وقال غيره من أصحابنا؛ يأتي وذكر شيخ الإسلام المعروف بخواهر زاده: إن كانت الصلاة صلاة يخافت فيها



بالقراءة يأتي بالثناء لا محالة، وفي النصاب وعليه الفتوى (تاتارخانيه،  
١٩٥٠) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔  
کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

**سوال:** وضو بنا رہا تھا اور جماعت شروع ہوگئی، جب گیا جماعت میں شریک  
ہونے تو الحمد للہ شریف پوری ہوگئی تھی، مجھے تحریمہ کی تکبیر کے بعد ثناء سبحانک پڑھنی  
ہوگی یا نہیں؟ (مطلب) درمیان قرأت شریک ہونے پر۔

**الجواب:** حامداً ومصلياً ومسلماً

امام کی جہری قرأت کے ساتھ نہ پڑھے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

**مسبوق تشہد ترک کر دے تو سجدہ سہو واجب ہے**

**سوال:** جماعت کی نماز ہو رہی تھی چار رکعت والی، زید کو چوتھی رکعت ملی، اب  
امام کے سلام پھیرنے کے بعد باقی نماز پوری کرنی ہے، اس کے لیے ایک رکعت کے  
بعد التحیات میں بیٹھنا چاہیے یا دو رکعت کے بعد؟ اگر ایک رکعت کے بعد قعدہ اولیٰ  
میں نہیں بلکہ دوسری رکعت میں بیٹھا تو نماز ہوگی یا نہیں یا پھر دوہرانا پڑے گا؟

**الجواب:** حامداً ومصلياً ومسلماً

زید کو چاہیے کہ بقیہ نماز پوری کرتے وقت ایک رکعت کے بعد تشہد کے لیے بیٹھے،  
اگر نہیں بیٹھا تو اس پر سجدہ سہو واجب ہے، اور سجدہ سہو سے نماز ہو جائے گی، اگر سجدہ  
سہو نہ کیا تو نماز لوٹانا چاہیے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

أماہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۸، صفر المظفر ۱۴۲۲ھ

الجواب صحیح: عباس داود بسم اللہ

## چھوٹی ہوئی تین رکعت پڑھنے کی ترکیب

**سوال:** جب چار رکعت والی جماعت کی نماز اگر دو رکعت نکل جائے تو امام کے سلام کے بعد دونوں چھوٹی ہوئی رکعت میں سورت پڑھنی ہوگی؛ لیکن تین رکعت چھوٹی اور ایک رکعت ملی تو امام کے سلام کے بعد ان چھوٹی ہوئی تین رکعتوں کو کس طرح پوری کریں گے؟ مع التفصیل واضح کریں گے۔

**الجواب:** حامداً ومصلياً ومسلماً

امام کے سلام کے بعد کھڑا ہو جائے، ثناء، تعوذ، تسمیہ، فاتحہ اور سورت پڑھ کر رکوع، سجدہ سے رکعت پوری کر کے قعدہ کرے، تشهد کے بعد کھڑا ہو جائے فاتحہ اور سورت پڑھ کر رکوع، سجدہ کے بعد کھڑا ہو جائے صرف فاتحہ پڑھ کر رکوع، سجدہ کے بعد قعدہ اخیرہ کرے، تشهد و درود دعا کے بعد سلام پھیر دے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد غنی عنہ خانپوری

## مسبوق امام کے ساتھ سلام پھیر دے تو؟

**سوال:** منفرد ہو یا مسبوق ہو، اگر ایک طرف امام کے ساتھ سلام پھیر دے تو اس پر سجدہ سہو واجب ہے یا نہیں؟

**الجواب:** حامداً ومصلياً ومسلماً

منفرد جب اکیلا نماز پڑھتا ہے تو وہ امام کے ساتھ کیسے سلام پھیرے گا؟ البتہ مسبوق اگر امام کے ساتھ بھول سے سلام پھیر دے تو اگر اس نے امام کے سلام

کے بعد سلام پھیرا ہے تو اس پر سجدہ سہو ہے؛ ورنہ نہیں ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عنی عنہ خانپوری، ۱۸ شعبان ۱۴۱۶ھ

الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عنی عنہ

## مسبوق التحیات کے بعد کیا پڑھے؟

**سوال:** زید اس حال میں جماعت میں شریک ہوا کہ امام نے تین رکعت پڑھ لی ہیں اور چوتھی رکعت ہے، اب جب امام قعدہ اخیرہ کرے گا تو زید بھی امام کے ساتھ بیٹھے گا، اب سوال یہ ہے کہ زید بھی امام کے ساتھ التحیات درود دعائے ماثورہ وغیرہ پڑھے گا یا نہیں؟ یا چپ بیٹھا رہے گا؟ وضاحت فرمائیں۔

**الجواب:** حامداً ومصلياً ومسلماً

زید قعدہ اخیرہ میں تشہد اس طرح آہستہ آہستہ (دھیمی رفتار سے) پڑھے کہ امام کے سلام کے ساتھ ساتھ اس کا تشہد ختم ہو اور اگر تشہد ختم کر چکا ہے تو ”أشهد أن لا إله إلا الله“ کا تکرار کرتا رہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: احمد عنی عنہ خانپوری، ۱۵ رذوالقعدہ ۱۴۱۴ھ

الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عنی عنہ

## ترک واجب کے سبب اعادہ نماز میں مسبوق کیا کرے؟

**سوال:** واجب کے ترک کی وجہ سے نماز قابل اعادہ ہے، مسبوق امام کے ساتھ سلام پھیرے یا اپنی نماز پوری کرے، یا پھر اعادہ والی نماز میں اقتداء کرے یا اپنی نماز علاحدہ سے پڑھے؟

## الجواب: حامداً ومصلياً ومسلماً

جس نماز میں واجب ترک ہو گیا ہو وہ واجب الاعادہ ہے، مگر یہ اعادہ وقت باقی رہنے تک ہے، وقت ختم ہونے پر وجوب ساقط ہو جاتا ہے۔

فالحاصل أن من ترك واجبا من واجباتها أو ارتكب مكروها تحريما لزمه وجوبا أن يعيد في الوقت فإن خرج أثم ولا يجب جبر النقصان بعده الخ. (شامی ۱/ ۵۳۵)

فقہاء نے یہ بھی تصریح فرمائی ہے کہ اس صورت میں فریضہ تو پہلی نماز سے ساقط ہو گیا، اور اعادہ والی نماز جابر ہے۔

ولها واجبات لا تفسد بتركها وتعاد وجوبا في العمد والسهو إن لم يسجد وإن لم يعد يكون فاسقا أثما وكذا كل صلوة أدت مع كراهة التحريم تجب اعادتها والمختار أنه جابر للأول لأن الفرض لا يتكرر (درمختار) (قوله والمختار أنه) أي الفعل الثاني جابر للأول بمنزلة الجبر بسجود السهو وبالأول يخرج عن العهدة وإن كان على وجه الكراهة على الأصح. (شامی ۱/ ۳۳۷)

جب پہلے والی نماز سے ہی مصلیٰ اپنی ذمہ سے عہدہ برآ ہوتا ہے تو مسبوق کے لیے ضروری ہے کہ وہ امام کے ساتھ سلام نہ پھیرتے ہوئے اپنی نماز مکمل کرے، لیکن چونکہ امام کی نماز کی طرح اس کی نماز بھی ناقص ہوئی ہے، اس لیے اس کی تلافی کے لیے وہ اعادہ والی نماز میں بھی امام کے ساتھ شریک ہو، اب اگر کسی مسبوق نے پہلے والی نماز مکمل کرنے کے بجائے امام کے ساتھ سلام پھیر دیا، تو اب اس کے لیے ضروری ہوگا کہ اعادہ والی نماز میں امام کے ساتھ شریک ہونے کے بجائے الگ سے

پڑھے۔ (کما استفاد من العبارة المنقولة) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۵ محرم الحرام ۱۴۱۵ھ

## نماز کا فدیہ

**سوال:** صلوات مکتوبہ اور صیام رمضان کے فوت ہو جانے کے بعد اگر قضا کی استطاعت نہ رہے یا یہ کہ انتقال ہو جائے، تو متروکہ نمازوں اور روزوں کو کتنا فدیہ دینا پڑے گا؟ فی زمانہ فدیہ کی مقدار کیا ہوگی؟ بعض اہل حدیث یوں کہتے ہیں کہ صلاة فائتہ کے فدیہ کا ثبوت نہیں ہے، ادلہ اربعہ سے مبرہن ومدلل جواب عنایت فرمائیں۔

**الجواب:** حامداً ومصلياً ومسلماً

ایک روزے کا فدیہ نصف صاع گہوں ہے، اسی طرح ایک نماز کے فدیہ کی مقدار بھی اتنی ہی ہے۔ نماز کے فدیہ کے سلسلے میں صریح نص موجود نہیں، یہ حکم روزہ والے فدیہ پر قیاس کرتے ہوئے بہ طور احتیاط دیا گیا ہے۔ شامی میں ہے:

ثم اعلم أنه إذا أوصى بفدية الصوم يحكم بالجواز قطعاً؛ لأنه منصوص عليه، وأما إذا لم يوص فتنوع بها الوارث فقد قال محمد في الزيادات: أنه يجزيه إن شاء الله تعالى، فعلق الأجزاء بالمشيئة لعدم النص، وكذا علقه بالمشيئة فيما إذا أوصى بفدية الصلاة؛ لأنهم أحقوها بالصوم احتياطاً لاحتمال كون النص فيه معلولاً بالنجز، فتشمل العلة للصلاة، وإن لم يكن معلولاً تكون الفدية براً مبتدأً يصلح ماحياً للسيئات، فكان فيها شبهة، كما إذا لم يوص بفدية الصوم، فلذا جزم محمد بالأول ولم يجزم بالأخيرين، فعلم إذا لم يوص بفدية الصلاة فالشبهة أقوى (شامی ۱/۵۰۱)

نصف صاع کی مقدار ہمارے نکالے ہوئے حساب کے مطابق ایک کلو چھ سو باسٹھ گرام ہوتی ہے، پونے دو کیلو دینے میں احتیاط زیادہ ہے۔  
نوٹ: آپ کے جو مسائل اولہ اربعہ سے مدلل و مبرہن ہیں ان کو اہل حدیث حضرات کون سے تسلیم کر رہے ہیں جو آپ اس مسئلے کو لیے بیٹھے ہیں! اہل حدیث کا کام تو صرف اعتراض کرنا ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

آلاء: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۲۶ رمضان ۱۴۲۱ھ

الجواب صحیح: عباس داؤد۔ بسم اللہ

## باب السنن والنوافل

### اذان سے پہلے سنت پڑھنا

**سوال:** اذان ہونے سے پہلے سنت نماز پڑھ لی، اذان ہونے کے بعد دوبارہ پڑھنی ہے یا نہیں؟ اور اگر فرض نماز جماعت سے پڑھ لی بغیر اذان کے، پھر پتہ چلا کہ اذان نہیں ہوئی تو اس کو لوٹانا ہے یا نہیں؟ یعنی وقت تو ہو چکا تھا؛ مگر اذان نہ ہوئی تھی۔

**الجواب:** حامداً ومصلياً ومسلماً  
لوٹانے کی ضرورت نہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

### دور رکعت میں تحیۃ الوضوء اور تحیۃ المسجد کی نیت کرنا

**سوال:** تحیۃ الوضوء اور تحیۃ المسجد ایک نیت سے اور دور رکعت پڑھی تو ثواب مل

جائے گا دونوں کا؟

**الجواب:** حامداً ومصلياً ومسلماً

دونوں کا ثواب مل جائے گا انشاء اللہ۔ (الاشباه والنظائر) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

کیا دوسروں کے لیے استخارہ کر سکتے ہیں؟

**سوال:** اگر کسی کو کوئی کام پڑ جائے اور وہ اس کام کے لیے دوسرے آدمی سے

استخارہ کرنے کو کہے تو کیا دوسرا آدمی استخارہ کر سکتا ہے؟

**الجواب:** حامداً ومصلياً ومسلماً

استخارہ عربی لفظ ہے جس کا معنی ہے ”ایسی چیز کا سوال کرنا جس میں خیر ہو“ نبی

کریم ﷺ کا ارشاد ہے کہ انسان کی سعادت مندی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ سے خیر کا

سوال کرتا رہے، اسی لیے اگر اس کے لیے کسی وجہ سے نماز دشوار ہو تو صرف دعاء سے

بھی استخارہ کر سکتا ہے۔ ترمذی شریف میں حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ سے روایت ہے

کہ جب نبی کریم ﷺ کسی کام کا ارادہ فرماتے تھے تو یہ دعا کرتے تھے ”اللہم

خرلی واخترلی“ (طحاوی علی مراق الفلاح ص ۲۱۷)

خود اپنے لیے استخارہ کرنے کے بجائے دوسروں سے کروانا صراحت سے کسی

کتاب میں نظر سے نہیں گزرا؛ البتہ استخارہ کی حقیقت کا تقاضا یہ ہے کہ یہ بھی درست

ہونا چاہیے؛ اس لیے کہ آدمی جس طرح اپنے لیے ایسی چیز کا سوال کر سکتا ہے جس میں

خیر ہو، اسی طرح دوسرے کے لیے بھی اس قسم کا سوال درست ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔  
کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

## شوافع کے یہاں نمازِ مغرب سے پہلے دو رکعت

**سوال:** زید ایک شافعی مذہب کا امام ہے، اور وہ فرماتے ہیں کہ نمازِ مغرب سے پہلے دو رکعت مسنون ہے؛ لہذا عوام کو بتا کر دو رکعت پڑھنا شروع کر دیا بعد اذان، سوال یہ ہے کہ کیا اس طرح اس کا کہنا از روئے شرع درست ہے؟ کیا شوافع مذہب میں کوئی گنجائش ہے کہ مغرب کی نماز تاخیر کر کے اس دو رکعت کا اہتمام کیا جاوے؟ اور اس طرح تاخیر کرنے سے وقتِ مکروہ تو داخل نہیں ہو جاتا ہے۔

## **الجواب:** حامداً ومصلياً ومسلماً

اس سلسلہ میں علامہ نووی رحمۃ اللہ علیہ نے ”شرح مہذب“ میں جو کچھ فرمایا ہے، وہ پیشِ خدمت ہے:

”باب الاذان“ میں متن کی عبارت: والمستحب ان يقعد بين الاذان والاقامة قعدة ينتظر فيها الجماعة الخ کی شرح فرماتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں:  
أما حكم المسئلة: فاتفق اصحابنا على استحباب هذه القعدة قدر ما تجتمع الجماعة؛ إلا في صلوة المغرب؛ فانه لا يؤخرها لضيق وقتها، ولان الناس في العادة يجتمعون لها قبل وقتها، ومن تأخر عن التقدم لا يتأخر عن اول الصلاة ولكن يستحب ان يفصل بين اذانها واقامتها فصلا يسيرا بقعدة او سكوت او نحوهما هذا مذهبننا، لاخلاف فيه



عندنا، وبه قال احمد و ابویوسف و محمد وهو رواية عن ابي حنيفة  
وقال مالك وابوحنيفة في المشهور عنه لا يقعد بينها (شرح المذهب ۳/ ۱۴۷)

ایک دوسرے مقام پر ”باب صلوة التطوع“ میں رقمطراز ہیں:

(فرع) في استحباب ركعتين قبل المغرب وجهان مشهوران في  
طريقة الخراسانيين، الصحيح منها الاستحباب.

اس کے بعد بطور دلیل چند احادیث نقل فرما کر تحریر فرماتے ہیں:

فهذه الاحاديث صحيحة في استحبابها، ومن قال به من اصحابنا  
ابو اسحق الطوسي وابوزكريا السكري حكاها عنها الرافي، وهذا  
الاستحباب انما هو بعد دخول وقت المغرب وقبل شروع المؤذن في اقامة  
الصلوة، واما اذا شرع المؤذن في الاقامة، فيكره ان يشرع في شيء من  
الصلوات غير المكتوبة الخ (شرح المذهب ۴/ ۹)

علامہ نووی رحمۃ اللہ علیہ شرح مسلم میں فرماتے ہیں:

ولاخلاف في شيء منها عند اصحابنا الا في الركعتين قبل المغرب  
ففيها وجهان لأصحابنا اشهرهما لا يستحب، والصحيح عند المحققين  
استحبابها (نووی شرح مسلم ۱/ ۲۵۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

دو رکعت میں صلوة الحاجہ و صلوة التوبہ کی ایک ساتھ نیت کرنا

سوال: کوئی سنت نماز جیسے صلوة الحاجہ اور صلوة التوبہ کی دو رکعت ایک ساتھ

پڑھ سکتے ہیں؟

**الجواب:** حامداً ومصلياً ومسلماً

جی ہاں! دونوں کی نیت ایک ساتھ کر سکتے ہیں۔ (ماخوذ از عمدۃ الفقہ ۲/ ۷۸) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

املاء: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۷/ ذی القعدة ۱۴۲۷ھ  
الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ

## طلبِ باراں کی نماز

**سوال:** صلوٰۃ استسقاء جب تک بادل ہو اس وقت تک نہیں پڑھ سکتے کیا یہ بات صحیح ہے؟ یہ نماز اگر گاؤں میں پڑھنی ہو تو کیا وہاں خطبوں کی ضرورت نہیں ہے؟ نیز چوپایوں کو لے جانا ضروری ہے یا نہیں؟ چادر پلٹنا اور اٹھے ہاتھ دعا مانگنا کیا حکم رکھتا ہے؟

**الجواب:** حامداً ومصلياً ومسلماً

جب بارش رک جائے اور لوگوں کے پاس اپنے پینے اور مویشیوں نیز کھیتی کو سیراب کرنے کے لیے جتنی مقدار پانی کی ضرورت ہوتی ہے، وہ موجود نہ ہو تو استسقاء کیا جائے گا، چاہے فضاء میں بادل موجود ہوں یا نہ ہوں۔

وشرعاً طلب انزال المطر بكيفية مخصوصة عند شدة الحاجة بان يجبس المطر ولم يكن لهم اودية وآبار وانهار يشربون منها ويسقون مواشيهم وزرعهم او كان ذلك الا انه لا يكفي فاذا كان كافياً لا يستسقى كما في المحيط. (شامی ۱/ ۶۲۳)

امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک استسقاء کے لیے نماز ضروری نہیں ہے؛ البتہ مستحب ہے، جب کہ صاحبین کے نزدیک مسنون ہے، ان کے نزدیک خطبہ بھی ہے، اور اس کے لیے شہر کی کوئی تخصیص نہیں ہے۔ (شامی ۱/۶۲۳) چوپایوں کو لے جانا مستحب ہے۔ (در مختار) قلب رداء بھی مستحب ہے۔ (شامی) لیکن صرف امام کے لیے، لوگ قلب رداء نہ کریں۔

اس دعائیں ہاتھوں کا مبالغہ سے اٹھانا کہ بغلوں کی سفیدی نظر آنے لگے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے۔ (طحاوی ۳۰۱) جو دعارفِ بلاء کے لیے مانگی جائے اس میں تفاوتاً ہاتھوں کو الٹا کیا جاسکتا ہے۔ (طحاوی ۳۰۱) استسقاء میں ایسا کرنے میں تصریح نظر سے نہیں گزری۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

## سنن قبلیہ اور بعدیہ کو مسجد میں پڑھنا بہتر ہے یا گھر میں؟

**سوال:** عن ابن عمر قال: قال رسول الله ﷺ: (اجعلوا في بيوتكم من صلواتكم ولا تتخذوها قبوراً)

(مشکوٰۃ المصابیح ص/ ۶۹ نقلاً عن الشيخين: بخاري ومسلم)

مثال کے طور پر کسی گاؤں کے مکتب میں پندرہ بیس اساتذہ پڑھاتے ہیں، یا اسی طرح کوئی بڑا ادارہ ہے جس میں کافی اساتذہ خدمت دین میں مشغول ہیں، اور یہ بات بالکل صاف اور بدیہی ہے کہ علماء عوام کے لیے اور اساتذہ اپنے طلبہ کے لیے مشعل راہ ہوتے ہیں، طلبہ اپنے اپنے اساتذہ کو دیکھ کر اپنی زندگی کو سنوارتے ہیں؛

لہذا اب سوال یہ ہے کہ حدیث مذکور کونسی نماز کے بارے میں ہے؟ (فرائض، سنن یا نوافل کے بارے میں) گاؤں کے اسی طرح دارالعلوم کے بعض اساتذہ صرف فرائض مسجد میں ادا کرتے ہیں، اور سنن وغیرہ اپنے اپنے گھروں میں پڑھتے ہیں، اور دلیل میں حدیث مذکور پیش کرتے ہیں، کیا یہ استدلال درست ہے؟ اساتذہ کے لیے سنن وغیرہ کہاں پڑھنا افضل ہے؟ امید ہے کہ بالتفصیل اور حوالہ سے جواب عنایت فرمائیں گے۔

(الجواب): حامداً ومصلياً ومسلماً

آپ نے سوال میں بخاری و مسلم کی جس روایت کو پیش فرمایا ہے، اس کے علاوہ ابوداؤد شریف میں یہ روایت بھی ہے: إن النبي ﷺ قال: صلوة المرء في بيته أفضل من صلوته في مسجدي هذا إلا المكتوبة (أبوداؤد شریف ۱/۱۴۹)

اس کی شرح میں حضرت مولانا خلیل احمد صاحب سہارنپوری رحمہ اللہ تحریر فرماتے ہیں:

أي غير الصلوات المكتوبات، هذا الحديث يدل على أن صلاة الرجل في بيته غير المكتوبة أفضل من صلاته في المسجد، وإن كان المسجد فيه فضل كثير كمسجد رسول الله ﷺ و مسجد القدس ومسجد الحرام، لبعده من الرياء، وأما المكتوبات فيجب على الرجال أن يصلوها في المساجد بالجماعة. (بذل المجهود ۵/۴۳۰)

”مسلم شریف“ میں باب ہے ”باب استحباب صلوة النافلة في بيته وجوازها في المسجد وسواء في هذا الراتبه وغيرها إلا الشعائر الظاهرة“ الخ اس کے ماتحت اولاً وہ روایت مذکور ہے جس کو آپ نے سوال میں

پیش فرمایا ہے، اس کے بعد حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی یہ روایت بھی مذکور ہے: قال رسول  
 اللہ ﷺ: إذا قضي أحدكم الصلوة في مسجده فليجعل لبيته نصيباً  
 من صلوته، فإن الله جاعل في بيته من صلوته خيراً

(مسلم مع شرحه فتح الملمم ۲/ ۳۴۰)

مشکوٰۃ شریف میں بخاری و مسلم کے حوالہ سے ”باب قیام شہر رمضان“  
 میں ایک اور روایت بھی موجود ہے، جس کا آخری حصہ یہ ہے:

فصلوا أيها الناس في بيوتكم فإن أفضل صلوة المرء في بيت إلا  
 الصلوة المكتوبة متفق عليه. (ص ۱۱۴)

یہی روایت ابوداؤد شریف میں ان الفاظ کے ساتھ منقول ہے: فعليكم  
 بالصلوة في بيوتكم فإن خير صلوة المرء في بيته إلا الصلوة المكتوبة.  
 اس کی شرح کرتے ہوئے حضرت مولانا خلیل احمد صاحب سہارنپوری رحمہ اللہ تحریر  
 فرماتے ہیں: (فعليكم) وفي رواية الشيخين: فصلوا أيها الناس (بالصلوة)  
 أي بهذه الصلوة (في بيوتكم) و الأمر للاستحباب (فإن خير صلوة  
 المرء) و هذا عام لجميع النوافل والسنن، الا النوافل التي من شعار  
 الإسلام كالعيد والكسوف والاستسقاء (في بيته إلا الصلوة المكتوبة).  
 (بذل المجہود ۷/ ۲۸۰)

”در مختار“ میں ہے: والأفضل في النفل غير التراويح المنزل إلا لخوف  
 شغل عنها والأصح أفضلية ما كان أخشع وأخلص (در المختار)  
 اس کی شرح کرتے ہوئے شامی میں لکھا ہے: (قوله: والأفضل في النفل  
 الخ) شمل ما بعد الفرضية وما قبلها لحديث الصحيحين عليكم

بالصلاة في بيوتكم فإن خير صلاة المرء في بيته إلا المكتوبة وأخرج  
أبو داود صلاة المرء في بيته أفضل من صلاته في مسجد هذا إلا المكتوبة  
وتمامه في شرح المنية وحيث كان هذا أفضل يراعى ما لم يلزم منه خوف  
شغل عنها لو ذهب لبيته أو كان في بيته ما يشغل باله ويقلل خشوعه  
فيصلها حينئذ في المسجد لأن اعتبار الخشوع أرجح (قوله: غير  
التراويح) أي لأنها تقام بالجماعة ومحلها المسجد واستثنى في شرح  
المنية أيضاً تحية المسجد وهو ظاهر أقول: ويستثنى أيضاً ركعتا الإحرام  
والطواف فإن الأولى تصلى في مسجد عند الميقات إن كان كما في  
اللباب والثانية عندا لمقام وكذا ركعتا القدوم من السفر بخلاف إنشائه  
فإنها تصلى في البيت كما يأتي وكذا نفل المعتكف وكذا ما يخاف فوتها  
بالتأخير وكذا صلاة الكسوف لأنها تصلى بجماعة (شامی ۱/ ۵۰۴)

”عمدة الفقہ“ میں ہے: سنتیں خواہ فرضوں سے پہلے کی ہوں یا بعد کی اور نفل نماز  
گھر میں پڑھنا افضل ہے، سوائے ان نو نمازوں کے: ① نماز تراویح کیوں کہ یہ جماعت  
سے پڑھی جاتی ہے اور جماعت کا محل مسجد ہے۔ ② تحیۃ المسجد۔ ③ واپسی سفر کے دو  
نفل۔ ④ احرام کی دو رکعتیں جب کہ میقات کے نزدیک کوئی مسجد ہو۔ ⑤ طواف کی  
دو رکعتیں جو مقام ابراہیم کے پاس پڑھی جاتی ہیں۔ (واجب لغیرہ ہیں یعنی دراصل  
نفل ہیں اور ان کا وجوب عارضی ہے)۔ ⑥ اعتکاف کرنے والے کے نوافل۔  
④ سورج گہن کی نماز کیوں کہ یہ بھی جماعت سے پڑھی جاتی ہے اور جماعت کا محل  
مسجد ہے۔ ⑧ جس کو یہ خیال ہو کہ گھر میں جا کر کاموں میں مشغول ہو جانے کی وجہ  
سے سنن و نوافل فوت ہو جائیں گے، اسی طرح گھر میں جی نہ لگے گا اور خشوع کم ہو

جائے گا، تو افضل یہ ہے کہ سبھی سنن و نوافل مسجد میں پڑھے۔ خلاصہ یہ ہے کہ جہاں ریا نہ ہو اور خشوع و خضوع و اخلاص زیادہ ہو وہاں افضل ہے۔ (۹) نماز جمعہ سے قبل کی سنتیں بھی مسجد میں پڑھنا افضل ہے، اس لیے کہ جمعہ کے وقت سے پہلے جلدی مسجد میں جانا افضل ہے، پس اس کے لیے سنتیں مسجد میں پڑھنا لازمی افضل ہو جائے گا۔ (عمدۃ المفقہ ۲/۳۰)

”فتاویٰ دارالعلوم“ میں ہے۔

سوال: سنتیں مکان پر پڑھنے کی فضیلت ہے، یہ سنن قبلہ اور بعد یہ دونوں کے لیے ہے کیا؟

جواب: یہ حکم ہر دو سنن کے لیے ہے، لیکن اگر بعد فرض کے مکان پر جانے میں راستہ میں یا مکان میں جا کر کچھ حرج واقع ہونے کا احتمال ہے اور امور دنیاوی میں مشغول ہو جانے کا اندیشہ ہے تو پھر مسجد ہی میں سنتیں پڑھ لیوے کیوں کہ ایسا بھی ثابت ہے۔ (فتاویٰ دارالعلوم ۳/۴۰۶)

”فتاویٰ محمودیہ“ میں اس طرح کے ایک سوال کے جواب میں ہے: اعلیٰ بات تو یہی ہے کہ سنن مؤکدہ خاص کر قبلہ بھی مکان پر پڑھیں، لیکن اگر فوت ہونے کا احتمال ہو تو مسجد میں پڑھیں۔ (فتاویٰ محمودیہ ۱۲/۲۹۷)

”فتاویٰ دارالعلوم“ میں ”در مختار“ کی مذکورہ عبارت ذکر کرنے کے بعد لکھا ہے کہ اس اخیر عبارت سے واضح ہوا کہ جو خشع و اخلاص ہو وہی افضل ہے۔ اگر مسجد میں پڑھنے میں خشوع زیادہ ہے اور اخلاص زیادہ ہے اور گھر جا کر پڑھنے میں خوف تاخیر وغیرہ ہے تو پھر مسجد میں پڑھنا ہی افضل ہے۔ (فتاویٰ دارالعلوم ۳/۲۱۱)

”خیر الفتاویٰ“ میں ہے: تراویح کے علاوہ دیگر سنن و نوافل گھر میں پڑھنا زیادہ

افضل ہے۔ لیکن اگر گھر میں علاحدہ جگہ نہ ہو یا بچوں کے شور و شغب کی وجہ سے خشوع و خضوع میں نقصان آئے تو پھر مسجد میں پڑھنا بہتر ہوگا۔ (خیر الفتاویٰ ۲/۳۷۱)

”احسن الفتاویٰ“ میں ہے: نوافل و سنن گھر میں ادا کرنا افضل ہے بہ شرطے کہ راستہ میں کسی مشغولیت کا خطرہ نہ ہو اگر گھر میں کوئی امر خشوع میں مخل ہو تو مسجد افضل ہے۔ (احسن الفتاویٰ ۳/۳۸۷)

عبارات بالا سے بات صاف ہو گئی کہ سوال میں مذکور حدیث اور اسی طرح کی دیگر احادیث جو اوپر جواب کے شروع میں پیش کی گئی ہیں، ان سے مراد سنن و نوافل ہیں فرائض نہیں؛ نیز نوافل میں بھی جو نمازیں اس حکم سے مستثنیٰ ہیں ان کی تفصیل بھی جواب میں مذکور کتب فقہ کی عبارتوں میں موجود ہے، اس لیے جو حضرات صرف فرائض مسجد میں ادا کرتے ہیں اور سنن و نوافل وغیرہ اپنے گھروں میں ادا کرتے ہیں ان کا یہ عمل عین سنت کے مطابق ہے؛ البتہ بعض عوارض کی صورت میں ان نمازوں کو مسجد میں ادا کرنا بہتر قرار دیا گیا ہے، جیسا کہ اوپر جواب میں مذکور فقہ و فتاویٰ کی عبارتوں میں اس کی صراحت موجود ہے، چنانچہ انہی عوارض میں سے ایک یہ ہے کہ گھر پر جا کر ادا کرنے کی صورت میں تاخیر ہو جانے کا اندیشہ ہو یا ادائیگی سے پہلے کسی ایسی رکاوٹ کے پیش آ جانے کا قوی امکان ہو کہ اس کی وجہ سے یہ سنتیں فوت ہو جائیں گی یا گھر کے مقابلہ میں مسجد میں ادا کرنے کی صورت میں خشوع اور دل جمعی زیادہ حاصل ہوتی ہو تو ان صورتوں میں سنن قبلیہ و بعدیہ کو مسجد ہی میں ادا کرنا مناسب اور بہتر ہوگا۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

الملاء: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۱۷/ رجب الاول ۱۴۲۷ھ

الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ



## تہجد کی نماز باجماعت منقول نہیں

**سوال:** ہمارے یہاں تراویح کے تقریباً دو گھنٹہ بعد نوافل کی جماعت کا سلسلہ شروع ہو گیا ہے جسے قیام اللیل سے تعبیر کرتے ہیں، اس کی صورت یہ ہوتی ہے کہ اخیر عشرہ میں تین حفاظ چھ رکعات میں تین پارے پڑھاتے ہیں، اس طرح ایک قرآن پاک ختم کیا جاتا ہے۔ اس میں شہر کی مختلف مساجد سے لوگ شرکت کرتے ہیں، تو دریافت یہ کرنا ہے کہ قیام اللیل کے نام سے اس طرح نفل کی جماعت کرنا درست ہے؟ شرعی حیثیت کیا ہے؟

**الجواب:** حامداً ومصلياً ومسلماً

تہجد کی نماز رمضان یا غیر رمضان میں باجماعت پڑھنے کا اہتمام آنحضرت ﷺ اور آپ ﷺ کے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین سے منقول نہیں ہے، ماہ مبارک میں آنحضرت ﷺ کا معمول اعتکاف کا تھا؛ لیکن آپ ﷺ نے صحابہ کرام کے ساتھ تہجد باجماعت پڑھی ہو یہ ثابت نہیں، اس لیے فقہائے کرام لکھتے ہیں کہ تہجد وغیرہ نفل نماز باجماعت پڑھنا مکروہ ہے، بلا تداعی ایک دو مقتدیوں کے ساتھ مکروہ نہیں، یہ حدیث سے ثابت ہے اس سے زیادہ کا ثبوت وارد نہیں، لہذا فقہاء لکھتے ہیں کہ امام کے ساتھ تین مقتدی ہونے میں اختلاف ہے اور چار یا اس سے زیادہ مقتدی ہوں تو بالا جماع مکروہ ہے۔ (فتاویٰ رحیمیہ ۴/۳۲۳) مزید تفصیل کے لیے فتاویٰ رحیمیہ جلد ۱/۱۷۷ سے ۱۷۹ کا مطالعہ کریں۔

فتاویٰ رشیدیہ سے ایک سوال جواب نقل کیا جا رہا ہے:

سوال: نوافل کو باجماعت ادا کرنا اور بالخصوص رمضان میں تہجد اور اوامین کو جماعت سے پڑھنا جائز ہے یا نہیں؟

جواب: جماعت نوافل کی سوائے ان مواقع کے کہ حدیث سے ثابت ہیں مکروہ تحریمی ہے، فقہ میں لکھا ہے کہ اگر تداعی ہو اور مراد تداعی سے چار آدمی مقتدی کا ہونا ہے، پس جماعتِ صلاۃ کسوف، تراویح، استسقاء کی درست ہے اور باقی مکروہ ہیں۔  
کذا فی کتب الفقہ (فتاویٰ رشیدیہ قدیم ۱/۲۷)

اس موضوع پر حضرت مولانا مفتی محمد تقی صاحب دامت برکاتہم کا ایک مستقل رسالہ ”رمضان میں نفل کی جماعت“ کے نام سے ان کی کتاب ”فقہی مقالات“ جلد دوم از صفحہ ۳۳ تا صفحہ ۵۶ مطالعہ فرمائیں۔ شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ کی علمی و فقہی تحریرات کو ان کے نواسہ حضرت مولانا مفتی سلمان منصور صاحب زید مجدہم نے ”فتاویٰ شیخ الاسلام“ کے نام سے ترتیب دیا ہے اس میں ”رمضان میں تہجد کی جماعت“ کے عنوان سے حضرت شیخ الاسلام رحمۃ اللہ علیہ کا ایک جواب شامل کیا گیا ہے، اس کے حاشیہ میں مرتب محترم تحریر فرماتے ہیں: یہ مسئلہ (رمضان میں تہجد کی جماعت کا جائز ہونا) حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے تفردات میں سے ہے، جسے حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے مجتہدانہ بصیرت سے کام لیتے ہوئے براہ راست احادیث شریفہ سے مستنبط فرمایا ہے، لیکن احقر کو حضرت کے اس موقف کی تائید فقہ حنفی کے کسی جزئیہ سے نہیں ملی، بلکہ مسبوط سرخسی اور دیگر معتبر کتب احناف میں تین چار سے زیادہ مقتدی ہونے کی صورت میں نوافل کی جماعت کو مطلقاً مکروہ قرار دیا گیا ہے۔ (مبسوط سرخسی ۲/۱۴۴) بریں بناء مسئلہ زیر بحث میں فقہ حنفی کی رو سے حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کا

موقف ہی راجح اور مضبوط ہے۔ (حاشیہ فتاویٰ شیخ الاسلام ۴۳)

لہذا آپ کے یہاں ”قیام لیل“ کے نام سے باجماعت نوافل کا جو سلسلہ مختلف مساجد میں شروع کیا گیا ہے وہ مکروہ تحریمی ہے، مسلک دیوبند سے تعلق رکھنے والے اکابر مفتیانِ کرام اس کو مکروہ تحریمی ہی بتلاتے ہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

## تسبیح اور تہجد باجماعت

**سوال:** عام طور پر شب قدر، شب براءت میں لوگ مجبور کرتے ہیں کہ صلاۃ التسبیح اور تہجد جماعت کے ساتھ پڑھاؤ، ہم کو تنہا پڑھنا نہیں آتا ہے، تو کیا ان نوافل کی جماعت ہو سکتی ہے؟ کیا کراہت ہے یا پھر حرام کا درجہ ہے؟

**الجواب:** حامداً ومصلياً ومسلماً

صلاۃ التسبیح جماعت کے ساتھ منقول و مشروع نہیں۔ (فتاویٰ محمودیہ ۱۳/۶۶)

تہجد کی جماعت علی السبیل التداعی مکروہ ہے۔ (فتاویٰ محمودیہ ۲/۱۶۰)

یہ کراہت تحریمی (یعنی قریب بہ حرام) ہے۔ کما هو مصرح فی الطحطاوی۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری ۹ جمادی الاخریٰ ۱۴۱۹ھ

الجواب صحیح: عباس داود بسم اللہ

## تہجد کا طریقہ، اہمیت اور فضائل

**سوال:** نماز تہجد کا طریقہ، اہمیت اور فضائل بیان کریں؟

الجواب: حامداً ومصلياً ومسلماً

تہجد کی نماز رات میں سو کر اٹھنے کے بعد نصف لیل کے بعد پڑھنا افضل ہے، اس کی مقدار کم از کم دو رکعت اور زیادہ سے زیادہ آٹھ رکعتیں ہیں۔ جس طرح دیگر نوافل پڑھے جاتے ہیں اسی طرح تہجد بھی پڑھی جائے گی۔ اس کے فضائل میں بے شمار احادیث وارد ہوئی ہیں، جن کا احاطہ اس مختصر جواب میں دشوار ہے، اس موضوع پر اردو میں مستقل رسائل موجود ہیں، ان کا مطالعہ کیا جائے۔ مسلم شریف میں روایت ہے کہ فرائض کے بعد سب سے افضل نماز رات کی نماز ہے۔ (شامی ۵۰۶/۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: احمد عفی عنہ خانپوری، ۲۶/۲ ذوالقعدہ ۱۳۱۳ھ

## تہجد کے متعلق کچھ سوال

سوال: ① تہجد نماز کی کیا کیفیت ہے؟ کس طرح پڑھنا چاہیے؟ مسنون و احسن طریقہ کیا ہے؟

② کس وقت تک تہجد نماز پڑھ سکتا ہے؟

③ کیا تہجد نماز میں کوئی خاص سورت مسنون ہے؟ اگر ہے تو کونسی سورت ہے؟

④ تہجد نماز کے سجدے میں کیا آدمی دعا کر سکتا ہے یا نہیں؟

الجواب: حامداً ومصلياً ومسلماً

① تہجد کی نماز بھی دیگر نوافل کی طرح ادا ہوتی ہے، اس کی ادائیگی کا الگ سے

کوئی طریقہ نہیں ہے، نبی کریم ﷺ کا معمول تہجد میں طویل قرات کا تھا۔

② صبح صادق تک اس کا وقت رہتا ہے۔

③ تہجد کی نماز میں کوئی خاص سورت مسنون نہیں۔

④ تہجد کے سجدہ میں دعا کر سکتے ہیں۔

فظواللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۲۷ ربیع الآخر ۱۳۱۳ھ  
الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

## صلاة الكسوف مکروہ اوقات میں پڑھنا

سوال: صلاة الكسوف کی نماز اوقات مکروہ میں پڑھ سکتے ہیں مثلاً بعد العصر؟

تحریر فرمائیں۔

الجواب: حامداً ومصلياً ومسلماً

اوقات مکروہہ میں صلاة الكسوف نہیں پڑھی جاسکتی۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۱۸ رمضان المبارک ۱۳۲۰ھ  
الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ

## کسوف شمس کی رکعتیں اور قراءت کی کیفیت

سوال: ① ۲۴ اکتوبر کو جو سورج گہن ہو اس میں گاؤں کی ایک مسجد میں نماز

ادا کی گئی، جس میں ۴ رکعت نماز پڑھنے کا اہتمام کیا گیا، تقریباً ایک گھنٹے سے زائد وقت لگا قریب قریب ۴ پارہ قرآن پڑھا گیا۔

② ایک اشتہار چھپوایا تھا، جس میں لکھا تھا بخاری کے حوالے سے ۲ سے ۴

رکعت پڑھ سکتے ہیں، صفحہ بخاری ۱۳۵ سے ۱۳۹ تک کا حوالہ؛ حالاں کہ ہم نے بزرگان دین کو دیکھا ۸۰ء میں سورج گہن ہوا تھا تو دو رکعت نماز کا اہتمام کیا گیا تھا، ساتھ میں انہوں نے سر او جہراً کا مسئلہ چھیڑا۔ مزید ایک بات بیان کی ہے، اس زمانے میں زور سے پڑھنا زیادہ بہتر ہے اور لمبی دعا کا اہتمام کیا گیا، اس طرح کرنے والے پابندِ صوم و صلوة و عالم نہیں، کیا ان باتوں کا اسی طرح ثبوت ہے؟

(الجواب) : حامداً ومصلياً ومسلماً

① سورج گہن میں چار رکعت بھی پڑھ سکتے ہیں۔

يصلى بالناس من يملك اقامة الجمعة ركعتين بيان لأقلها وان شاء اربعا او اكثر كل ركعتين بتسليمة او كل اربع مجتبي.

(در مختار على هامش الشامى ۱/۶۲۲) (البحر الرائق ۲/۱۸۰)

② بخاری شریف میں ابواب الکسوف میں حضور اکرم ﷺ کے دو رکعت پڑھنے ہی کا تذکرہ ہے، چار رکعت کا نہیں ہے، وہاں ”اربع رکعات“ کا کلمہ چار مرتبہ استعمال کیا گیا ہے، اس سے مراد چار رکوع ہیں، چار رکعت نہیں، ممکن ہے اشتہار دینے والے صاحب کو اس سے غلط فہمی ہوئی ہو۔

سورج گہن میں امام ابو حنیفہ کے نزدیک قرأت آہستہ ہے؛ البتہ امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ سے جہر کی روایت ہے، حضرت مولانا مفتی اسماعیل بسم اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ (مفتی گجرات و سابق مفتی جامعہ ڈابھیل) نے جہراً قرأت کی اجازت اپنے فتوے میں دی ہے؛ اس لیے اس مسئلہ کو موضوع نزاع نہ بنایا جائے، اگر نماز طویل ہو تو باقی بچا ہوا مختصر وقت دعا میں صرف ہونا چاہیے، اور اگر نماز مختصر ہو تو باقی بچا ہوا طویل وقت دعا میں صرف

ہونا چاہیے۔ الحاصل! سورج گہن کا پورا وقت نماز و دعا میں گزارنا چاہیے۔ (عمدۃ الفقہ)  
فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری ۶ جمادی الاخریٰ ۱۲۱۶ھ  
الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

## باب سجود السہو

تیسری رکعت میں بھول کر بیٹھنے سے سجدہ سہو

**سوال:** اگر امام تیسری رکعت میں بھول کر بیٹھ گیا، اور اتنی مقدار نہ بیٹھا کہ تین مرتبہ تسبیح نہ پڑھی ہو، اور کھڑا ہو گیا لقمہ کے بغیر، اور سجدہ سہو نہ کیا تو نماز ہوگی یا نہیں؟ (نماز عصر کے وقت)۔

**الجواب:** حامداً ومصلياً ومسلماً

راج یہ ہے کہ تین بار ”سبحان ربی الاعلیٰ“ کی مقدار بیٹھنے سے سجدہ سہو واجب ہوگا، اس سے کم پر نہیں۔ (احسن الفتاویٰ ۴/۳۴) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔  
کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

قعدہ اولیٰ میں التحیات کے بعد درود شریف پڑھ لیا

**سوال:** اگر امام دوسری رکعت میں التحیات کے بعد درود شریف پڑھ لے، اور اس کے بعد تیسری رکعت میں کھڑا ہو گیا سجدہ سہو کرے یا نہ کرے؟ اگر سجدہ سہو نہ کیا تو نماز ہوگی یا نہیں؟

**الجواب:** حامداً ومصلياً ومسلماً

فرض، وتر اور سنن مؤکدہ میں قعدہ اولیٰ میں التحیات کے بعد رد و شریف پڑھنے سے سجدہ سہو واجب ہوگا، اس لیے کہ تیسری رکعت کا قیام جو رکن ہے، اس کی ادائیگی میں تاخیر ہوئی، اگر سجدہ سہو نہیں کیا تو نماز ناقص ہوئی اس کا اعادہ کرے۔  
وتأخير قيام إلى الثالثة بزيادة على التشهد بقصد ركن.

(تنوير الأبصار ۲/۸۱)

لها واجبات لا تفسد بتركها وتعاد وجوبا في العمد والسهو إن لم يسجد (درمختار ۱/۵۶۶) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۳/ ذوالحجہ ۱۴۰۹ھ  
الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

**وتر کے قعدہ اولیٰ میں سورہ فاتحہ پڑھ لینا**

**سوال:** ایک شخص نے وتر کے قعدہ اولیٰ میں بھول سے سورہ فاتحہ کو پڑھ لیا، پھر التحیات کو بھی پڑھا تو کیا سجدہ سہو سے نماز درست ہو جائے گی یا نہیں؟ مفصل و مدلل جواب تحریر فرمائیں۔

**الجواب:** حامداً ومصلياً ومسلماً

ہو جائے گی۔

وإذا قرأ الفاتحة مكان التشهد، فعليه السهو إذا بدأ في موضع التشهد بالقرأة ثم تشهد فعليه السهو (فتاویٰ عالمگیری ۱/۱۲۷) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۲۷/ ذوالحجہ ۱۴۱۰ھ



## قعدہ اولیٰ چھوڑ کر تیسری رکعت میں قعدہ کرنے پر سجدہ سہو

**سوال:** زید ایک مسجد کا امام ہے، زید نے عصر کی نماز پڑھائی اور قعدہ اولیٰ نہیں کیا، مقتدی نے لقمہ دیا، امام نے لقمہ نہیں لیا اور تیسری رکعت میں قعدہ میں بیٹھا، پھر لقمہ دیا گیا، اس لقمہ کو بھی قبول نہیں کیا، تیسری رکعت میں قعدہ پورا کیا اور چوتھی رکعت میں قعدہ اخیرہ پورا کر کے بغیر سجدہ سہو سلام پھیر دیا، لہذا معلوم کرنا ہے کہ صورت مذکورہ میں نماز ہوگئی یا کہ فاسد ہوئی، جس کا دہرانا ضروری ہے؟

**الجواب:** حامداً ومصلياً ومسلماً

صورتِ مسئلہ میں جب کہ امام نے قعدہ اولیٰ چھوڑ دیا، تو اس پر سجدہ سہو واجب ہوا، اسی طرح تیسری رکعت میں اس کو کھڑا ہو جانا چاہیے تھا، اس کے بجائے قعدہ کر لیا، اس سے بھی سجدہ سہو واجب ہوا، اس لیے امام پر ضروری تھا کہ آخر میں سجدہ سہو کرتا؛ لیکن اس نے سجدہ سہو نہیں کیا اور نماز ناقص رہی، اس کا اعادہ واجب ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عنی عنہ خانپوری، ۴ / ربیع الاول ۱۱۱۷ھ

الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عنی عنہ

## نفل نماز میں بھی سجدہ سہو واجب ہے

**سوال:** نفل نماز میں سجدہ سہو ہے یا نہیں؟

**الجواب:** حامداً ومصلياً ومسلماً

نماز کے واجباتِ اصلیہ میں سے کسی واجب کو سہواً چھوڑ دینے کی وجہ سے سجدہ

سہو واجب ہو جاتا ہے، نماز چاہے فرض ہو یا واجب ہو یا نفل۔ (شامی ۲/۵۶۰ ذکر کیا) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

## ایک سورت کی ابتدا کے بعد دوسری سورت پڑھنے کا حکم

**سوال:** امام صاحب نماز دو گانہ کے لیے عید گاہ آئے اور نماز شروع کی، نیت اور تکبیر زائد ادا کی، اور پہلی رکعت میں سورۃ الحمد ختم کی اور جب دوسری سورۃ شریف شروع کی اس وقت انہوں نے صرف الف لام پڑھا اور پھر سورۃ منزل شروع کر دی، اور ایک رکوع پڑھ کر ایک رکعت پوری کی، دوسری رکعت میں بھی دوسرا رکوع سورۃ منزل کا پڑھ کر تمام نماز ادا کی اور سلام پھیر دیا، تو کیا اس طرح سے نماز دو گانہ مکمل ہو گئی؟ جب کہ امام صاحب نے پہلی رکعت میں الحمد کے بعد الف لام پڑھ کر سورۃ منزل شروع کی اور سجدہ سہو بھی ادا نہیں کیا، برائے کرم مذہب حنفیہ میں مسنون طریقہ کیا ہے؟ اور نماز ہوئی یا نہیں؟

**الجواب:** حامداً ومصلياً ومسلماً

صورت مسئلہ میں سجدہ سہو واجب نہیں ہوا تھا، نماز درست اور صحیح ہو گئی۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۶/ شوال المکرم ۱۴۱۱ھ

الجواب صحیح: عباس داد بسم اللہ عفی عنہ

## ایک آیت چھوڑنے پر سجدہ سہو کرنا

**سوال:** ایک صاحب جماعت کی نماز میں ایک آیت چھوڑ کر آگے سے پڑھ

لینے پر سجدہ سہو کرتے ہیں کیا یہ درست ہے؟

**الجواب:** حامداً ومصلياً ومسلماً

نہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۷/ جمادی الاول ۱۴۱۲ھ

الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

## دوسری رکعت کے بعد کھڑا ہونے سے سجدہ سہو

**سوال:** امام نماز تراویح کی دوسری رکعت پوری کرنے کے بعد سیدھا کھڑا

ہو گیا اور مقتدیوں نے لقمہ دے کر بٹھا دیا تو امام صاحب نے سجدہ سہو کر کے نماز تمام

کردی، جب کہ بالکل سیدھا کھڑا ہو گیا تھا اس کے بعد لوٹ کر بیٹھے تو کیا حکم ہے؟

**الجواب:** حامداً ومصلياً ومسلماً

صورتِ مسئلہ میں جب امام نے سجدہ سہو کر لیا تو نماز درست ہو گئی۔ فقط واللہ

تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۲۲/ رمضان المبارک ۱۴۱۲ھ

## قعدہ اولیٰ بھول کر کھڑے ہونا

**سوال:** ایک امام صاحب عشاء کی چار رکعت پڑھا رہے تھے؛ مگر بھول سے

قعدہ اولیٰ فوت ہو گیا اور سیدھے کھڑے ہو گئے، بعد میں کچھ مقتدیوں کے لقمہ سے پھر بیٹھ گئے، اور قعدہ اولیٰ کیا اور چار رکعت پوری کی؛ مگر سجدہ سہو کرنا بھی بھول گئے، اب کچھ وہ مقتدی جو امام کی ایک رکعت ہو جانے کے بعد نماز میں شامل ہوئے تھے ان لوگوں نے اپنی چھوٹی ہوئی رکعت تو پوری کی؛ مگر یہ سمجھ کر کہ امام صاحب سہو کا سجدہ کرنا بھول گئے ہیں ہم کر لیں، اور کر بھی لیا، تو پوچھنا یہ ہے کہ اس مسئلہ میں کس کی نماز ہوئی اور کس کی نہیں ہوئی؟ یا کسی کی نہیں ہوئی؟

**الجواب:** حامداً ومصلياً ومسلماً

امام جب قعدہ اولیٰ کرنے کے بجائے بھول سے کھڑا ہو گیا تو اب مقتدیوں کو لقمہ نہیں دینا چاہیے تھا، اور اگر دیا بھی تو امام کو بیٹھنا نہیں چاہیے تھا، اور اگر امام بیٹھ بھی گیا تو مقتدیوں کو کھڑے ہی رہنا چاہیے تھا بیٹھنا نہیں چاہیے، اور امام کو بھی چاہیے تھا کہ قعدہ چھوڑ کر کھڑا ہو جائے؛ لیکن جب وہ کھڑا نہیں ہوا اور تشہد پڑھ کر اٹھا تو سجدہ سہو واجب ہوا، اور اس کے نہ کرنے کی وجہ سے نماز واجب الاعداء ہوئی، جن مسبوق حضرات نے بعد میں سجدہ سہو کر لیا ان پر اعداء واجب نہیں ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۲۵/ شوال ۱۴۱۷ھ

الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ

عصر میں سہو کی وجہ سے پڑھی گئی مزید دو رکعت مکروہ نہیں

**سوال:** اگر کوئی شخص فرض نماز عصر کی ادا کر رہا تھا، سہو اچوتھی رکعت میں سلام نہیں پھیرا؛ بلکہ کھڑا ہو گیا تو چوں کہ بعد العصر نفل مشروع نہیں ہے تو اب دو رکعت نفل

ادا کرے گا یا نہیں یا کھڑا ہونے کے بعد واپس قعدہ میں آئے، اگر دو رکعت کا اضافہ ہو گیا تو نماز درست ہوئی یا نہیں یا اعادہ صلوٰۃ واجب ہے؟

**الجواب:** حامداً ومصلياً ومسلماً

اگر بقدر تشہد بیٹھ کر التحیات پڑھ کر کھڑا ہو گیا تو پانچویں رکعت کا سجدہ کرنے سے پہلے جب یاد آئے بیٹھ جائے اور التحیات نہ پڑھے، بلکہ بیٹھ کر اسی وقت سلام پھیر کر سجدہ سہو کر لے اور پھر قعدہ کر کے التحیات و درود و دعاء پڑھ کر سلام پھیر دے، اور اگر پانچویں رکعت کا سجدہ کر چکا تب یاد آیا تو ایک رکعت اور ملا کر چھ رکعت پوری کر لے اور آخر میں سجدہ سہو کرے، اس کی چار رکعتیں فرض اور دو رکعت نفل ہو جائیں گی۔

(زبدۃ الفقہ ۲/۱۷۱)

عصر کے بعد نفلوں کا قصد پڑھنا مکروہ ہے، صورتِ مسئلہ میں جو پڑھی گئی ہیں وہ قصد نہیں ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

**التحیات سے پہلے سجدہ کی تسبیح دو مرتبہ پڑھی تو سجدہ سہو نہیں**

**سوال:** زید نے عشاء کی نماز پڑھائی اور قعدہ اولیٰ میں التحیات سے پہلے سجدہ سے سراٹھاتے ہی التحیات پڑھنے کے بجائے سجدہ کی یارکوع کی تسبیح دو مرتبہ پڑھی، اور چونکہ ہو گیا کہ میں تو قعدہ میں ہوں، فوراً التحیات پڑھنا شروع کر دیا، اب وہ نماز میں ہی پریشان ہو گیا کہ سجدہ سہو کروں یا نہیں؟ ایک طرف یہ خیال آتا ہے کہ تین تسبیح کی بقدر تاخیر ہو جائے تو سجدہ سہو واجب ہوتا ہے، دوسری طرف یہ خیال آتا ہے کہ

التحیات کے بعد اللہم صل علی محمد پڑھ دیا تو سجدہ سہو واجب ہوتا ہے، بالآخر وہ نماز میں ہی اس نتیجہ پر پہنچا کہ سجدہ سہو واجب نہیں ہے، لہذا سجدہ نہیں کیا اور نماز ختم کر دی؛ مگر بعد میں کچھ لوگوں نے کہا کہ سجدہ سہو واجب تھا لہذا نماز واجب الاعادہ ہوگی، اب آپ والا جواب عنایت فرمائیں کہ نماز ہوئی کہ نہیں؟

**الجواب:** حامداً ومصلياً ومسلماً

صورت مسنولہ میں امام تشہد سے پہلے صرف دو مرتبہ ہی رکوع کی یا سجدہ کی تسبیح پڑھا ہے، تو اس پر سجدہ سہو واجب نہیں ہوا، اور سجدہ سہو نہ ہونے کی صورت میں نماز واجب الاعادہ بھی نہیں تھی، اس لیے پریشانی کی کوئی بات نہیں ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔  
کتبہ: العبد احمد غنی عنہ خانپوری

نماز میں سجدہ تلاوت کے بعد دوبارہ سورہ فاتحہ پڑھنا

**سوال:** زید نے نماز تراویح میں آیت سجدہ پڑھ کر سجدہ تلاوت کیا اور پھر دوبارہ سورہ فاتحہ پڑھی تو کیا سجدہ سہو واجب ہوگا؟

**الجواب:** حامداً ومصلياً ومسلماً

صورت مسنولہ میں سجدہ سہو واجب نہیں ہوا۔ (شامی ۱/۳۴۰) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔  
کتبہ: العبد احمد غنی عنہ خانپوری

رباعی نماز میں کمی بیشی کا حکم

**سوال:** ① امام نے چار رکعت والی نماز میں اخیر ی قعدہ نہیں کیا، اور پانچویں

رکعت کے لیے سیدھا کھڑا ہو گیا، پانچویں رکعت ادا کر کے التحیات کے بعد سجدہ سہو کیا، اب یہ نماز صحیح ہوئی یا نہیں؟ شافعی مسلک سے جواب دیجئے۔

② امام نے چار رکعت والی نماز میں دوسری رکعت پر سلام پھیر دیا، اس کے بعد مقتدیوں اور امام نے کلام کیا، پھر امام نے کھڑا ہو کر باقی دو رکعت ادا کی، اور اخیر میں سجدہ سہو کیا، اب امام اور مقتدیوں کی نماز صحیح ہوئی یا نہیں؟ شافعی مسلک سے جواب دیجئے۔

③ امام چار رکعت والی نماز میں پہلا قعدہ بھول گیا اور سیدھا کھڑا ہوا، پھر نماز پوری کر کے اخیر میں سجدہ سہو کیا، شافعی مسلک سے جواب دیجئے۔

الجواب: حامداً ومصلياً ومسلماً

① صورتِ مسئلہ میں شافعی مسلک کے اعتبار سے نماز ہو گئی۔

إذا قام إلى الخامسة في صلوة رباعية، ثم تذكر قبل أن يسلم، فعليه أن يعود إلى الجلوس ويسجد للسهو، سواء تذكر في قيام الخامسة أو ركوعها أو سجودها، وإن تذكر بعد الجلوس فيها سجد للسهو ويسلم. (فتح العزيز شرح الوجيز ٤ / ١٦٢)

② اگر کلام کرنے والے کو اپنا نماز میں ہونا یاد نہیں رہا، اور کلام قلیل ہے تو نماز ہو گئی، اور کثیر ہونے کی صورت میں نماز باطل ہو جاوے گی۔

أو تكلم ناسياً كونه في الصلوة، أو جاهلاً بتحريم الكلام فيها، فإن كان ذلك يسيراً لم تبطل صلوته بلا خلاف عندنا، وإن كان كثيراً فوجهان مشهوران، الصحيح منهما باتفاق الاصحاب تبطل صلوته،

وهو المنصوص في البويطي كما ذكر المصنف، وهو ظاهر نصه ايضاً  
في غير البويطي الخ (شرح مهذب؛ ۸۰)

الذي يقتضى سجود السهو امران: زيادة ونقصان، فأما الزيادة  
فضربان: قول وفعل، فالقول أن يسلم في غير موضع السلام ناسياً أو  
يتكلم ناسياً فيسجد للسهو، والدليل عليه أن النبي ﷺ سلم من اثنين  
وكلم ذا اليمين، وأتم صلوته وسجد سجدين الخ (المجموع شرح المهذب؛ ۱۲۴)  
(۳) نماز ہوگئی۔

إذا قام إلى الثالثة ناسياً فإن انتصب لم يعد إلى التشهد الخ قد  
سبق أن فوات التشهد الأول يقتضي سجود السهو (شرح الوجيز؛ ۱۵۶) فقط  
والله تعالى اعلم۔

نوٹ: ہمارے دارالافتاء میں خفی مسلک کے مطابق جواب دیے جاتے  
ہیں؛ لیکن آپ کی طلب پر کتب شوافع سے رجوع کر کے فقہ شافعی کے مطابق جواب  
دیا گیا ہے، اس لیے کسی شافعی مفتی کی تصدیق کے بعد ہی مندرجہ بالا جوابات کو قابل  
عمل سمجھیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عنی عنہ خانپوری، ۱۶ / جمادی الاخریٰ ۱۴۰۹ھ

الجواب صحیح: عباس داؤد۔ بسم اللہ عنی عنہ

قعدہ کے سلسلے میں امام و مقتدی کا اختلاف ہو جائے تو؟

سوال: زید امام ہے، ظہر کی نماز میں امامت کی، دو رکعت ختم کر کے تیسری  
رکعت میں سجدہ کے بعد بجائے قیام کے بھول سے بیٹھ گیا، ابھی پوری طرح بیٹھا بھی



نہیں تھا کہ خود امام کو بھی یاد آ گیا اور مؤذن صاحب نے بھی لقمہ دیا، اور امام فوراً چوتھی رکعت کے لیے کھڑا ہو گیا، وہ رکعت پوری کر کے سلام پھیر کر نماز ختم کی، دعاء کے بعد ایک مقتدی صاحب جو تیسری صف میں تھے، انھوں نے کہا کہ نماز ہوئی کہ نہیں؟ امام نے جواب دیا نماز ہو گئی، سجدہ سہو کی ضرورت نہیں، یہ کہہ کر امام باہر صحن مسجد میں اپنی سنت پڑھنے لگے، اس وقت نماز میں دو عالم بھی تھے، کسی اور مقتدی کی جانب سے کوئی بات نہیں ہوئی، جس مقتدی نے سوال کیا ان کا کہنا ہے کہ قعدہ اولیٰ نہیں کیا، اور لقمہ دیا تو نہیں لیا، اور تیسری رکعت میں قعدہ کیا، جب کہ امام کو یقین ہے کہ دوسری رکعت میں قعدہ کیا ہے، اور تیسری رکعت میں بھول سے بیٹھ گیا؛ لیکن اتنی مقدار نہیں جس سے سجدہ سہو لازم آتا ہو، تو اس میں نماز صحیح ہوئی کہ نہیں؟ اور امام کے قول کا اعتبار ہوگا یا اس ایک مقتدی کا قول معتبر ہوگا جب کہ وہ صاحب ڈاڑھی بھی نہیں رکھتے؟

**الجواب:** حامداً ومصلياً ومسلماً

صورتِ مسئلہ میں امام کا قول معتبر ہوگا، نماز ہو گئی، نہ سجدہ سہو ہے، نہ اعادہ کی ضرورت۔ (در مختار مع الشامی ۱/ ۵۵۸) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

## باب سجود التلاوة

آیت سجدہ کی تلاوت کے بعد انتقال ہو گیا

**سوال:** آیت سجدہ کی تلاوت کے بعد بھی سجدہ نہ کر سکا تھا اور درمیان تلاوت

ہی انتقال کر گیا، تو اس سے سجدہ تلاوت ساقط ہو جائے گا یا ذمہ میں باقی رہے گا؟

**الجواب:** حامداً ومصلياً ومسلماً

آیت سجدہ کی تلاوت کی وجہ سے اس پر سجدہ واجب ہو چکا، اس کے لیے ضروری ہے کہ موت سے پہلے پہلے اس کو ادا کر لے، صورت مسئولہ میں قبل الموت سجدہ ادا نہ کرنے کی وجہ سے گنہ گار ہوگا۔

ثم هي واجبة على التراخي إن لم تكن صلاتية؛ لأن دلائل الوجوب مطلقة عن تعيين الوقت، فيجب في جزء من الوقت غير عين، ويتعين ذلك بتعيينه فعلاً، وإنما يتضيق عليه الوجوب في آخر عمره في سائر الواجبات الموسعة (بحر الرائق ۲/ ۳۹) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

## سجدہ تلاوت کی ادائیگی واجب ہے

**سوال:** اگر لاعلمی میں سجدہ تلاوت ادا نہ کر سکا، تو اس کا کیا حکم ہے؟ آیا بعد

میں ادا کرے یا نہ کرے۔

**الجواب:** حامداً ومصلياً ومسلماً

مرنے سے پہلے پہلے ادائیگی واجب ہے۔

ویکرہ تاخیرھا تنزیہاً ویکفیه أن یسجد عدد ما علیہ بلا تعین

ویکون مؤدیاً (در مختار علی هامش الشامی ۱/ ۵۶۹) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

## سجدة تلاوت کے فدیہ کی وصیت

**سوال:** کسی کے ذمہ سجدة تلاوت ہے، اور مرتے دم تک نہ کر سکا، تو اس کی وصیت کر سکتا ہے یا نہیں؟

**الجواب:** حامداً ومصلياً ومسلماً  
کر سکتا ہے، یعنی فدیہ کی۔

(قوله يجب) أي وجوباً موسعاً في غير صلوة كما سيأتي، ولا يجب على المحتضر الايصاء بها، وقيل: يجب قنية والثاني بالقواعد أليق نهر والظاهر أنه يخرج عنها كصلوة فرض أو صوم يوم لأنه المعهود تأمل رحمتي ثم رأيت مصرحاً به في التتارخانية مع تصحيح عدم الوجوب. (شامی ۱/ ۵۶۵، ۵۶۶) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد غنی عنہ خانپوری

## سجدة تلاوت کے بعد سورہ فاتحہ پڑھی تو کیا حکم ہے؟

**سوال:** تراویح میں یا نماز فرض میں آیت سجدة تلاوت کر کے میں نے سجدة تلاوت ادا کیا، پھر کھڑے ہو کر بجائے آگے پڑھنے کے بھول سے پوری فاتحہ پڑھ لی تو نماز کا کیا حکم ہے؟

**الجواب:** حامداً ومصلياً ومسلماً

صورت مسؤلوہ میں سجدة سہو واجب نہیں ہے۔ (فتاویٰ رحیمیہ ۱/ ۳۲۸) فقط واللہ

تعالیٰ اعلم۔  
کتبہ: العبد احمد غنی عنہ خانپوری، ۱۷/ شعبان ۱۴۱۶ھ

## آیتِ سجدہ کا لقمہ دینے پر کتنے سجدہ واجب ہوں گے؟

**سوال:** امام قراءت کرتے کرتے آیتِ سجدہ پر جب پہنچا تو وہ آیت بھول گیا، مقتدی میں سے کسی نے اسی آیت کا لقمہ دیا تو امام نے اس آیتِ سجدہ کو پڑھ لیا، سوال یہ ہے کہ ایک ہی سجدہ تلاوت کافی ہوگا یا دو کرنے ہوں گے؟

**الجواب:** حامداً ومصلياً ومسلماً

صورتِ مسئلہ میں صرف ایک ہی سجدہ تلاوت واجب ہوگا۔ (شامی ۱/ ۵۱۳، رسائل الارکان ۱۶۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ: العبد احمد عنی عنہ خانپوری، ۲۵/ ذوالحجہ ۱۴۰۶ھ

## مکروہ وقت میں سجدہ تلاوت

**سوال:** اگر اوقات مکروہ میں سجدہ تلاوت آگیا، کیا احناف کے یہاں اس وقت سجدہ کر سکتے ہیں؟ کہ وقت گزرنے کے بعد کیا جائے گا؟

**الجواب:** حامداً ومصلياً ومسلماً

اگر آیتِ سجدہ وقتِ کامل میں پڑھی گئی تھی، تو اس سے واجب شدہ سجدہ تلاوت وقتِ مکروہ میں کرنے سے ادا نہ ہوگا، اور اگر تلاوت وقتِ مکروہ میں کی گئی اور اسی وقت سجدہ بھی کر لیا، تو کراہت تنزیہیہ کے ساتھ ادا ہوگا۔ (درمختار مع الشامی ۱/ ۲۶۵) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عنی عنہ خانپوری

## ٹیپ کی قرأت پر سجدہ تلاوت

**سوال:** ٹیپ میں سجدہ تلاوت کی قرأت ہوئی، تو سننے والوں پر سجدہ تلاوت واجب ہے کہ نہیں ہے؟

**الجواب:** حامداً ومصلياً ومسلماً

اس میں اگر کوئی آیت سجدہ پڑھی جائے، تو اس سے سجدہ واجب نہیں ہوتا؛ کیوں کہ فقہاء تحریر فرماتے ہیں: کہ سامع پر وجوب سجدہ کے لیے یہ شرط ہے کہ پڑھنے والے میں خود بھی وجوب سجدہ کی اہلیت و صلاحیت ہو، گو بالفعل اس کے ذمہ واجب ہو یا نہ ہو، اسی وجہ سے سونے والے آدمی یا مجنون مطبق کی زبان سے اگر آیت سجدہ نکل جائے یا کسی جانور طوطے وغیرہ کو آیت سجدہ سکھادی جائے، تو ان سب صورتوں میں اس کے سننے والے پر سجدہ واجب نہیں ہوتا؛ کیوں کہ ان میں اہلیت و وجوب سجدہ کی نہیں ہے، بخلاف حیض و نفاس والی عورت کے، کہ اگر وہ آیت سجدہ پڑھ دیں، تو گواں وقت ان کے ذمہ سجدہ واجب نہ ہوگا؛ مگر ان میں اہلیت و وجوب موجود ہونے کی وجہ سے سننے والوں پر سجدہ واجب ہو جائے گا۔ (آلات جدیدہ ۱۳۵، ۱۳۶) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد غنی عنہ خانپوری

کیسٹ، ٹی وی یا ریڈیو پر آیت سجدہ سننے سے سجدہ کا وجوب

① کیسٹوں میں جب آیت سجدہ آتی ہے تو اس پر سجدہ تلاوت واجب ہوتا ہے کہ نہیں؟

② اگر حرم شریف سے یا کسی بھی مسجد سے براہ راست نماز دکھائی جا رہی ہو اور امام آیت سجدہ پڑھ رہا ہو تو جو لوگ ٹی وی پر یا ریڈیو پر امام کی قراءت سن رہے ہوں ان پر سجدہ تلاوت واجب ہوتا ہے؟

**الجواب:** حامداً ومصلياً ومسلماً

① نہیں۔ (آلات جدیدہ ۲۰۷)

② جی ہاں! احتیاط اسی میں ہے کہ سجدہ تلاوت کر لیا جائے۔ (آلات جدیدہ ۱۶۶)  
نوٹ: ویڈیو کا عام استعمال غیر مشروع امور کے لیے ہوتا ہے، اس پر قرآن پاک کی تلاوت سننا احترام اور عظمت قرآن کے خلاف ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔  
کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، یکم جمادی الاولیٰ ۱۴۱۷ھ

## ریڈیو کی تلاوت پر سجدہ تلاوت

**سوال:** ٹی وی یا ریڈیو پر سجدہ کی آیت سن لی تو سننے والے پر سجدہ تلاوت واجب ہوگا یا نہیں؟ یا ایک شخص نماز میں جہر قراءت کرتا ہے دوسرا شخص جو کہ نماز میں نہیں ہے اس نے نماز پڑھنے والے سے سجدہ کی آیت سن لی تو کیا اس پر بھی سجدہ واجب ہوگا؟

**الجواب:** حامداً ومصلياً ومسلماً

ریڈیو یا ٹی وی سے نشر کی جانے والی قراءت بہ ذریعہ کیسیٹ ہے تو اس کو سننے سے سجدہ تلاوت واجب نہیں ہوتا اور اگر قاری کی زبان سے براہ راست نشر کیا جا رہا ہے تو اس کو سننے سے سجدہ تلاوت واجب ہوگا۔

کسی نمازی کی زبان سے اگر غیر نمازی نے آیت سجدہ سن لی تو اس سننے پر سجدہ تلاوت واجب ہوگا۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد غنی عنہ خانپوری، ۲۰/ ربیع الاول ۱۴۱۳ھ

نماز میں سجدہ تلاوت بھول گیا تو کیا کرے؟

**سوال:** ایک آدمی نے نماز کے اندر آیت سجدہ پڑھا؛ مگر سجدہ کرنا بھول گیا، نماز کے اتمام کے بعد خیال آیا تو اب کیا کرے گا؟

**الجواب:** حامداً ومصلياً ومسلماً

اب سوائے توبہ واستغفار کے اس کا کوئی بدل نہیں ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد غنی عنہ خانپوری، ۲۴/ شوال المکرم ۱۴۱۳ھ

الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ غنی عنہ

## باب التراويح

تراویح میں بسم اللہ بالجہر کا مسئلہ

**سوال:** تراویح کی ہر سورۃ کے شروع میں بسم اللہ بالجہر کے بارے میں فتاویٰ رحیمیہ، محمودیہ، احسن الفتاویٰ، امداد الاحکام، خیر الفتاویٰ دیکھنے سے حنفی مذہب کے رو سے عدم جہراولی معلوم ہوتا ہے، اور یہاں ہر مسجد میں اس پر سالہا سال سے عمل ہو رہا ہے، ایک قاری صاحب فن تجوید کے ماہر ہونے کے زعم میں بسم اللہ بالجہر پر عمل کرنے کے لیے کہہ رہے ہیں، اس پر یہاں سالہا سال سے عمل نہیں ہے، اس سے

لوگوں میں انتشار ہونے کا خطرہ ہے، حضرت والا سے گزارش ہے کہ اس بارے میں جواب ارسال فرمائیں۔

**الجواب:** حامداً ومصلياً ومسلماً

یہ مسئلہ ہمارے اکابر کے فتاویٰ میں جن کا آپ نے ابھی اپنے سوال میں تذکرہ کیا ہے، تفصیل سے موجود ہے، اس لیے پوچھنے کی ضرورت نہیں تھی لیکن جب آپ نے سوال کر ہی لیا ہے تو اکابر ہی کی عبارتوں سے جواب پیش خدمت ہے۔

حضرت مفتی محمود حسن صاحب رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں: کہ ہر سورت کے شروع میں بسم اللہ بالجہر پڑھنا حتیٰ کہ اگر ایک رکعت میں متعدد سورتیں بالجہر پڑھے تو ان کے درمیان بالجہر پڑھنا خلاف سنت ہے، اور ایسی صورت میں آہستہ بھی نہ پڑھے۔

(فتاویٰ محمودیہ ۱۶/۲۳۸، ۲۳۹)

آپ سے کئے گئے اس سوال کہ ائمہ قرأت سے معتبر کتابوں میں جو کچھ منقول ہے اس پر عمل کرنا کیسا حکم رکھتا ہے؟ کے جواب میں تحریر فرماتے ہیں ”ائمہ قرأت سے جو قواعد فن تجوید کی معتبر کتابوں میں منقول ہیں وہ معتبر اور معمول بہا ہیں، اگر نماز میں کوئی مسئلہ قرأت مسئلہ فقہ سے مقابل ہوگا تو اس صورت میں فقہ کی معتبر کتابوں پر عمل کیا جائے گا جیسا کہ بسم اللہ قبل السورۃ میں ہے۔ (فتاویٰ محمودیہ ۱۶/۲۴۰)

حضرت مولانا مفتی سید عبدالرحیم صاحب لاچپوری علیہ الرحمۃ تحریر فرماتے ہیں ”خارج نماز قرآن کی تلاوت میں امام قرأت کے مسلک کا اتباع کیا جائے، اور نماز میں امام اعظم ابوحنیفہ علیہ الرحمۃ کے مسلک کی پیروی کی جائے، ہجیر تحریمہ سے لے کر سلام پھیرنے تک پوری نماز امام اعظم کے مسلک کے موافق پڑھی جائے، اور بسم



اللہ میں مخالفت کی جائے یہ مناسب نہ ہوگا۔ (فتاویٰ رحیمیہ ۳۸۰/۴)

دارالعلوم دیوبند کے مفتی اول حضرت مولانا مفتی عزیز الرحمن صاحب عثمانی رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں کہ نماز کے اندر حنفیہ کے نزدیک باتفاق بسم اللہ کو سر اُڑھنا چاہیے، اس میں حنفیہ میں سے کسی کا خلاف نہیں ہے، اور اطلاق صلوة شامل ہے نماز فرض اور نفل و تراویح وغیرہ کو، اور یہ بھی اس عبارت سے واضح ہوا کہ اتباع امام من القراء خارج صلوة میں ہے نہ صلوة میں، اور اس پر ہم نے اپنے اساتذہ علماء احناف کو پایا ہے۔

(فتاویٰ دارالعلوم مدلل و مکمل ۲/۲۶۵)

امداد الفتاویٰ جلد اول از ص ۳۳۳ تا ۳۳۴ میں اس مسئلہ پر تفصیلی بحث موجود ہے، ملاحظہ فرمائیں۔ حضرت اقدس حکیم الامت علیہ الرحمہ فن تجوید کے بھی ماہر تھے، امداد الفتاویٰ میں فن تجوید کے کئی مسائل پر تحقیقی مباحث موجود ہیں، اور فن تجوید میں آپ کا رسالہ ”جمال القرآن“ ہمارے مدارس میں داخل نصاب ہے، اس کے باوجود آپ تراویح میں ہر سورت کے شروع میں بسم اللہ جہر اُڑھنے کے قائل نہیں۔ اسی طرح حضرت مولانا مفتی سید عبدالرحیم صاحب رحمۃ اللہ علیہ (صاحب فتاویٰ رحیمیہ) بھی جید قاری تھے، ان کا فتویٰ بھی اوپر آچکا ہے۔ اور حضرت مفتی عزیز الرحمن صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے فتویٰ میں تو ہمارے اکابر کا عمل یہی لکھا ہے کہ وہ تراویح میں ہر سورت کے شروع میں بسم اللہ جہر اُڑھتے نہیں تھے، ان تمام اکابر، فقہاء و مفتیان کے فتاویٰ اور عمل کے بعد بھی کوئی اپنے فن دانی کے زعم میں اس کے خلاف عمل کے لیے کہے تو خود لوگوں کو سوچنا چاہیے کہ وہ کس پر عمل کریں؟ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبۃ: العبد احمد عنی عنہ خانپوری

## تراویح میں جہراً بسم اللہ پڑھنے نہ پڑھنے میں

### امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اور امام عاصم کا اتباع

**سوال:** تراویح میں بسملہ کا کیا حکم ہے؟ کیا اس کو ہر سورت کے شروع میں پڑھنا ضروری ہے یا کسی ایک سورت کے شروع میں؟ اگر ایک سورت کے شروع میں ہے، تو تراویح میں قرآن کا ختم جو سنت ہے اس پر عمل نہیں ہوگا، اس لیے کہ امام عاصم رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک ہر سورت کے شروع میں بسملہ منقول ہے اور امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک وہ پورے قرآن کا جز ہے، اور اگر بسملہ پڑھے تو سراً پڑھے یا جہراً، اگر جہراً پڑھتے ہیں تو امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے قول کے خلاف ہوگا، اس لیے کہ وہ بالسر کے قائل ہیں، اور اگر سراً پڑھتے ہیں تو مقتدیوں کا قرآن ختم نہیں ہوتا۔

تو کیا نماز میں امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی اتباع ضروری ہے یا امام عاصم رحمۃ اللہ علیہ کی؟ کیا ایسا عمل بھی ہے کہ دونوں کے قول پر عمل ہو جائے۔

### **الجواب:** حامداً و مصلياً و مسلماً

اسی طرح کے ایک سوال کے جواب میں حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں: بسم اللہ کے باب میں ایک مسئلہ قراءت کے متعلق ہے، اور ایک مسئلہ فقہ کے متعلق، امام عاصم رحمۃ اللہ علیہ کا قول پہلے مسئلہ کی تحقیق ہے، اور امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا قول دوسرے مسئلہ کی تحقیق، حاصل مسئلہ اولیٰ کا یہ ہے کہ گو بسم اللہ ہر سورت کا جز نہ ہو مگر باوجود عدم جزئیت روایت اس کا پڑھنا ہر سورت پر منقول ہے، پس اگر کوئی شخص ہر سورت پر نہ پڑھے تو اس کی قراءت اس روایت کے موافق

نہ ہوئی گو کوئی جز متروک نہ ہو واجب کہ کم از کم ایک سورت پر پڑھ لے۔ اور دوسرے مسئلہ کا حاصل یہ ہے کہ گوروا یہ ہر سورت پر بسم اللہ منقول ہے لیکن ہر سورت کا جز نہیں ہے بلکہ جز مطلق قرآن کا ہے، اگر ایک جگہ بھی پڑھ لے تو قرآن پورا ختم ہو جائے گا، گو اس روایت کے موافق اس کی قراءت نہ ہو، پس امام عاصم رحمۃ اللہ علیہ اور امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے قول میں کوئی مخالف نہیں، کیوں کہ دونوں کی نفی اور اثبات کی حیثیتیں جدا جدا ہیں، اور حیثیات کے بدلنے سے تعارض جاتا رہتا ہے۔

یہ جب ہے کہ ہر سورت پر بسم اللہ نہ پڑھے اور اگر پڑھ لے تو شبہ کی گنجائش ہی نہیں اور امام صاحب کے بھی خلاف نہیں کیوں کہ امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ تسمیہ کو ہر سورت پر ضروری نہیں کہتے، یہ نہیں کہ جائز نہیں کہتے، درمختار یا رد مختار میں ہر سورت پر تسمیہ کو حسن کہا ہے، رہا ہر جگہ پکار کر پڑھنا، یہ بلاشبہ احناف کے خلاف ہے اور امام عاصم رحمۃ اللہ علیہ بھی جہر کو ضروری نہیں کہتے صرف تسمیہ کو ضروری کہتے ہیں۔ (امداد الفتاویٰ ۱/۳۶، ۳۷، ۳۸) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

املاء: العبد احمد عنی عنہ خانپوری

الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ  
الجواب صحیح: عبدالقیوم راجکوٹی

## ترتوج میں ہر سورۃ کے شروع میں جہراً بسم اللہ پڑھنا

**سوال:** دو حافظ ساتھ میں نماز ترتوج پڑھاتے ہیں، ایک حافظ بسم اللہ ہر سورۃ کے شروع میں بالجہر پڑھتا ہے (جیسا کہ فتاویٰ رشیدیہ کی عبارت سے اس کی اجازت معلوم ہوتی ہے) اور یہ مذکور کتاب کا حوالہ بھی دیتا ہے کہ امام حفص رحمۃ اللہ علیہ کی روایت

کی تکمیل کے شوق میں ایسا کر سکتے ہیں، تو کیا وہ دوسروں کو بھی حکم کر سکتا ہے کہ تو بھی بالجہر پڑھ؛ تاکہ روایت ناقص نہ رہے؟

**الجواب:** حامداً ومصلياً ومسلماً

اگر نماز میں کوئی مسئلہ قرأت، مسئلہ فقہ سے مقابل ہوگا تو اس صورت میں فقہ کی معتبر کتابوں پر عمل کیا جائے گا۔ (فتاویٰ محمودیہ ۳۲۸/۲)

اس لیے نہ خود پڑھے اور دوسرے کو بھی حکم نہ دے۔ فتاویٰ رحیمیہ ۳۸/۳ پر تفصیل دیکھئے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۷۱ شعبان ۱۴۱۶ھ

ہر سورت سے پہلے بسم اللہ پڑھنا چاہیے

**سوال:** سورۃ کی تسبیح پڑھتے وقت کیا ہر سورۃ سے پہلے بسم اللہ پڑھنا ضروری ہے؟

**الجواب:** حامداً ومصلياً ومسلماً

جی ہاں! ہر مرتبہ سورت کے شروع میں بسم اللہ پڑھ لیا کریں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

نابالغ بچہ (مراہق) تراویح میں لقمہ دے سکتا ہے؟

**سوال:** جو بچہ ابھی نابالغ ہے لیکن حافظ قرآن ہے، یہ بچہ اگر پاکی ناپاکی کا خیال رکھتے ہوئے امام کے ساتھ تراویح میں شریک ہو کر امام کو تراویح میں لقمہ دے تو امام کی نماز میں خلل آئے گا، یعنی نماز فاسد ہوگی یا نہیں؟

**الجواب:** حامداً ومصلياً ومسلماً

مراہق تراویح میں سامع کی ذمہ داری ادا کر سکتا ہے؛ بلکہ کوئی اور سامع نہ ہو تو اس کو پہلی صف میں بھی کھڑا کر سکتے ہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد غفی عنہ خانپوری

تراویح میں سورۃ ناس کے بعد دعائے ماثورہ پڑھنے سے  
نماز فاسد نہ ہوگی

**سوال:** اگر امام نے تراویح میں ختم قرآن کے وقت اخیر رکعت میں سورۃ ناس کے بعد متصلاً دعائے ماثورہ (دعاء ختم قرآن) لکھی ہوئی ہوتی ہے، یعنی اللہم اُنس وحشتی فی قبری الخ کو پڑھا، پھر اس کے بعد متصلاً آلم ذلك الكتاب سے دوسری مرتبہ قرآن شریف شروع کر کے پہلا رکوع پورا کر کے رکوع میں گیا، تو کیا اس طرح پڑھنے سے نماز فاسد ہوگی یا نہیں؟

**الجواب:** حامداً ومصلياً ومسلماً

ختم قرآن کی جو صورت دریافت فرمائی ہے اس میں نماز فاسد نہ ہوگی، اس لیے کہ اللہم اُنس وحشتی الخ والی دعاء ماثورہ ہے؛ البتہ نماز میں حالت قیام میں اس کو نہ پڑھنا چاہیے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد غفی عنہ خانپوری

امام نے تراویح کی تین رکعت پڑھا دی تو کیا حکم ہے؟

**سوال:** تراویح کی نماز امام نے بھول کر تین رکعت پڑھا دی مگر مقتدی حضرات نے مسجد سے نکلنے پر امام کو بتلایا، اب امام کو کیا کرنا چاہیے؟ کیا دوسرے دن دو رکعت دہرائی ضروری ہے یا نہیں؟ اسی طرح جو قرآن تین رکعت میں پڑھا ہے اس کو دہرانا چاہیے یا مکمل بیس رکعت میں پڑھا ہو اور دہرانا ضروری ہے؟

**الجواب:** حامداً ومصلياً ومسلماً

دوسری رکعت پر قعدہ نہیں کیا ہے تو تراویح کا یہ دوگانہ معتبر نہ ہوگا، اور جو قرآن پڑھا گیا ہے اس کا لوٹانا بھی ضروری۔ (فتاویٰ رحیمیہ ۴/۲۰۰) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

املاہ: العبد احمد خانپوری، کیم صفر المظفر ۱۴۲۵ھ

الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ

تراویح میں اگر ایک ہی رکعت پڑھی تو اس میں پڑھا ہوا

قرآن دہرایا جائے

**سوال:** تراویح میں غلطی سے دو رکعت کے بجائے ایک ہی رکعت ہوئی، اور اس میں دو تین رکوع پڑھ لیے، پھر نماز نہ ہونے کی وجہ سے دو رکعتیں امام صاحب نے دہرائی؛ مگر ایک رکعت میں پڑھا ہو اور قرآن دہرایا نہیں، تو کیا دہرانا لازم ہے اور نہ دہرانے کی صورت میں قرآن ناقص رہے گا؟

**الجواب:** حامداً ومصلياً ومسلماً

صورتِ مسئلہ میں قرآن مجید کی وہ مقدار بھی لوٹانی پڑے گی، جو ایک رکعت میں پڑھی تھی، ورنہ قرآن مجید ناقص رہے گا۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔  
کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

رمضان میں عشاء انفراداً پڑھنے والا وتر کی نماز جماعت سے پڑھ سکتا ہے

**سوال:** اگر کوئی شخص رمضان المبارک میں عشاء کی نماز انفراداً پڑھنے کے بعد تراویح میں شامل ہو گیا، تو وہ آدمی وتر کی نماز جماعت کے ساتھ پڑھے یا بغیر جماعت کے، اگر جماعت کے ساتھ پڑھی تو آیا اس کی نماز ہوئی یا نہیں؟

**الجواب:** حامداً ومصلياً ومسلماً

وتر مستقل نماز ہے عشاء کے تابع نہیں ہے، اس لیے فرض انفراداً پڑھنے کی صورت میں بھی وتر کی جماعت میں شریک ہو سکتا ہے۔ (فتاویٰ دارالعلوم ۳/۱۵۵) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

تراویح میں ختم قرآن کے بعد کیا پڑھنا افضل ہے؟

**سوال:** تراویح میں ختم قرآن کے بعد بقیہ ایام تراویح میں سورہ رحمن پڑھنا اس طرح کہ چند آیتیں ہر رکعت میں پڑھی جائیں افضل ہے یا مکمل سورت ہر رکعت

میں مثلاً: الم تر کیف سے آخر قرآن تک پڑھنا؟

**الجواب:** حامداً ومصلياً ومسلماً

ہر رکعت میں مکمل سورت پڑھنا افضل ہے، اور اگر ہر رکعت میں چند آیتیں پڑھ لی، تو یہ بھی بلا کراہت جائز ہے۔ (کبیری ص ۳۹۳، ۴۰۷) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

تراویح علاحدہ پڑھنے کی صورت میں عشاء کی نماز مسجد میں

باجماعت پڑھنا ضروری ہے

**سوال:** رمضان کی تراویح کے سلسلہ میں فتاویٰ کی روشنی میں اتنی تو گنجائش معلوم ہوتی ہے، کہ محلہ کی مسجد چھوڑ کر ایک دوسری جماعت الگ سے بنالی جائے؛ تاکہ زیادہ سے زیادہ حفاظ کرام کو قرآن سنانے کا موقع مل سکے؛ لیکن اس کے ساتھ مفتیان کرام یہ بھی شرط لگاتے ہیں کہ عشاء کی فرض نماز باجماعت مسجد ہی میں سب ادا کریں، اس کے بعد تراویح کی دوسری جماعت کرنے والے چاہیں تو مسجد سے الگ دوسری جگہ اپنی جماعت کر لیں، اس سلسلہ میں آں جناب کی رائے معلوم ہو جاوے کہ واقعی عشاء کی نماز سب کو مسجد ہی میں پڑھنی ہوگی یا اس میں کوئی گنجائش بھی ہے کہ جہاں تراویح سنانا ہو وہاں عشاء پڑھی جاسکے۔

**الجواب:** حامداً ومصلياً ومسلماً

عن عبد اللہ قال: من سره ان يلقى الله تعالى غدا مسلماً فليحافظ



على هؤلاء الصلوات حيث ينادى بهن، فإن الله شرع لنبئكم سنن الهدى، وانهن من سنن الهدى، ولو انكم صليتم في بيوتكم كما يصلى هذا المتخلف في بيته لتركتم سنة نبيكم، ولو تركتم سنة نبيكم لضللتم، وما من رجل يتطهر فيحسن الطهور ثم يعمد الى مسجد من هذه المساجد الا كتب الله له بكل خطوة يخطوها حسنة، ويرفعه بها درجة، ويحط عنه بها سيئة ولقد رأيتنا وما يتخلف عنها الا منافق معلوم النفاق، ولقد كان الرجل يؤتى بها يهادى بين الرجلين حتى يقام في الصف (مسلم شريف مع فتح الملهم ٢/٢٢٢)

الجماعة سنة مؤكدة للرجال، قال الزاهدى: ارادوا بالتاكيد الوجوب وقيل واجبة، وعليه العامة اى عامة مشائخنا، وبه جزم في التحفة وغيرها، قال في البحر: وهو الراجح عند اهل المذهب (درمختار على هامش الشامى) قوله قال في البحر الخ، وقال في النهر: هو اعدل الاقوال واقواها. (شامى ١/٤١٠)

قرون مشہود لہا بالخیر بلکہ اس کے بعد بھی اسلاف امت میں غیر مساجد میں بدون عذرا قامت جماعت بالخصوص علی سبیل العادة کی کوئی نظیر نہیں ملتی، صرف یقینی منافع اور شدید مریض ہی جماعت سے پیچھے رہتے تھے، جیسا کہ صحیح مسلم کی روایت میں گذرا..... غرضیکہ احادیث صحیحہ اور اسلاف امت کے تعامل اور عبارات فقہاء رحمہم اللہ علیہم سے یہی ثابت ہوتا ہے کہ مسجد میں جا کر جماعت کے ساتھ نماز ادا کرنا ضروری ہے؛ البتہ معذورین مستثنیٰ ہیں۔ (احسن الفتاویٰ ٣/٢٤٢، ٢٤٣)

احقر کے نزدیک بھی گھر میں تراویح کی جماعت کرنے والوں کے لیے ضروری

ہے کہ عشاء کی نماز مسجد میں جماعت کے ساتھ پڑھیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔  
 املاہ: العبد احمد خانپوری، ۲۹ جمادی الاخریٰ ۱۴۲۵ھ  
 الجواب صحیح: عباس داؤد۔ بسم اللہ

## امام کو لقمہ دینے میں جلدی کرنا کسے کہتے ہیں؟

**سوال:** اکثر حفاظ تراویح کی نماز میں لقمہ دینے میں جلد بازی کرتا ہے، کبھی تو امام صاحب پڑھتا ہے لقمہ دیتے ہیں، آیت پوری کرنے نہیں دیتے، مثلاً: تیسرے پارہ کی تلاوت حفاظ کر رہے ہیں ﴿يَأْيِهَآ الذِينَ اٰمَنُوْا اَنْفَقُوْا مِمَّا رَزَقْنٰكُمْ مِنْ قَبْلِ اَنْ يَّآتِيَ يَوْمَ لَا يَبِيْعُ فِيْهِ﴾ پڑھنے کے بجائے ﴿يَأْيِهَآ الذِينَ اٰمَنُوْا اَنْفَقُوْا مِنْ طَيِّبٰتِ مَا كَسَبْتُمْ﴾ یہیں تک پڑھا، آیت پوری نہیں کی، فوراً لقمہ دیا، مطلب کہ امام کو سوچنے کا موقع نہیں دیتا؛ لہذا صحیح طریقہ لقمہ دینے کا جواب مرحمت فرمائیں۔

**الجواب:** حامداً ومصلياً ومسلماً

جب امام نے ﴿يَأْيِهَآ الذِينَ اٰمَنُوْا اَنْفَقُوْا مِمَّا رَزَقْنٰكُمْ﴾ پڑھنے کے بجائے ﴿مِنْ طَيِّبٰتِ مَا كَسَبْتُمْ﴾ پڑھا، تو یہ بات طے ہوگئی کہ امام غلط رخ پر پڑ گیا، اب وہ اپنی اس غلطی میں مزید آگے بڑھے اس سے بچانے کے لیے سامع لقمہ دے تو اس میں کیا حرج ہے!۔

بہر حال مسئلہ صورت میں لقمہ دینے والے نے جلد بازی سے کام لیا یہ کہنا درست نہیں، جہاں بھی امام کا غلط پڑھنا متعین ہو جائے تراویح میں لقمہ دیا جاسکتا ہے؛ البتہ فرائض میں جس دوسری آیت کو پڑھ رہا ہے وہ صحیح ہے، تو عجلت سے کام نہ

لے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۲۸/ جمادی الاخریٰ ۱۴۲۱ھ  
الجواب صحیح: عباس داود بسم اللہ

## تراویح پڑھانے کے معاوضہ کا مصرف

**سوال:** زید نے ایک گاؤں میں تراویح پڑھائی، اجرت لینے کا ارادہ بالکل نہیں تھا، اس کے باوجود بھی گاؤں والوں نے ایک ایک آدمی کے پاس سے وصول کر کے ۱۲۰۰ روپیے اجرت دی، زید نے وہ رقم ابھی تک استعمال نہیں کی، آیا وہ کسی غریب کو یا تعمیر مسجد میں دے سکتے ہیں؟ مذکورہ بالا مصرف کے علاوہ اور کون سا مصرف ہو سکتا ہے؟

**الجواب:** حامداً ومصلياً ومسلماً

چوں کہ تراویح پڑھانے والے کو لوگ ہدیہ کے نام سے بھی تراویح پڑھانے کی وجہ سے دیتے ہیں، جو درحقیقت ہدیہ نہیں؛ بلکہ معاوضہ ہے، اور تراویح میں قرآن پاک سنانے پر اجرت و معاوضہ لینا جائز نہیں ہے؛ اس لیے زید کو چاہیے کہ یہ رقم اس کے دینے والوں ہی کو واپس کرے، کسی غریب کو دینے یا تعمیر مسجد میں لگانے سے اس کا ذمہ بری نہیں ہوگا؛ بلکہ ایسی رقم تعمیر مسجد میں لگانا حرام ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۱۰ شوال ۱۴۱۹ھ

## تراویح پڑھانے والے کا ہدیہ لینا

**سوال:** ایک حافظ صاحب کسی مدرسہ میں مدرس ہیں اور اسی مدرسہ کی مسجد میں

امامت بھی کروا رہے ہیں ماہ رمضان کی تراویح میں ختم قرآن پر بہ طور ہدیہ جو روپیے دیے جاتے ہیں ان روپیوں کا حافظ صاحب کے لیے لینا کیسا ہے اور جواز کی کوئی شکل ہے یا نہیں اگر ہو تو تحریر کیجیے اور شرعی اعتبار سے اس کا حکم کیا ہے؟

**الجواب:** حامداً ومصلياً ومسلماً

تراویح میں قرآن سنانے پر حافظ کو جو رقم ہدیہ کے نام سے ملتی ہے وہ قاعدہ فقہیہ المعروف کالمشروط کے مطابق ناجائز ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

آلاء: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۲۸ جمادی الاولیٰ ۱۴۲۳ھ

الجواب صحیح: عباس داود بسم اللہ

## تراویح کی اجرت لوٹانے کا طریقہ

**سوال:** کوئی حافظ قرآن رمضان میں تراویح سنائے اور اس تراویح سنانے پر اجرت لی؛ لیکن بعد میں اس کو اپنی اس حماقت پر افسوس ہوا، اور وہ اس کی تلافی چاہتا ہے۔ کوئی حافظ تراویح سنائے اور ایک بھی نماز اپنے ذمہ نہ لے، اور وہ خود بھی کوئی نماز نہ پڑھائے، اور فرض کرو کہ وہ اس حال میں پہنچا کہ تراویح سنانے کو وہاں پر کوئی امام نہ تھا، اور اس نے مہینہ بھر امامت بھی کی؛ لیکن اس کا دل تراویح کی اجرت میں اٹکا رہا۔ دوسری بات یہ ہے کہ وہاں پر پہنچنے کے بعد متولی نے یا ذمہ دار لوگوں نے اس کو کرایہ بھی دیا تراویح سنانے پر، چاہے وہ حق دار تھا یا نہ تھا؛ لیکن اس نے کرایہ لے لیا، مسئلہ یہ پوچھنا ہے کہ: تراویح یا کرایہ کا پیسہ واپس کرنا چاہتا ہے، تو اس صورت میں یہ پیسہ واپس کرنا بہت مشکل ہے؛ کیوں کہ جو چندہ حافظ صاحب کے لیے جمع کیا جاتا

ہے تو ہر انسان اپنی حیثیت کے مطابق چندہ لکھاتا ہے یا دے دیتا ہے، تو اس صورت میں ہر انسان کو تلاش کرنا یہ روپیے واپس کرنا بہت مشکل ہے، اس صورت میں اگر جتنے سال تک تراویح سنایا ہے ان سب لوگوں کا پیسہ واپس کرنا ہے تو اس گاؤں کی مسجد میں ادا کرنا پڑے گا، یا کسی ایک مسجد یا جو اس پیسہ کا مصرف ہو وہاں ادا کرنا پڑے گا؟ یا جتنے سال تک تراویح سنایا ہے ان تمام تراویح کا پیسہ مکمل حساب کر کے کسی ایک جگہ جو اس کا مصرف ہو وہاں ادا کر سکتے ہیں کہ نہیں؟ اس پیسہ کو واپس کرنے کی کوئی راہ نکل سکتی ہے کہ نہیں؟ اور کس طریقہ سے؟ اور اس پیسہ کو واپس کرتے وقت نیت کیا کرنی ہوگی؟

الجواب: حامداً ومصلياً ومسلماً

لوگوں نے آپس میں چندہ کر کے وہ رقم آپ کے حوالے کی تھی، اس کے لیے کسی ایک آدمی کو درمیان میں واسطہ بنایا ہوگا، جیسا کہ دستور ہے کہ عموماً مسجد کا متولی یا اور کوئی ذمہ دار آدمی لوگوں سے جمع کرتا ہے، اور وہ تراویح پڑھانے والے کو دیتا ہے، اب آپ جب وہ رقم لوٹائیں تو اس کے ہاتھ میں دے دیں، آپ کا ذمہ بری ہو جاوے گا۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عنی عنہا پوری، ۳۰ ربیع الاول ۱۴۲۱ھ  
الجواب صحیح: عباس داود بسم اللہ

## تراویح کا ہدیہ جبراً

سوال: تراویح پڑھانے پر اجرت لینا صحیح نہیں ہے، اسی طرح سے ہدیہ بھی صحیح نہیں ہے، تراویح پڑھانے والے نے کہہ دیا کہ: میں ہدیہ قبول نہ کروں گا؛ لیکن

جب تراوج ختم ہوگئی اور مسجد والے جبراً ہدیہ دیوے، تو اس کو لے کر اپنی ضروریات میں استعمال کر سکتے ہیں یا نہیں؟

**الجواب:** حامداً ومصلياً ومسلماً

یہ کوئی شرعی اکراہ نہیں ہے، اس کو قبول نہ کرے، اپنے ہاتھ میں نہ لے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۱۶ جمادی الاولیٰ ۱۴۲۱ھ

الجواب صحیح: عباس داود بسم اللہ

## تراوج پر ہدیہ لینا

**سوال:** تراوج پڑھانے والے کو مقتدی حضرات ہدیہ کے نام پر کچھ رقم دیتے ہیں، تو اس کا لینا کیا درست ہے؟ اور اگر تراوج پڑھانے والا باقاعدہ اس مسجد کا امام ہے، اس کو لوگ ہدیہ کے نام سے رقم دیں تو کیا وہ لے سکتا ہے؟

**الجواب:** حامداً ومصلياً ومسلماً

فقہاء نے ”المعروف كالمشروط“ والے قاعدہ کے پیش نظر تراوج پڑھانے والے کو ہدیہ کے نام سے دی جانے والی رقم کو بھی لینے کی اجازت نہیں دی، بیخ وقتہ نمازوں کا امام اگر تراوج پڑھاتا ہے، اور اس کو بھی تراوج کی وجہ سے ہدیہ میں کچھ پیش کیا جا رہا ہے تو نہیں لینا چاہیے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

## تراویح پر معاوضہ اور حیلہ

**سوال:** رمضان المبارک کے مہینہ میں تراویح پڑھانے کے لیے حافظ صاحب کا انتظام کیا جاتا ہے، انتظام کرتے وقت حافظ صاحب سے پورے مہینے کی تراویح پڑھانے کا معاوضہ طے کیا جاتا ہے، پھر پورے مہینہ کی تراویح پڑھانے کے بعد حافظ صاحب کو تراویح پڑھانے کے بدلہ میں روپے، کپڑے وغیرہ دیے جاتے ہیں، یا پھر پورے مہینہ میں بیانات اور تقاریر کرنے کے بدلہ میں روپے دیے جاتے ہیں؟

**الجواب:** حامداً ومصلياً ومسلماً

بے شک تراویح میں اجرت لینا دینا جائز ہے، لینے والا اور دینے والا دونوں گنہگار ہوتے ہیں، اس سے اچھا یہ ہے کہ ”الم ترکیف“ سے تراویح پڑھی جائے، لوجه اللہ پڑھنا اور لوجه اللہ ادا کرنا جائز ہے؛ مگر اس زمانہ میں یہ کہاں ہے؟ ایک مرتبہ پیسے نہ دیئے جائیں تو حافظ صاحب دوسری مرتبہ نہیں آئیں گے، تو اب اللہ کہاں رہا؟ اصل مسئلہ یہی ہے، مگر وہ مشکلات بھی نظر انداز نہ ہونی چاہیے، جو ہر سال اور تقریباً ہر ایک مسجد کے نمازیوں کو پیش آتی ہیں، اس بناء پر قابل عمل شکل یہ ہے کہ جہاں لوجه اللہ تراویح پڑھانے والا حافظ نہ ملے، وہاں تراویح پڑھانے والے کو ماہ رمضان کے لیے نائب امام بنایا جائے اور اس کے ذمہ ایک یا دو نماز سپرد کردی جائے، تو مذکورہ حیلہ سے تنخواہ لینا دینا جائز ہو جائے گا؛ کیوں کہ امامت کی اجرت کو جائز قرار دیا گیا ہے۔ (از فتاویٰ رحمیہ ۱/۳۴۹) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۱۴/ رجب المرجب ۱۴۱۳ھ

## تراویح پر اجرت کا حیلہ

**سوال:** رمضان المبارک میں معمول سا بن گیا ہے کہ تراویح کی نماز میں قرآن پڑھنے والے حافظ کو رقم پیش کی جاتی ہے یا حافظ صاحب خود طے کرتے ہیں، اگر قرآن کے پڑھنے سے رقم کمائی جانے پر پابندی لگائی جائے، تو وسیع پیمانے پہ ایک عظیم کارِ خیر میں حد درجہ کی کمی واقع نہ ہو جائے گی؟ شریعت اس سلسلہ میں کیا فیصلہ سناتی ہے؟

**الجواب:** حامداً ومصلياً ومسلماً

اجرت پر قرآن شریف پڑھنا درست نہیں ہے، اور اس میں ثواب (بھی) نہیں ہے، اور بحکم ”المعروف کالمشروط“ جس کی نیت لینے دینے کی ہے، وہ بھی اجرت کے حکم میں ہے اور ناجائز ہے، اس حالت میں صرف تراویح پڑھنا اور اجرت کا قرآن شریف نہ سننا بہتر ہے اور صرف تراویح ادا کر لینے سے قیام رمضان کی فضیلت حاصل ہو جائے گی۔ (فتاویٰ دارالعلوم ۳/۲۳۶ بحوالہ رد المحتار ۱/۶۸۷، مسائل تراویح ۲۷)

اصل مسئلہ یہی ہے، مگر وہ مشکلات بھی نظر انداز نہ ہونی چاہیے جو ہر سال اور تقریباً ہر ایک مسجد کے نمازیوں کو پیش آتی ہیں، اس بناء پر قابل عمل شکل یہ ہے کہ جہاں لوجہ اللہ تراویح پڑھانے والا حافظ نہ ملے، وہاں تراویح پڑھانے والے کو ماہ رمضان کے لیے نائب امام بنایا جائے اور اس کے ذمہ ایک یا دو نماز سپرد کر دی جائے، تو مذکورہ حیلہ سے تنخواہ لینا دینا جائز ہو جائے گا؛ کیوں کہ امامت کی اجرت کو جائز قرار دیا ہے۔ (از فتاویٰ رحمہ ۱/۳۴۹) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

الجواب صحیح: عباس داؤد، بسم اللہ العفی عنہ، کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۲۷/ رجب ۱۴۰۹ھ



## تراویح پر اجرت

**سوال:** ہمارے یہاں (کولہا پور) میں اکثر و بیشتر دوسری جگہوں سے حافظ تراویح پڑھانے کے لیے تشریف لاتے ہیں اور وہ اپنی طرف سے کوئی اجرت وغیرہ مقرر کرتے نہیں؛ البتہ مسجد کے ذمہ داران حضرات کی طرف سے دوسرے عشرہ سے ستائیسویں شب کے چندہ کے نام سے ان کے چندے کا اعلان ہوتا ہے اور یہ اعلان مسلسل ستائیسویں تک جاری رہتا ہے اور یہ جمع شدہ چندہ حافظ صاحب، امام صاحب، مؤذن صاحب تینوں کے درمیان تقسیم کر دیا جاتا ہے، تو اس سلسلہ میں ہمارے وہاں ایک قاری صاحب (عالم ہیں یا نہیں وہ معلوم نہیں) نے یہ اعلان کروایا کہ ان حافظوں کے پیچھے نماز نہیں ہوتی، تو کیا یہ صحیح ہے کہ ان کے پیچھے نماز نہیں ہوتی؟ اور ان کے لیے چندہ جمع کرنا کیسا ہے؟ اور اگر صحیح نہیں، تو پھر ان کو پیسے دینے کی کیا شکل ہو سکتی ہے؟

باتفصیل جواب مرحمت فرمائیں۔

**الجواب:** حامداً ومصلياً ومسلماً

اصل حکم تو یہی ہے کہ طاعات پر اجرت لینا دینا ناجائز ہے، مگر متاخرین نے بقاء دین کی ضرورت کو ملحوظ رکھ کر تعلیم قرآن، امامت، اذان وغیرہ چند چیزوں پر اجرت لینے دینے کے جواز کا فتویٰ دیا ہے، جن چیزوں کو مستثنیٰ کیا ہے، جواز کا حکم ان ہی میں منحصر رہے گا، تراویح مستثنیٰ کردہ چیزوں میں نہیں ہے، اس لیے اصل مذہب کی بنیاد پر تراویح پر اجرت لینا دینا ناجائز ہی رہے گا۔ (فتاویٰ رحیمیہ ۴/۲۲۲)

بے شک تراویح پر اجرت لینا دینا ناجائز ہے، لینے والا اور دینے والا دونوں

گنہگار ہوتے ہیں، اس سے اچھا یہ ہے کہ الم ترکیف سے تراویح پڑھی جائے، لوجہ اللہ پڑھنا اور لوجہ اللہ امداد کرنا جائز ہے، مگر اس زمانہ میں یہ کہاں ہے؟ ایک مرتبہ پیسے نہ دیئے جائیں تو حافظ صاحب دوسری دفعہ نہیں آئیں گے، تو اب اللہ کہاں رہا؟ اصل مسئلہ یہی ہے مگر وہ مشکلات بھی نظر انداز نہ ہونی چاہیے، جو ہر سال اور تقریباً ہر ایک مسجد کے نمازیوں کو پیش آتی ہیں، قابل عمل حل یہ ہے کہ جہاں لوجہ اللہ تراویح پڑھانے والا حافظ نہ ملے، وہاں تراویح پڑھانے والے کو ماہ رمضان کے لیے نائب امام بنایا جائے اور اس کے ذمہ ایک یا دو نماز سپرد کر دی جائے، تو مذکورہ حیلہ سے تنخواہ لینا جائز ہوگا، کیوں کہ امامت کی اجرت کو جائز قرار دیا گیا ہے۔ (از فتاویٰ رحیمیہ ۱/۳۴۹)

البتہ یہ ضروری ہے کہ اس صورت میں تنخواہ کی مقدار متعین کر دی جائے؛ تاکہ امامت کی اجرت مجہول نہ رہے، باقی تراویح میں قرآن خوانی پر اجرت طے کر دی گئی ہو، تب بھی ناجائز ہے اور اگر بغیر طے کئے دی جاتی ہے تو اس میں دو گناہ ہیں: ایک قرآن پر اجرت کا گناہ۔ اور دوسرا جہالت اجرت کا گناہ۔ (احسن الفتاویٰ ۳/۵۱۳)

اور اس طرح سننے اور سنانے والے سب سخت گنہگار اور فاسق ہیں اور ایسے قاری کی امامت مکروہ تحریمی ہے۔ (احسن الفتاویٰ ۳/۵۱۵)

فرائض میں فاسق کی امامت کا یہ حکم ہے کہ اگر صالح امام میسر نہ ہو، یا فاسق امام کو ہٹانے کی قدرت نہ ہو، تو اس کی اقتداء میں نماز پڑھ لی جائے، ترک جماعت جائز نہیں؛ مگر تراویح کا حکم یہ ہے کہ کسی حال میں بھی فاسق کی اقتداء میں جائز نہیں، اگر صالح حافظ ملے، تو چھوٹی سورتوں سے تراویح پڑھ لی جائے، اگر محلہ کی مسجد میں ایسا حافظ تراویح پڑھائے، تو فرض مسجد میں جماعت کے ساتھ ادا کر کے تراویح الگ

مکان میں پڑھیں۔ (حسن الفتاویٰ ۳/۵۱۵) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

## تراویح پر اجرت اور حیلہ

**سوال:** حفاظ کرام کی دو قسمیں ہیں: ایک وہ جو دائمی امام ہیں۔ دوسرے وہ جو نہ دائمی امام ہیں، نہ عارضی ہیں؛ بلکہ تنہا تراویح اس کے ذمہ ہے، آیا ان تمام حضرات کے لیے اجرت حرام ہے یا کہ کوئی ایسی شکل ہے جس میں اجرت لینا درست ہے، مثلاً: ہمارے علاقہ مہاراشٹر میں کثرت سے حفاظ یوپی، بہار، گجرات وغیرہ سے خالص رمضان شریف میں تراویح سنانے کے لیے آتے ہیں اور ان کے ذمہ چند فرض نمازیں بھی کر دی جائے تو کیا ان کے لیے اجرت ماہ مبارک میں لینا جائز ہے یا کہ نہیں ہے؟ جس صورت میں اجرت لینا ناجائز ہے تو کیا اس طرح اجرت دے کر پڑھی ہوئی تراویح فاسد ہوگی یا نہیں؟ اس کا اعادہ واجب ہے یا نہیں؟ اور اگر بلا کسی اجرت کے مقرر کر دیں، کوئی قرآن سنائے اور بغیر اعلان و اظہار کے لوگ اس حافظ کو اپنی ذاتی طور پر ہر شخص بلا تعیین کچھ ہدیہ دے تو یہ جائز ہے یا نہیں؟ اور بعض جہلاء نے ایسے حافظ کے پیچھے نماز اور تراویح پڑھنے سے انکار کیا جس کی اجرت مقرر نہ کی گئی ہو، اور ایک ہی مسجد میں علاحدہ علاحدہ ایک اوپر اور ایک نیچے جماعت تراویح شروع کیا، ان حضرات کا یہ فعل کیسا ہے؟۔

**الجواب:** حامداً ومصلياً ومسلماً

بے شک تراویح میں اجرت لینا ناجائز ہے، لینے والا اور دینے والا دونوں

گنہگار ہوتے ہیں، اس سے اچھا یہ ہے کہ الم ترکیف سے تراویح پڑھی جائے، لوجہ اللہ پڑھنا اور لوجہ اللہ امداد کرنا جائز ہے؛ مگر اس زمانہ میں یہ کہاں ہے؟ ایک مرتبہ پیسے نہ دیے جائیں تو حافظ صاحب دوسری دفعہ نہیں آئیں گے، تو اب اللہ کہاں رہا؟ اصل مسئلہ یہی ہے؛ مگر وہ مشکلات بھی نظر انداز نہ ہونی چاہیے، جو ہر سال اور تقریباً ہر ایک مسجد میں کے نمازیوں کو پیش آتی ہیں، اس بنا پر ایک قابل عمل شکل یہ ہے کہ جہاں لوجہ اللہ تراویح خواں حافظ نہ ملے، وہاں تراویح پڑھانے والے کو ماہ رمضان کے لیے نائب امام بنایا جائے اور اس کے ذمہ ایک یا دو نماز سپرد کی جائے، تو اس مذکور حیلہ سے تنخواہ لینا دینا جائز ہو جائے گا؛ کیوں کہ امامت کی اجرت کو جائز قرار دیا گیا ہے۔

مفتی اعظم حضرت مولانا مفتی محمد کفایت اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا فتویٰ ہے:

اگر رمضان المبارک کے مہینہ کے لیے حافظ کو تنخواہ پر رکھ لیا جائے اور ایک دو نمازوں میں اس کی امامت معین (مقرر) کر دی جائے، تو یہ صورت جواز کی ہے؛ کیوں کہ امامت کی اجرت (تنخواہ) کی فقہاء نے اجازت دی ہے۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ دہلی ۲۷ / شعبان ۱۳۷۰ھ۔

حضرت مفتی محمود حسن صاحب گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ مفتی مظاہر علوم فرماتے ہیں:

اصل مذہب تو عدم جواز کا ہی ہے؛ لیکن حالت مذکورہ میں حیلہ مذکور کی گنجائش ہے۔ محمود گنگوہی مدرسہ مظاہر العلوم سہارنپور ۵ / شعبان ۱۳۷۰ھ (از فتاویٰ رحیمیہ ۱/۳۲۹، ۳۵۰) تراویح کے لیے اجرت لینا اور دینا گناہ ہے؛ لیکن اس سے تراویح فاسد نہیں ہوتی؛ البتہ تالی اور سامع ثواب سے محروم رہتے ہیں، اگر ان حافظ صاحب کو معلوم ہے کہ ان کو قرآن شریف سنانے پر کچھ روپیہ ملے گا اور لینا دینا معروف ہے، تو ان حافظ صاحب

کو کچھ لینا قرآن شریف ختم کر کے درست نہیں ہے۔ (فتاویٰ دارالعلوم مکمل مدلل ۳/۲۶۳)  
 جن حضرات نے سوال میں مذکور علت کی بناء پر ایک ہی مسجد میں تراویح کی  
 دوسری جماعت کی، ان کا یہ فعل شرعاً درست نہیں ہے، جہالت کی بات ہے۔ فقط واللہ  
 تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

## تراویح پڑھانے والے کے لیے چندہ

**سوال:** ایک شکل یہ بھی ہے کہ یہ مسجد میں باقاعدہ نظم و ضبط کے ساتھ اعلان بھی  
 کیا جاتا کہ ۲۷/ستائیس شب کا چندہ باقاعدہ ہر مقتدی سے وصول کیا جاتا ہے، اس  
 چندہ میں سے مسجد کے تمام اخراجات کے ساتھ ساتھ قرآن سنانے والے حافظ کو بھی  
 اجرت اور مؤذن اور دائی امام کو بھی دیا جاتا ہے، اس کی صورت جائز ہے یا ناجائز ہے؟

**الجواب:** حامداً ومصلياً ومسلماً

مسجد کے اخراجات اور امام و مؤذن کی تنخواہ کے لیے چندہ کیا جائے اور مصلی  
 حضرات بخوشی چندہ دیتے ہوں اور چندہ جبراً وصول نہ کیا جاتا ہو تو مضاائقہ نہیں ہے۔

(ماغوذ از فتاویٰ رحیمیہ ۳/۳۲۷)

البتہ تراویح میں قرآن سنانے والے حفاظ کو اجرت دینا جائز نہیں ہے، اس لیے  
 اس مقصد سے چندہ کرنا بھی جائز نہیں ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۱۳/شوال ۱۴۱۰ھ

الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

## تراویح میں سامع ضروری نہیں

**سوال:** نماز تراویح میں جو حافظ قرآن پاک سناتا ہے، اس کے پیچھے اگر سامع نہ ہو، تو کیا حکم ہے آیا سامع کا ہونا شرعاً کیسا ہے؟

**الجواب:** حامداً و مصلياً و مسلماً

اگر پڑھنے والے کا حفظ پختہ ہے، تو سامع ضروری نہیں۔ (حسن الفتاویٰ ۳/۵۲۱)  
فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۱۹/ شوال المکرم ۱۴۰۹ھ  
الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

## تراویح کی تین رکعت پڑھادی

**سوال:** تراویح کی دو کی بجائے امام نے تین رکعت پڑھی، اور سجدہ سہو کیا تو دوبارہ دو رکعت تو پڑھے گا؛ لیکن وہ مقدر قرآن جو اس نے ان دو رکعتوں میں پڑھا ہے، کیا اسے دوبارہ پڑھنا پڑھے گا یا اس سے آگے پڑھے گا؟

**الجواب:** حامداً و مصلياً و مسلماً

اگر دوسری رکعت پر قعدہ کئے بغیر تیسری کے لیے کھڑا ہو گیا تھا، اور تیسری پر قعدہ کر کے سلام پھیرا تو تراویح کی وہ دو رکعت معتبر نہ ہوئی، اعادہ ضروری ہے، اور جو قرآن اس میں پڑھا گیا ہے اس کا لوٹانا بھی ضروری ہے۔ (بحوالہ رد المحتار، فتاویٰ رحیمیہ ۳/۴۲۰) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

## تراویح میں نابالغ کی امامت

**سوال:** ایک بچے کے ۲۲/ پارے ہو گئے ہیں، اور ۱۲/ سال کی عمر ہے، تیرہویں سال میں چل رہا ہے اور قد بہت چھوٹا ہے، یعنی گڈا ہے، یہ رمضان المبارک میں تراویح پڑھا سکتا ہے یا نہیں؟

**الجواب:** حامداً ومصلياً ومسلماً

تیرہ سال کا بچہ اگر اس کو احتلام و انزال نہیں ہوا ہے تو نابالغ ہے، اور نابالغ کے پیچھے بالغ کی نماز درست نہیں ہوتی، اس لیے وہ تراویح میں امامت نہیں کر سکتا؛ البتہ اگر اس کو انزال ہو چکا ہے، تو وہ بالغ ہے، اس صورت میں وہ تراویح میں بھی امام بن سکتا ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

## چودہ سالہ حافظ کی اقتداء میں تراویح

**سوال:** نماز عشاء شافعی مسلک والے شخص نے پڑھائی، تراویح چودہ سالہ حافظ نے پڑھائی، اور وتر کی نماز پندرہواں سال شروع ہے ایسے حافظ نے پڑھائی، یہ درست ہے یا نہیں؟

**الجواب:** حامداً ومصلياً ومسلماً

جس چودہ سالہ حافظ نے تراویح پڑھائی، اگر وہ نابالغ تھا (یعنی علامت بلوغ اس میں ظاہر نہیں ہوئی تھی) تو وہ تراویح درست نہیں ہوئی، اور اگر اس میں کوئی علامت

بلوغ ظاہر ہو چکی تھی، (مثلاً انزال و احتلام ہو گیا تھا) تو تراویح درست ہوگی۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

## تراویح میں امام حنفی ہو یا شافعی؟

**سوال:** حنفی مسلک کے مسلمان جس بستی میں ہیں، وہاں پر تراویح کے لیے حنفی

مسلک کا حافظ یا شافعی مسلک کا حافظ ان دونوں میں کونسا بہتر ہوگا؟

**الجواب:** حامداً ومصلياً ومسلماً

جب حافظ حنفی میسر ہے، تو اس کو بڑھایا جائے۔

أن الاقتداء بالمخالف المراعى فى الفرائض أفضل من الإفراد، إذ لم يجد غيره؛ وإلا فالإقتداء بالموافق أفضل (شامی ۱/۱۷۷) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

## تراویح مسجد کے علاوہ کسی اور جگہ پڑھنا

**سوال:** بہت سے لوگ رمضان المبارک میں عشاء کی نماز اور تراویح دکان پر

کمپاؤنڈ میں گیرج میں اور مکان کی چھت پر پڑھتے ہیں مسجدوں کے ہوتے ہوئے، یہ جائز ہے؟ جب کہ حضور اکرم ﷺ نے زندگی میں آخری سانس تک مسجد میں جا کر

جماعت سے نماز ادا کی ہے، اس کو واضح فرمائیں۔

**الجواب:** حامداً ومصلياً ومسلماً

تراویح کی نماز میدان میں یا مسجد کے علاوہ دوسری جگہ میں بھی باجماعت پڑھی



جاسکتی ہے؛ البتہ عشاء کے فرض مسجد میں ادا کرنے کا اہتمام ہونا چاہیے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۱۵/ شوال المکرم ۱۴۱۱ھ  
الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

## شبینہ ممنوع ہے

سوال: شبینہ مانک پر پڑھنا جائز ہے؟ پڑھنے والا اور سننے والے دونوں بیٹھے رہتے ہیں۔

الجواب: حامداً ومصلياً ومسلماً

مروجہ شبینہ میں بہت سی ایسی باتیں شامل ہو چکی ہیں جن کی وجہ سے یہ ممنوع ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

## تراویح کی جماعت کا ثبوت

سوال: حضور اقدس ﷺ نے تراویح جماعت سے نہیں پڑھی تو تراویح جماعت سے پڑھنا کیسے مشروع ہوئی؟ واضح فرمائیں۔

الجواب: حامداً ومصلياً ومسلماً

تین رات آپ ﷺ نے بھی جماعت سے پڑھی ہے پھر وجوب کے اندیشہ سے ترک فرما دیا، بعد میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا اس پر اجماع ہوا۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

## ایک ہی مسجد میں متعدد تراویح کا حکم

**سوال:** جامع مسجد میں اعلان یہ ہوا کہ نیچے کی منزل میں سوا پارہ تراویح میں پڑھا جائے گا، دوسری منزل میں ساڑھے تین پارہ تراویح میں دوسرے حافظ اسی وقت میں سنائیں گے، آیا ایک ہی وقت میں دو حافظ دو منازل میں علاحدہ علاحدہ قرآن شریف نماز تراویح میں سناسکتے ہیں یا نہیں؟

کیا ایک حافظ کے پیچھے ایک جماعت مسجد میں ہو رہی ہو تو اسی وقت میں مسجد کے صحن میں دوسرے حافظ کے پیچھے دوسری جماعت ادا کی جاسکتی ہے یا نہیں؟

**الجواب:** حامداً ومصلياً ومسلماً

مسجد میں جماعت کا تعدد مکروہ ہے، اور اس کا عموم جماعت تراویح کو بھی شامل ہے، لہذا یہ بھی مکروہ ہے، خواہ ایک ہی وقت میں تراویح کی متعدد جماعتیں ہوں یا مختلف اوقات میں ہوں۔ (احسن الفتاویٰ ۳/۵۲۶) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری  
الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

## عشاء میں تراویح کا مخصوص الفاظ میں اعلان کرنا

## بعد تراویح پانی پر دم کر کے تبرک حاصل کرنا

**سوال:** ① ہمارے یہاں مسجد میں بہت پہلے سے ماہ رمضان میں عشاء کی اذان سے قبل ”الصلاة سنة التراويح رحمكم الله الصلاة“ تین دفعہ مؤذن

لاؤڈ اسپیکر میں پکارتا ہے اور عشاء کی اداء فرض کے بعد یہی الفاظ پہلے مؤذن باواز بلند پکارتا ہے، پھر لوگ تراتوج کے لیے کھڑے ہوتے ہیں اور پھر بعد تراتوج کے ”الصلاة واجب الوتر رحمکم اللہ الصلوة“ مؤذن پکارتا ہے، پھر لوگ وتر کے لیے کھڑے ہوتے ہیں، کیا ان الفاظ کا ثبوت احادیث نبوی سے ملتا ہے اور کیا یہ مسنون ہے یا بدعت محض ہے؟

② اسی طرح ماہ رمضان میں ۲۳ کی شب کو تراتوج اور وتر سے فراغت کے بعد امام صاحب عنکبوت اور سورہ روم کی تلاوت باواز بلند لاءڈ اسپیکر پر کرتے ہیں پھر اختتام تلاوت کے بعد پانی پر امام صاحب دم کرتے ہیں اور سبھی لوگ اس کو تبرک سمجھ کر پینے کے لیے ٹوٹ پڑتے ہیں، کیا ان دونوں سورتوں کو ماہ رمضان کی ۲۳ / شب کو پڑھنا درست ہے اور یہ طریقہ جو رائج ہے، مسنون ہے یا محض بدعت ہے؟ برائے کرم دونوں مسکوں کا جواب دلائل کے ساتھ مفصل عنایت فرمائیں۔

نوٹ: امام صاحب کے انکار پر ذمہ داران مسجد امام صاحب کو زجر و توبیح کرتے ہیں اور ان کو ان افعال کے کرنے پر مجبور کیا جاتا ہے۔

الجواب: حامداً ومصلياً ومسلماً

① خیر القرون میں عرب و عجم میں کثیر تعداد میں جہلاء اور نو مسلم ہونے کے باوجود سلف صالحین سے ایسا اعلان ثابت نہیں؛ حالاں کہ وہ حضرات اسلامی اعمال کی تبلیغ میں نہایت چست اور عبادت کی درستگی میں بڑے حریص تھے، فقہاء نے بھی اس طرح کے اعلان کی ہدایت نہیں کی ہے، اگر ضرورت ہوتی تو ضرورتاً کید فرماتے جیسے مسافر امام کو خصوصی تاکید فرمائی ہے کہ نمازیوں کو اپنے مسافر ہونے کی اطلاع

دے دے چاہے نماز سے پہلے ہو یا بعد میں کہ ”میں مسافر ہوں“ کیوں کہ یہاں ضرورت ہے، حضرت شاہ ولی اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے تنبیہ فرمائی ہے کہ مباح چیزوں کو ضروری سمجھنے سے دیگر خرابیوں کے سوا اس بات کا بھی احتمال ہے کہ مباح کو مسنون سمجھ لیا جائے اور غیر مسنون کو مسنون سمجھنا تحریف دین ہے۔

(ازالۃ الخفاء۔ ماخوذ از: فتاویٰ رحمیہ ۱/ ۲۳۵، ۲۳۶)

② سوال میں مذکور طریقہ پر سورہ روم اور سورہ عنکبوت کی جہراً تلاوت اور پانی پر دم کرنا (اور اس کو ضروری سمجھنا کہ امام صاحب کے انکار پر ان کو زبرد تو بیخ کا نشانہ بنایا جاتا ہے) بے اصل ہے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور ائمہ مجتہدین و سلف صالحین سے ثابت نہیں، اس کو ضروری سمجھ کر اس پر مداومت کرنا بدعت ہے، اس کا ترک کرنا ضروری ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عنی عنہ خانپوری، ۷ / جمادی الاخریٰ ۱۴۱۳ھ

الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عنی عنہ

## تراتوج میں قرأت کے بعد دعا کرنا

سوال: ایک امام تراوج کی آخری رکعت میں روزانہ قرأت سے فراغت کے بعد نماز میں ہی دعاء کرتا ہے منقول وغیر منقول، تو کیا اس سے نماز میں کوئی نقصان آئے گا اور ایسا کر سکتے ہیں؟

الجواب: حامداً ومصلياً ومسلماً

اگر غیر منقول کلام ناس کے مشابہ نہیں ہے تو نماز تو فاسد نہیں ہوگی؛ لیکن اس

وقت دعا نہیں کرنا چاہیے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

## تراویح میں بہ اعتبار سُورِ قرآن پڑھنا

**سوال:** ایک امام تراویح میں پارے کے حساب سے نہیں؛ بلکہ سورتوں کے حساب سے تراویح پڑھاتا ہے، تیسری تراویح میں سورہ آل عمران، چوتھی میں سورہ نساء، مطلب چھوٹی ہو تو ایک کے ساتھ دوسری تیسری ملاتا ہے، اور بڑی ہو تو ایک، روزانہ اوسط ایک سو پارہ کے قریب ہی ہوتا ہے، تو اس بارے میں مفتیان کرام کی کیا رائے ہے؟

**الجواب:** حامداً ومصلياً ومسلماً

ایسا کر سکتا ہے؛ بلکہ اقرب الی السنۃ ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۲۳ / رمضان المبارک ۱۴۱۶ھ

## تراویح میں تسبیحات اور تشہد چھوڑنا

**سوال:** ایک شخص تقریباً دو سال سے رمضان المبارک میں تراویح پڑھاتا ہے؛ لیکن پوری تراویح میں رکوع و سجود کی تسبیحات کبھی نہیں پڑھتا، اور نہ ہی قعدہ میں تشہد درود شریف پڑھتا ہے، تھوڑی دیر خاموش بیٹھ کر سلام پھیر دیتا ہے تو کیا ایسی صورت میں تراویح ہوئی؟ اگر ہوئی تو کیا واجب الاعادہ ہے؟ اس کی تلافی کی کیا صورت ہو سکتی ہے؟ مقتدیوں کی نماز کا کیا حکم ہے؟ ہر شخص پریشان ہے، کوئی ایسا راستہ بتائیں کہ نجات بھی مل جائے اور رسوائی بھی نہ ہونے پائے۔

**الجواب:** حامداً ومصلياً ومسلماً

رکوع سجدہ کی تسبیحات تو سنت ہے؛ لیکن تشہد واجب تھا جس کو قصداً چھوڑنے کی وجہ سے نماز واجب الاعداد ہوتی ہے؛ البتہ وقت گزرنے کے بعد اب توبہ ہی ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۳/ صفر المظفر ۱۳۱۳ھ  
الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

تراویح میں قرآن شریف دیکھ کر پڑھنے والے کی اقتدا

**سوال:** یہاں سعودی عرب میں تراویح میں امام صاحب قرآن پاک دیکھ کر تلاوت کرتے ہیں تو اس طرح نماز ہو جاتی ہے؟ اور پیچھے پڑھنے والے کا کیا حکم ہے؟

**الجواب:** حامداً ومصلياً ومسلماً

احناف کے نزدیک یہ نماز درست نہیں۔ اس لیے حنفی مقتدی کو چاہیے کہ ایسے امام کی اقتداء نہ کرے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۲۰/ ربیع الاول ۱۳۱۳ھ

تراویح میں قرآن شریف دیکھ کر لقمہ دیا تو کیا حکم ہے؟

**سوال:** اس عالم صاحب نے یہ بھی بتایا کہ حرم شریف میں تراویح کی نماز میں امام صاحب تو قرآن مجید حفظ پڑھتے ہیں؛ لیکن سامع میں سے بعض حضرات قرآن مجید میں دیکھ کر لقمہ دیتے ہیں، اگر امام صاحب ان کا لقمہ صحیح ہونے کی بنا پر لے لیں تو

اگر حنفی مقتدی (با وجود جاننے کے کہ قرآن مجید میں دیکھ کر لقمہ دیا جاتا ہے، اور امام صاحب لے لیتے ہیں) نماز پڑھے تو اس کی نماز ہو جائے گی؟ اور اگر حنفی مقتدی نہ جانے اس صورت میں اس کی پڑھی ہوئی نماز کے بارے میں کیا حکم ہے؟

**الجواب:** حامداً ومصلياً ومسلماً

اگر لقمہ دینے والے نے قرآن میں دیکھ کر لقمہ دیا، اور امام نے وہ لقمہ قبول کیا، اور یہ چیز حنفی مقتدی کو یقینی طور معلوم ہوئی تب تو تراویح کی ان دو رکعتوں کا اعادہ کرے، ورنہ نماز ہوگئی، صرف احتمال کی وجہ سے اعادہ کا حکم نہیں لگائیں گے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

اٹھائیس اور انتیسویں کی تراویح میں کونسی سورتیں پڑھے؟

**سوال:** اور ۲۸ / اور ۲۹ / رمضان کی صلاة التراويح میں قرآن کریم کی کئی

سورتوں کی تلاوت کرنا؛ بلکہ سورۃ الفیل سے سورۃ الناس تک کی تلاوت کرنا سنت ہے؟

**الجواب:** حامداً ومصلياً ومسلماً

کوئی سورت متعین نہیں ہے جو چاہے پڑھ سکتا ہے۔

وقیل: یصلیہا ویقرأ فیہا ما شاء ذکرہ فی الذخیرۃ.

البتہ سورۃ فیل تا آخر کا پڑھنا مستحسن ہے۔

وبعضہم سورۃ الفیل أي البداءۃ منہا ثم یعیدها وهذا أحسن لثلاً

یشغل قلبہ بعدد الركعات، قال فی الحلیۃ: وعلی هذا استقر عمل أئمة

اکثر المساجد في ديارنا الخ (شامی ۱/ ۵۲۳) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

## تراویح اور وتر کے درمیان دعا کرنا

**سوال:** بعد التراويح قبل الوتر عربی ادعیہ کے ساتھ اردو ادعیہ بھی کر سکتے ہیں؟

اور فی زمانہ دو تین ”ربنا“ پڑھ کر دعا ختم کر دیتے ہیں تو کیا کچھ لمبی دعا کر سکتے ہیں یا نہیں؟

**الجواب:** حامداً ومصلياً ومسلماً

جیسے فرائض کے بعد دعا ہوتی ہے ایسے ہی اس میں بھی کیا جائے، اس لیے کہ دلیل دونوں کی ایک ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۱۱/ شوال ۱۴۱۸ھ

## تراویح میں قرآن سنانے سے پہلے اجرت

**سوال:** رمضان شریف میں تراویح میں قرآن شریف سنانے کی اجرت لینا دینا

دونوں میں از روئے شرع واقوال مفتیان اصلاً حرمت کا فتویٰ ہے، کیا کوئی صورت جو

کہ ”اعطاء اجرة وأخذہ“ پر بین دال ہو (حلت اجرت پر) ہے؟ جو کچھ بعض فقہاء

نے حلت کا فتویٰ دیا ہے وہ تاویلات سے خالی نہیں ہے؛ لیکن بات یہ ہے کہ ”المعروف

کالمشروط“ ضابطہ کو فقہاء نے معتبر مانا ہے؛ چنانچہ فتاویٰ رشیدیہ میں حضرت

قطب الاقطاب نے ”المعروف کالمشروط“ کہہ کر حرام کا فتویٰ دیا؛ لہذا ”الآخذ

والمعطى كلاهما آثمان“ نیز ”اقروا القرآن ولا تأكلوا به“ ان دونوں عبارتوں

سے اعطاء واخذ فعل اثم ہے، دوسری عبارت ”قراءت قرآن کرو اس کے ذریعہ حاصل



شدہ آمدنی کو نہ کھاؤ“ ان دونوں عبارتوں میں لینا دینا دونوں حرام معلوم ہوتا ہے؛ لیکن بالفرض کسی نے لے لیا ہے تو اس رقم کو استعمال کرنا جائز ہے یا کچھ اور حکم ہے؟ ایک صورت ہمارے ذہن میں آتی ہے واللہ اعلم درست ہے یا غلط؟ لہذا وہ صورت یہ ہے کہ حافظ صاحب کو متعین اجرت اور ”المعروف کالمشروط“ کے خلاف قرآن سنانے سے قبل ہی مثلاً ۲۸/۲۹ شعبان کو کچھ رقم من جانب متولیان مسجد یا ذمہ داران کی طرف سے بطور ایک ماہ اور آمدورفت کے اخراجات دیا جائے، اب آئندہ پورا ماہ قرآن سنانے پر نہ جبر ہو، نہ اکراہ ہو وہ چاہے دس دن میں ختم کرے یا پورے ماہ میں ختم کرے، ختم کی تخصیص نہ ہو تو اس صورت میں یہ اخراجات کا لینا دینا جائز ہو سکتا ہے یا نہیں؟ ان کا خطاً فہو منی ومن الشیطن، وإن کان صواباً فمن اللہ الرحمن۔

**الجواب:** حامداً ومصلياً ومسلماً

اجرت کبھی عمل سے پہلے بھی دی جاتی ہے، اس لیے آپ نے جو صورت تحریر فرمائی ہے وہ بھی اجرت ہی میں شمار ہوگی، اور ”المعروف کالمشروط“ والا فقہی قاعدہ یہاں بھی جاری ہوتا ہے، جب فقہاء نے تراویح میں قرآن سنانے پر اجرت کو ناجائز قرار دیا ہے تو حفاظ حضرات کو اس کے لینے پر کیوں اصرار ہے؟ ان کو تو چاہیے کہ اس حکم شرعی پر پورے طور پر کاربند ہوں، اللہ تعالیٰ نے حفظ قرآن کی نعمت و دولت سے مالا مال کیا اس کا تقاضہ یہی ہے کہ کسی نے لے لیا ہو تو واپس کر دے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد غنی عنہ خانپوری، ۲۷/ صفر ۱۴۱۹ھ

الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ

## ترویجہ کی دعائیں

**سوال:** ماہ رمضان المبارک کے موقع پر شہر مدراس اور جنوبی ہند کی اکثر مساجد میں نماز تراویح کی ہر دو اور چار رکعتوں کے درمیان کچھ دعائیں، تسبیحات اور صلوات کے نام سے پڑھنے کا رواج ہے، یہ تسبیحات اجتماعی طور پر بالجہر بلند آواز سے پڑھنے کا معمول ہے، ملاحظہ کیجئے: ان تسبیحات کو بعینہ آپ کے سامنے نقل کیا جاتا ہے:

① پہلے دو گانہ کے بعد اس دعا کو ایک مرتبہ پڑھا جاتا ہے۔ ”فضل من اللہ ونعمة ومغفرة ورحمة وعافية وسلامة، لا إله إلا الله والله أكبر، الله أكبر والله الحمد (برخواجه عالم صلوات اللهم صل وسلم وبارك عليه)“

② پہلے ترویجہ کے بعد یہ تسبیح تین بار پڑھی جاتی ہے: اشهد أن لا إله إلا الله وحده لا شريك له واشهد أن محمدا عبده ورسوله، پھر دعا کے بعد اس کو ایک بار پڑھا جاتا ہے، البدر محمد مصطفى صلى الله عليه وآله واصحابه وسلم، والله أكبر الله أكبر، والله الحمد (برخواجه عالم صلوات)

③ دوسرے ترویجہ کے بعد یہ تسبیح تین بار پڑھی جاتی ہے: اللهم صل على محمد وعلى آل محمد، وبارك وسلم وصل على جميع الأنبياء والمرسلين والملائكة المقربين وعلى كل ملك برحمتك يا ارحم الراحمين پھر دعا کے بعد پڑھتے ہیں: خليفة رسول الله بالتحقيق خير البشر بعد الأنبياء بالتصديق أمير المؤمنين أبوبكر الصديق لا إله إلا الله والله أكبر الله أكبر والله الحمد (برخواجه عالم.....)

④ تیسرے ترویجہ کے بعد یہ تسبیح تین بار پڑھی جاتی ہے: سبحان اللہ والحمد للہ ولا الہ الا اللہ واللہ اکبر ولا حول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم۔ پھر دعا کے بعد پڑھتے ہیں: مزین المنبر والمحراب امیر المؤمنین عمر بن الخطاب لا الہ الا اللہ واللہ اکبر، اللہ اکبر واللہ الحمد۔ (برخواجه عالم صلوات.....)

⑤ چوتھے ترویجہ کے بعد یہ تسبیح تین بار پڑھی جاتی ہے: سبحان اللہ وبحمدہ سبحن اللہ العظیم وبحمدہ استغفر اللہ ربی من کل ذنب وخطیئۃ وأتوب الیہ۔ پھر دعا کے بعد پڑھتے ہیں: جامع القرآن کامل الحیاء والایمان ذو النورین امیر المؤمنین عثمان بن عفان لا الہ الا اللہ واللہ اکبر، اللہ اکبر واللہ الحمد۔ (برخواجه عالم صلوات.....)

⑥ پانچویں ترویجہ کے بعد یہ تسبیح تین بار پڑھی جاتی ہے: استغفر اللہ، استغفر اللہ استغفر اللہ العلی العظیم الذی لا الہ الا هو الہی القیوم، غفار الذنوب، ستار العیوب، علام الغیوب، کشاف الکروب، یا مقلب القلوب والابصار وأتوب الیہ“ پھر دعا کے بعد پڑھتے ہیں: أسد اللہ الغالب مظهر العجائب والغرائب، امام المشارق والمغرب امیر المؤمنین علی بن ابی طالب لا الہ الا اللہ واللہ اکبر، اللہ اکبر واللہ الحمد (برخواجه عالم صلوات.....)

اس سلسلہ میں دریافت طلب امر یہ ہے کہ:

① ان تسبیحات کی شرعی حیثیت کیا ہے؟ کیا ان تسبیحات کو ترویجات میں پڑھنا

درست ہے؟

۲) کیا قرآن وحدیث، آثار صحابہ رضی اللہ عنہم وتعامل سلف سے ان تسبیحات کا

ثبوت ملتا ہے؟

۳) کیا صحابہ وتابعین اور تبع تابعین، فقہائے کرام اور ائمہ مجتہدین کے

مبارک زمانہ میں ان تسبیحات کا رواج رہا؟

۴) اگر نہیں، تو یہ کس کی ایجاد ہے؟ اور اس کا رواج مسلمانوں کے درمیان کب

سے شروع ہوا؟

۵) مصلیوں کو ان ہی تسبیحات کا پابند بنانا کیسا ہے؟

۶) کیا یہ تسبیحات تراویح کے لیے جزو لازم ہیں؟

۷) ان تسبیحات کو ترک کر دینے پر اعتراضات کرنا اور اختلافات پیدا کرنا اور

اس رواج کو برقرار رکھنے پر اصرار کرنا شرعاً کیسا ہے؟

۸) ان تسبیحات کے بغیر تراویح کو ناقص و نامکمل سمجھنا کیسا ہے؟

۹) تراویح کے سلسلہ میں قرآن وحدیث اور آثار صحابہ رضی اللہ عنہم سے کیا کوئی خاص

دعاء یا کوئی مخصوص تسبیح منقول ہے؟

۱۰) اگر قرآن وسنت سے کوئی تسبیح اور دعاء منقول ہو تو اس کو کس طرح پڑھا جائے؟

کیا اجتماعی طور پر بلند آواز سے یا انفرادی طور پر الگ الگ آہستہ آواز سے؟ ان

دونوں میں افضل اور اولی طریقہ کونسا ہے؟ وضاحت بیان فرمائیں۔

۱۱) ہر چار رکعت (ترویج) کے بعد دعا کرنا کیسا ہے؟ کیا ہر ترویجہ پر دعا ضروری

ہے؟ یا آخر میں صرف ایک مرتبہ دعا کر لینا کافی ہے؟ گزارش ہے کہ مندرجہ بالا

سوالات کے سلسلہ میں شرعی احکام کی وضاحت فرمائی جائے۔

الجواب: حامداً ومصلياً ومسلماً

تراویح کے متعلق اس طرح کے ایک سوال کے جواب میں حضرت اقدس مولانا مفتی سید عبدالرحیم صاحب رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں: یہ سب باتیں سنت کے مطابق نہیں ہیں، رسمی و رواجی ہیں، لہذا قابل ترک ہیں، دو رکعت پر ترویج نہی ہے؛ البتہ چار رکعت کے بعد ترویج ہے، اور اس قدر بیٹھنے کا حکم ہے کہ نمازیوں پر بار نہ گذرے، اور اس میں اجتماعی ذکر اور دعا نہیں ہے، لوگ انفرادی طور پر جو چاہیں پڑھیں، چاہے تلاوت کریں یا نفل پڑھیں یا ذکر و اذکار میں مشغول رہیں یا درود شریف پڑھتے رہیں یا خاموش بیٹھے رہیں، سب جائز ہے، ایک چیز کا سب کو پابند بنا دینا شریعت کی دی ہوئی آزادی پر پابندی لگانا ہے۔ (فتاویٰ رحیمیہ ۳/۳۹۰، ۳۹۱)

اب آپ کے قائم فرمودہ سوالات کے جوابات بالترتیب عرض ہیں:

① ان تسبیحات کا کوئی ثبوت بوقت تراویح مخصوص طور پر قرآن وحدیث یا

کتاب فقہ سے نہیں، محض رسمی و رواجی ہیں۔

② جواب ار کے مطابق۔

③ نہیں۔

④ معلوم نہیں۔

⑤ درست نہیں۔

⑥ نہیں۔

⑦ ناجائز اور گناہ ہے۔

۸) جہالت ہے۔

۹) علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ نے قہستانی کے حوالہ سے یہ تسبیح نقل فرمائی ہے: سبحان ذی الملك والمملکوت، سبحان ذی العزة والعظمة والقدرة والكبریاء والجبوت، سبحان الملك الحی الذی ولایموت، سبح قدوس رب الملائکة والروح، لا اله الا الله نستغفر الله نسألك الجنة ونعوذبک من النار (شامی ۱/ ۵۲۲) لیکن یہ بھی سنت یا واجب نہیں ہے۔

۱۰) مذکورہ تسبیح قرآن وحدیث میں نہیں ہے؛ بلکہ فقہاء نے اس کو اپنی کتابوں میں درج کیا ہے، اور اس کو بھی ہر نمازی انفرادی طور پر آہستہ آہستہ پڑھے، اجتماعی طور پر جہراً پڑھنا درست نہیں ہے، ہر نمازی کو اختیار ہے چاہے وہ تسبیح پڑھے، تلاوت کرے، نقل پڑھے یا خاموش رہے۔

بخیرون بین تسبیح وقراءة وسکوت وصلوة فرادی.

(درمختار علی هامش الشامی ۱/ ۵۲۲)

اجتماعی طور پر جہراً پڑھنے سے شریعت کا دیا ہوا اختیار اور آزادی مجروح ہوتی ہے۔  
۱۱) امام اور مقتدی کامل کر ہر ترویجہ کے بعد دعا کرنا سنت کے مطابق نہیں، انفرادی طور پر جو دعا کرنا چاہے کر سکتا ہے، اس لیے ہر ترویجہ کے بعد اجتماعی دعا کو ضروری سمجھنا اور اس میں حصہ نہ لینے والوں پر اعتراض کرنا درست نہیں۔

(فتاویٰ رحیمیہ ۱/ ۳۳۷)

حضرت اقدس فقیہ الامت مولانا مفتی محمود حسن صاحب قدس سرہ تحریر فرماتے ہیں: ہر چار رکعت تراویح کے بعد استراحت مستحب ہے، اور اس وقت اس کو اختیار ہے کہ چاہے تلاوت کرے، چاہے تسبیح و تہلیل، درود پڑھے، دعا کرے، چاہے نوافل

پڑھے؛ لیکن دعا کا التزام کرنا اور مجموعی حیثیت سے دعا پر اصرار کرنا، تارک پر ملامت کیا جانا منع ہے؛ کیوں کہ شریعت میں اس کا ثبوت نہیں۔ (فتاویٰ محمودیہ ۲/۳۶۱)

البتہ تراویح کی بیس رکعات پر دعا مانگنا مستحب ہے۔ (فتاویٰ محمودیہ ۲/۳۶۲) لیکن اس کو بھی ضروری نہ سمجھے اور نہ مانگنے والے پر ملامت نہ کرے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عنی عنہ خانپوری، ۲۹/ صفر ۱۴۱۸ھ

الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عنی عنہ

## مروّجہ دعائے ترویجہ کی حیثیت اور اس کا دیوارِ قبلہ پر لٹکانا

**سوال:** بہت سی مساجد میں آج کل نمازِ تراویح کے ترویجہ کی مشہور دعا:

”سبحان الملك القدوس الخ“ بڑے بڑے حروف میں لکھ کر نمازیوں کے سامنے قبلہ والی دیوار پر چسپاں کی جاتی ہیں، جہاں تک بندہ کی نظر سے یہ مسئلہ گذرا ہے، اس کا خلاصہ یہ ہے کہ اگر کسی نے نماز میں مکتوب کو پڑھ لیا تو نماز فاسد ہو جاتی ہے، نیز ایک قول شاید یہ بھی ہے کہ اگر پڑھا نہیں صرف اس کا معنی سمجھ لیا تو بھی نماز فاسد ہو جاتی ہے؛ لہذا ان حالات میں اس دعا کو سامنے رکھنا کیسا ہے؟ نیز اس دعا کی کیا حیثیت ہے؟ آج کل سلفیوں کی طرف سے ”نمازِ نبوی“ ایک کتاب آئی ہے، اس میں لکھا ہے کہ: یہ دعا کسی بھی حدیث کی کتاب میں نہیں ملتی اور ہمارے علمائے جہاں پر اس کو لکھا ہے وہ بھی صرف شامی کا حوالہ پیش کرتے ہیں؛ لہذا اس دعا کو کتنی اہمیت دی جائے؟ اس کے برخلاف تراویح کی ترویجہ کو نئے اعمال قرآن و حدیث سے ثابت ہیں، اس سے بھی مطلع فرمائیں۔

الجواب: حامداً ومصلياً ومسلماً

فقہانے یہ لکھا ہے کہ: تراویح کے ترویج میں یعنی چار رکعات کے بعد اختیار ہے کہ تسبیح پڑھے یا نفل پڑھے یا قرآن شریف پڑھے یا کچھ نہ پڑھے۔ تراویح میں چار رکعات کے بعد جو ذکر مشہور ہے وہ کسی روایت یا حدیث میں نہیں ملتا؛ البتہ علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ نے قہستانی وغیرہ کے حوالے سے نقل کیا ہے کہ: ترویج کے بعد یہ ذکر کیا جائے۔ بہر حال اس ذکر کو اس انداز سے دیوارِ قبلہ پر لٹکانا کہ دورانِ نماز نمازیوں کی نظر اس پر پڑے مناسب نہیں؛ لیکن اگر کسی نے یہ پڑھ بھی لیا تب بھی نماز فاسد نہ ہوگی۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد خانپوری، ۲/ صفر المظفر ۱۴۲۲ھ  
الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ

## ہاؤس کی تراویح میں عورتوں کی شرکت

سوال: ہمارے یہاں ایک بڑے احاطہ میں ایک بڑا ہاؤس ہے، جس میں ہماری برادری کے تقریباً ۵۰-۶۰ مکانات (فلیٹ) ہیں، جس میں ہم رمضان المبارک میں احاطہ کی ایک کھلی جگہ میں تراویح ادا کرتے ہیں، جس کا ایک فائدہ تو یہ ہے کہ جو حضرات مسجد کے دور ہونے کی وجہ سے تراویح ترک کر دیتے تھے، وہ لوگ ہاؤس میں ادا کر لیتے ہیں۔ قابلِ دریافت امر یہ ہے کہ جس جگہ مرد تراویح پڑھتے ہیں، اس کے متصل میں ایک حجرہ ہے، جس میں ہاؤس کی خواتین بھی پردہ کے اہتمام کے ساتھ تراویح کی جماعت میں شرکت کرتی ہیں، کیوں کہ مشاہدہ ہے کہ ۹۰/ فیصد خواتین



گھر میں تراویح نہیں پڑھتی ہیں، تو ایسی صورت میں شرعاً عورتوں کی تراویح میں شرکت اور ان کی تراویح کی نماز کے لیے کیا حکم ہے؟

**الجواب:** حامداً ومصلياً ومسلماً

عورتیں اگر اسی ہاؤس کی ہوں کہ ان کا حجرہ میں تراویح کے لیے آنا خروج عن مکان نہ ہو، تو ان کی یہ شرکت درست ہے، ورنہ نہیں؛ اس لیے کہ عورتوں کے لیے جماعت میں شرکت کی ممانعت کی علت جو فقہاء نے بتلائی ہے، وہ یہ ہے کہ ان کے گھروں سے نکلنے ہی میں فتنہ ہے۔ صورتِ مسئلہ میں اگر علتِ ممانعت وکراہت یعنی خروج عن مکان - جو سببِ فتنہ ہے - نہیں پائی جاتی، تو حکم یعنی ممانعت وکراہت بھی نہیں۔

أما المرأة فلأنها مشغولة بخدمة الزوج، ممنوعة عن الخروج إلى محافل الرجال؛ لكون الخروج سبباً للفتنة، ولهذا لا جماعة عليهن، ولا جمعة عليهن أيضاً (بدائع الصنائع / ۱/ ۲۰۸)

ولا يباح للشواب منهن الخروج إلى الجماعات بدليل ما روى عن عمر انه نهى الشواب عن الخروج، ولان خروجهن إلى الجماعة سبب للفتنة، والفتنة حرام، وما أدى إلى الحرام فهو حرام.

(بدائع الصنائع / ۱/ ۱۰۷)

البتہ اگر ہاؤس کی عورتوں کی اس شرکت میں دوسری کوئی ایسی خرابی پائی جاتی ہو، جو علتِ ممانعت بن سکتی ہے، تو اس صورت میں ان کی یہ شرکت درست نہ ہوگی۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

## عید، تراویح اور شوہر کی نماز میں عورت کی شرکت

**سوال:** عید اور تراویح کی نماز عورتیں جماعت کے ساتھ پڑھ سکتی ہیں کہ نہیں؟ چاہے عورتیں شہر کی ہوں یا دیہات کی، بعض گاؤں میں بھی عورتیں عید کی نماز پڑھتی ہیں، تنہا اور جماعت سے، کیا یہ صحیح ہے کہ نہیں؟ اور عورت کو اس کا شوہر نفل یا فرض نماز جماعت سے پڑھا سکتا ہے کہ نہیں؟ بعض لوگ اپنی عورت کو شادی کی رات میں نفل نماز پڑھاتے ہیں تو اگر صحیح ہے تو کیا صورت ہو؟ اور کیا میاں بیوی بغیر جماعت کے پاس میں کھڑے ہو کر الگ الگ اپنی اپنی نماز پڑھ سکتے ہیں؟

**الجواب:** حامداً ومصلياً ومسلماً

تنہا عورتوں کی جماعت احناف کے یہاں مکروہ ہے، چاہے وہ فرائض کی ہو یا تراویح کی، دیہات میں عید کی نماز درست نہیں، اس کے صحیح ہونے کے لیے مصر یا قصبہ بڑا گاؤں ہونا شرط ہے، عید کی نماز تنہا درست نہیں، شرائط صحت میں سے جماعت بھی ہے، شوہر اپنی بیوی کو جماعت سے نماز پڑھا سکتا ہے؛ البتہ اس صورت میں عورت ساتھ میں نہیں؛ بلکہ پیچھے کھڑی رہے، بغیر جماعت کے میاں بیوی اپنی اپنی نماز پڑھ سکتے ہیں، دونوں ایک دم مل کر نہ کھڑے رہیں؛ بلکہ کچھ فصل ہو۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

## مستورات کا باجماعت تراویح پڑھنا

**سوال:** مستورات بعض علاقے میں تراویح کی نماز جماعت کے ساتھ ادا کرتی

ہیں، قابل احترام شخص نے انہیں روکا، مستورات نے عذر پیش کیا کہ ہمیں منفرداً نماز پڑھنے نہیں آتا ہے، تو ان کا یہ عذر شریعت کی نظر میں قابل قبول ہو کر ان کی تراویح کی جماعت کراہیت سے نکل کر صحیح ہوگی یا نہیں؟

**الجواب:** حامداً ومصلياً ومسلماً

ان کو منفرداً نماز پڑھنے کا طریقہ بتلا دیا جائے، اور یہ بھی کہ جیسے اور نوافل پڑھے جاتے ہیں اسی طرح تراویح بھی پڑھی جاتی ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔  
کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

## عورتوں کے لیے تراویح و جماعت

**سوال:** عورتوں کے لیے تراویح کا کیا حکم ہے؟ ہمارے یہاں ایک مفتی صاحب نے مسئلہ شائع کیا ہے کہ جمعہ و عیدین اور تراویح عورتوں کے لیے سنت نہیں؛ بلکہ مستحب بھی نہیں، کیا یہ درست ہے؟ اگر کوئی بالغہ حافظہ ہو اور گھر میں عورتوں کی جماعت میں قرآن سنانا چاہے تو اس کا جواز ہے؟ کیا اس کے لیے تداعی جائز ہے؟

**الجواب:** حامداً ومصلياً ومسلماً

تراویح جس طرح مردوں کے لیے سنت ہے اسی طرح عورتوں کے لیے بھی سنت ہے۔

درمختار میں ہے: التراويح سنة مؤكدة لمواظبة الخلفاء الراشدين للرجال والنساء إجماعاً (درمختار علی هامش الشامی ۱/ ۵۰۱)  
تراویح صرف مردوں کے لیے بتلانا روافض کا قول ہے۔

(قوله: إجماعاً) راجع إلى قول المتن سنة للرجال والنساء، وأشار إلى أنه لا اعتداد بقول الروافض أنها سنة الرجال فقط على ما في الدر والكافي الخ (شامی ۱/۵۰۰)

تہا عورتوں کی جماعت (چاہے تراویح ہی کیوں ہو) مکروہ ہے۔

ویکروہ تحریماً جماعۃ النساء ولو فی التراويح (در مختار) (قوله: یکرہ تحریماً) صرح به فی الفتح والبحر (قوله: ولو فی التراويح) أفاد أن الکراهة کل ما تشرع فیہ جماعۃ الرجال فرضاً أو نفلاً (شامی ۱/۴۱۸) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

## عورتوں پر بھی تراویح ہے

**سوال:** رمضان المبارک کے ماہ میں اکثر مقامات میں مستورات نماز تراویح سے محروم رہتی ہیں؛ لیکن ایک مولوی صاحب نے یہ حکم رمضان المبارک میں نافذ کیا تھا کہ عورتیں بعد صلوٰۃ عشاء قبل وتر ۲۰ / رکعات نفل کی نیت سے ادا کر لیں انشاء اللہ تراویح کے قائم مقام ہو جائے گی تو ایسا کرنا درست ہے یا نہیں؟

**الجواب:** حامداً ومصلياً ومسلماً

نماز تراویح کی مسنونیت مرد اور عورت دونوں کے لیے یکساں ہے، اس لیے عورتوں کو بھی چاہیے کہ ماہ رمضان المبارک میں اس کا اہتمام کریں۔

بہشتی زیور میں ہے: ”مسئلہ: رمضان کے مہینہ میں تراویح کی نماز بھی سنت ہے، اس کی بھی تاکید آئی ہے اس کا چھوڑ دینا اور نہ پڑھنا گناہ ہے، عورتیں تراویح کی

نماز اکثر چھوڑ دیتی ہیں، ایسا ہرگز نہ کرنا چاہیے، عشاء کی فرض اور سنتوں کے بعد بیس رکعات تراویح پڑھے چاہے دو رکعت کی نیت باندھے چاہے چار چار رکعت کی؛ مگر دو دو رکعت پڑھنا اولیٰ ہے، جب بیسوں رکعتیں پڑھ چکے تو دو تر پڑھے۔ (بہشتی زیور اخترازی ۲/۲۹) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

## تراویح میں ختم قرآن کی شرعی حیثیت

**سوال:** تراویح میں قرآن سننا افضل ہے یا کہ الم تر کیف سے تراویح افضل ہے؟

**الجواب:** حامداً ومصلياً ومسلماً

صحیح مذہب اور قول اصح یہ ہے کہ تراویح میں ایک قرآن ختم کرنا سنت مؤکدہ ہے، قوم کی کابلی کی وجہ سے اسے ترک نہ کیا جائے اور دو ختم کرنے میں فضیلت ہے اور تین ختم کرنا افضل ہے، جہاں فقہاء نے ایک ختم کو سنت لکھا ہے، اس سے ظاہراً سنت مؤکدہ مراد ہے، الخ (امداد الفتاویٰ ۱/۳۰۰)

والختم مرة سنة مؤكدة (نہایہ شرح ہدایہ ۱/۱۳۱) (از فتاویٰ رحمیہ ۴۰۵، ۴۰۶) والتفصیل هناك فارجع إليها. فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

## ختم قرآن پر شیرینی اور ہدیہ

**سوال:** اکثر ہر سال تراویح کے لیے حفاظ حضرات کو متعین کرتے ہیں، پھر

۲۷/ کے نام سے لوگوں سے چندہ جمع کیا جاتا ہے، اور پھر اسی جمع کردہ رقم میں سے

حافظ صاحب، موزن صاحب اور ہمیشہ کے دائمی پیش امام کو دینے دلانے کے بعد اسی رقم میں سے شیرینی وغیرہ تقسیم کی جاتی ہے، آیا یہ فعل کیسا ہے؟ درست ہے یا نہیں؟

**الجواب:** حامداً ومصلياً ومسلماً

چندہ دینے کے لیے لوگوں کو مجبور کرنا جائز نہیں؛ نیز شیرینی ضروری نہیں، لوگوں نے اس کو ضروری سمجھ لیا ہے، اور بڑی پابندی کے ساتھ اس پر عمل کیا جا رہا ہے، مسجدوں میں بچوں کا اجتماع اور شور و غل وغیرہ خرابیوں کے پیش نظر شیرینی کے دستور کو موقوف کر دینا ہی بہتر ہے، کوئی شخص اپنے طور پر (چندہ سے نہیں اور نہ ہی کسی دباؤ سے) ختم قرآن کی خوشی میں کبھی کبھی شیرینی تقسیم کرے اور مسجد کے ادب و احترام کا خیال رکھا جائے، تو درست ہے، حافظ صاحب کو جو دیا جاتا ہے اگر پہلے سے معاملہ طے کر کے دیا جاتا ہے تو تراتوج پر اس طرح اجرت کا لینا دینا جائز ہے، لینے والا اور دینے والا دونوں گنہ گار ہوتے ہیں، اور اگر پہلے سے طے نہیں کیا گیا ہے، تب بھی چون کہ لوگوں میں دستور یہ ہو گیا ہے کہ ہدیہ کے نام سے حافظ صاحب کی خدمت میں کچھ نہ کچھ پیش کیا جاتا ہے اور حافظ صاحب بھی اس کے متوقع ہوتے ہیں، چنانچہ ایک مرتبہ پیسے نہ دیئے جائیں تو دوسری دفعہ نہیں آئیں گے، تو یہ ہدیہ کہاں رہا؟ یہ بھی معاوضہ اور اجرت کے حکم میں ہو کر ناجائز ہی کہلائے گا۔ (ماخوذ از فتاویٰ رحیمیہ) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

## رمضان کی ستائیسویں میں ختم قرآن

**سوال:** ہر سال رمضان المبارک کی ستائیسویں رات میں قرآن پاک کو پورا

کرنا ضروری ہے یا نہیں؟

الجواب: حامداً ومصلياً ومسلماً

ضروری نہیں؛ البتہ افضل و مستحب ہے۔ (مسائل تراویح بحوالہ فتاویٰ محمودیہ ۲/ ۳۵۵) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۲۱/ ذوالقعدہ ۱۴۱۱ھ  
الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

ستا نیسویں شب میں ختم کرنا

سوال: ① ہر سال صلاۃ التراويح میں ختم قرآن کریم ۲۷ / رمضان کو پورا

کرنا سنت ہے یا بدعت؟

② اگر سنت ہے تو اس کی کیا دلیل ہے؟

الجواب: حامداً ومصلياً ومسلماً

① ② ستا نیسویں شب کو ختم کرنا مستحب ہے۔ بحر الرائق (فتاویٰ محمودیہ ۲/ ۳۵۵)

فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

تراویح کی بیس رکعات کے ثبوت پر رسائل علماء

سوال: تراویح کی بیس رکعت کے ثبوت میں مدلل بیان فرمائیں، اور حضرت

عمر رضی اللہ عنہ کی جو حدیث ہے اس کی صحیح سند کے ساتھ تفصیل بیان فرمائیں۔

الجواب: حامداً ومصلياً ومسلماً

بیس رکعات تراویح کا مسئلہ بہت طویل ہے، اور اس موضوع پر مستقل رسائل موجود ہیں، ان کی نشان دہی کر دیتا ہوں، ان کا مطالعہ کر لیا جائے:

”الرأى النجیح فی عدد رکعات التراويح“ (اردو) حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ۔

”مصایب التراويح“ (فارسی) حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ۔  
 ”رکعات التراويح“ (اردو) حضرت مولانا حبیب الرحمن صاحب اعظمی مدظلہم، (یہ رسالہ عام طور پر دستیاب ہے اس میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ والی روایت پر تحقیقی بحث موجود ہے)۔

”تحقیق التراويح“ (اردو مطبوعہ پاکستان) شیخ مقری رعایت اللہ صاحب۔  
 ”تصحیح حدیث صلوة التراويح عشرين رکعة والرد علی الالبانی فی تضعیفه“ شیخ اسماعیل بن محمد الانصاری۔

”الهدی النبوی الصحیح فی صلوة التراويح“ (عربی) الشیخ محمد علی الصابونی (استاذ کلیة شرعية جامعة ام القرى مكة المكرمة)

ان کے علاوہ فتاویٰ رحیمیہ جلد اول از ص ۲۸۲ تا ۳۴۳ (تفصیلی بحث اس موضوع پر ہے جس میں غیر مقلدین کے جوابات بھی ہیں)، امداد الاحکام جلد اول از ص ۵۴۴ تا ۵۶۱، اعلاء السنن (عربی) جلد سابع از ص ۶۱ تا ۷۷۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۴/ ربیع الاول ۱۴۰۸ھ



## تراویح میں بیس رکعات کا ثبوت

**سوال:** کیا تراویح ۸ رکعت ہے یا ۲۰ رکعت؟ غیر مقلدین حضرات احناف کی کتابوں سے ۸ رکعت کا ثبوت نکالتے ہیں، جیسا کہ انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ نے ترمذی کی تقریر ”عرف الشذی“ ۲۲۹ میں لکھا ہے: ولا مناص من تسلیم أن تراویحہ علیہ السلام كانت ثمانية ركعات اور ۳۳۰: وأما النبي فصح عنه ثمان ركعات.

② ”مراقی الفلاح شرح نور الايضاح“ میں فاضل ابوالاخص شرنبلالی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں: صلاته بالجماعة سنة كفاية، لما ثبت أنه صلی اللہ علیہ وسلم بالجماعة إحدى عشرة ركعة بالوتر۔

③ اور فاضل طحاوی رحمۃ اللہ علیہ در مختار کی شرح ۱/۲۹۶ میں لکھتے ہیں: لأن النبي صلی اللہ علیہ وسلم لم يصلها عشرين؛ بل ثمانيا، ولم يواظب على ذلك۔ امام سيوطي رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب ”المصابيح“ طبع ہند کے ۴۳ میں لکھا ہے: الحاصل أن العشرين لم يثبت من فعله الخ۔

عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ ”ما ثبت بالسنة“ ۸۸: ”لیکن محدثین نے لکھا ہے کہ بیس والی روایت ضعیف ہے، صحیح تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا والی گیا رہے۔

ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ مرقات: ”فتحصل من هذا كله أن التراويح في الأصل إحدى عشرة ركعة“ الخ۔

سید احمد طحاوی حنفی رحمۃ اللہ علیہ شرح در مختار: ”وقد ثبت أن ذلك كان إحدى

عشرة ركعة بالوتر، كما ثبت في الصحيح من حديث عائشة“  
 ”منذ المصلى“ کی شرح ”کبیری“ کے ۳۹۳ مطبوعہ لاہور میں لکھا ہے: ”أنه  
 عليه الصلوة والسلام قام بهم في رمضان فصلی ثمان ركعات وأوتر“  
 الخ، ۳۹۴: فانها صلی بهم ثمان ركعات وأوتر الخ۔ ابن ماجه: جابر بن عبد الله کی  
 روایت آٹھ رکعت والی، امام ابن الہمام رحمہ اللہ ”فتح القدير شرح ہدایہ“  
 ۲۰۵ میں ۸ / رکعت کا ثبوت ہے۔ کیا حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی روایت جو یزید ابن رومان  
 سے منقول ہے، تو کیا یزید بن رومان نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا زمانہ نہیں پایا؟ کیا سند  
 منقطع ہے؟ کیا یہ طریقہ جس طریقہ پر یہ نماز پڑھتے ہیں، جب کہ عبدالحق بناری نے  
 یہ جماعت بنائی، اس سے پہلے کوئی اس طریقہ سے نماز پڑھتا تھا؟ جیسا کہ احناف کی  
 کتابیں شوافع کی کتابیں شاہد ہیں۔

**الجواب:** حامداً ومصلياً ومسلماً

”مراقی الفلاح“ میں ہے: وهي عشرون ركعة بإجماع الصحابة۔  
 (اور تراویح کی بیس رکعتیں ہیں۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے اجماع سے)۔

(مراقی الفلاح علی هامش الطحطاوي ۲۴۰)

اس کی مزید تفصیل دیکھنا چاہیں تو فتاویٰ رحیمیہ جلد اول ۲۸۲ سے لے کر ۳۴۳  
 کا مطالعہ فرمائیں، اس میں غیر مقلدین حضرات کے اس فریب کی مکمل پردہ دردی کی  
 ہے، ان تمام کتابوں سے؛ بلکہ فقہ حنفی کی دیگر معتبر کتابوں سے اور مستند علمائے احناف  
 کے حوالہ سے اس کا بیس رکعات ہونا تفصیل سے ثابت کیا ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے  
 بیس رکعت کے ثبوت کے سلسلہ میں فخر الحدیث حضرت مولانا حبیب الرحمن اعظمی

مدظلہم کی کتاب ”رکعات تراویح“ کا مطالعہ فرمائیں، اس مختصر فتویٰ میں اس کی گنجائش نہیں ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عنی عنہ خانپوری، ۲۱/ شوال ۱۴۱۰ھ  
الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عنی عنہ

## باب صلاة المسافر

شہر کی آبادی کے بعد مسافر شمار ہوگا

**سوال:** آدمی جب سفر کے لیے مکان سے نکلے اور راستہ میں محلہ کی مسجد میں یا دوسرے محلہ کی مسجد میں یا ریلوے اسٹیشن پر گاڑی میں یا پلیٹ فارم پر نماز پڑھنا ہو، تو اس صورت میں قصر نماز پڑھے یا پوری نماز پڑھے؟

**الجواب:** حامداً ومصلياً ومسلماً

جب کوئی تین منزل (۲۸ میل) کے ارادے سے نکلے، اور شہر کی آبادی سے باہر ہو جائے تو مسافر بن جاوے گا، اور جب تک آبادی کے اندر اندر چلتا ہے تب تک مسافر نہیں ہے، اسٹیشن اگر آبادی کے اندر ہے تو آبادی کے حکم ہوگا، اور جو آبادی کے باہر ہو وہاں پہنچ کر مسافر ہو جاوے گا۔ (در مختار مع الشامی - جلد اول) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عنی عنہ خانپوری

سفر کی ابتدا و انتہا کی حد

**سوال:** ① سفر کی شرعی حیثیت کیا ہے؟ سفر کی نیت گھر سے کی تو کیا گھر سے ہی

مسافر ہو جائے گا یا نہیں؟

② مسافر اپنے وطن میں جا کر قصر کرے کہ پوری نماز پڑھے؟

الجواب: حامداً ومصلياً ومسلماً

① سفر کی شرعی حیثیت کیا ہے؟ آپ کے اس سوال کا مطلب سمجھ میں نہیں آیا۔

سفر کی نیت سے گھر سے نکلتے ہی مسافر نہیں بنتا، (یعنی مسافر والے احکام اس پر جاری نہیں ہوتے) جب تک کہ آبادی کے حدود سے باہر نہ نکل جاوے۔

② اپنے وطن میں پہنچ کر آدمی مسافر باقی نہیں رہتا؛ بلکہ وطن کی آبادی کے حدود

میں قدم رکھتے ہی سفر ختم ہو جائے گا۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

أماہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۱۰/رمضان ۱۴۲۱ھ

الجواب صحیح: عباس دادو۔ بسم اللہ

## شروع سفر سے قصر کرے

سوال: ۴۸/ میل یا ۷۷/ کلومیٹر کے سفر آدمی مسافر بنتا ہے، سوال یہ ہے کہ

آدمی کا ارادہ ۵۰۰/ میل یا کلومیٹر کرنے کا ہے، اور وہ آدمی جب سفر شروع کرتا ہے

پھر بس (موٹر) میں ۷۷/ کلومیٹر کے اندر جب نماز کا وقت ہو تو نماز قصر کرنا چاہیے یا

پوری چار رکعت پڑھنا چاہیے؟ مثال کے طور پر نماز ظہر عصر یا عشاء کی پڑھنا ہو تو؟

الجواب: حامداً ومصلياً ومسلماً

جب کوئی آدمی پانچ سو میل کے ارادہ سے نکلا تو اس کا یہ سفر سفر شرعی ہے، اور

اپنے وطن کے حدود سے باہر نکلتے ہی یہ قصر کرے گا۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۱۹ / جمادی الاخریٰ ۱۴۱۲ھ  
الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

## شرعی مسافت

**سوال:** شرعی ۴۸ میل کے کتنے کلومیٹر ہوں گے (انگریزی میل کے حساب سے ۱.۶ کلومیٹر: ۱ میل) یعنی ۱۶ کلومیٹر = ۱۰ میل۔

**الجواب:** حامداً ومصلياً ومسلماً

مسافت سفر ۴۸ میل انگریزی ہے۔ (جواہر الفقہ ۱/ ۴۳۸)

کلومیٹر کے حساب سے 77.248 (سواستتر) کلومیٹر ہوتی ہے۔ یہ یاد رہے کہ شرعی میل اور انگریزی میل میں کچھ فرق ہے، شرعی میل کچھ بڑا ہوتا ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

دوسرے شہر میں بغرض ملازمت قیام ہو تو قصر نماز پڑھیں

**سوال:** بمبئی میں میرا ایک مکان ہے، اور راشن کارڈ بھی بنا ہوا ہے؛ نیز صوبہ گجرات ”بلی مورا“ نامی قصبہ میں بھی ایک مکان ہے، جہاں تمام اہل خانہ رہتے ہیں، اور ان کارشن کارڈ بھی بنا ہوا ہے؛ البتہ اس میں میرا نام نہیں ہے، اور میری ملازمت بمبئی میں ہے، ہفتہ میں بروز سنچر اور اتوار دو روز ”بلی مورا“ جاتا ہوں تو کیا بمبئی میں قصر کروں گا؟

**الجواب:** حامداً ومصلياً ومسلماً

بمبئی کو اگر وطن نہیں بنایا ہے صرف ملازمت کی وجہ سے قیام ہے، تو آپ بمبئی میں قصر پڑھیں، اور اگر بمبئی کو وطن کے طور پر اختیار کر لیا ہے، تو بمبئی میں پوری نماز پڑھیں، جیسا کہ گاؤں میں پوری پڑھتے ہیں، صرف دوران سفر قصر کریں۔ (ماخوذ از کفایت المفتی ۳/۳۵۶) (فتاویٰ دارالعلوم مطبوعہ کراچی ۲/۳۷۳) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عنی عنہ خانپوری

**جائے ملازمت مقام قصر میں ہو تو وہاں قصر ہوگی**

**سوال:** فتویٰ کی رو سے بمبئی میں مجھ پر قصر لازم ہے، اب میں اپنے مکان سے صبح ہی سفر کی تیاری کر کے نکلوں اور پورا دن دفتر میں کام کروں اور شام کو وہاں سے وطن کے لیے روانہ ہوؤں تو ظہر اور عصر کی نماز قصر ہوگی یا مکمل پڑھنی ہوگی؟

**الجواب:** حامداً ومصلياً ومسلماً

بمبئی میں جب قصر ہے اور دفتر بھی بمبئی میں واقع ہے، تو وہاں بھی قصر ہی کیجیے، اس صورت میں تو کوئی اشکال پیدا نہیں ہونا چاہیے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عنی عنہ خانپوری

**سرکاری ڈرائیور قصر کرے گا؟**

**سوال:** ایک شخص سرکاری بس سروس میں ڈرائیور کی ملازمت کرتا ہے، جب وہ گھر سے نکلتا ہے تو اس کی ڈیوٹی ایسے مقام پر لگائی جاتی ہے جو زیادہ سے زیادہ ۵۵ /

کلو میٹر کی دوری پر ہوتا ہے؛ لیکن ڈیوٹی ختم ہوتے ہوتے دن بھر میں اس سے وہی ۵۵/ کلو میٹر کے تین چکر ہو جاتے ہیں، کیا ایسی صورت میں اس پر قصر نماز واجب ہوگی؟

**الجواب:** حامداً ومصلياً ومسلماً

نہیں؛ بلکہ اتمام کرے۔ (ماخوذ از امداد الاحکام ۱/ ۶۳۹) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عنی عنہ خانپوری

دوران سفر اگر اپنے ہی گاؤں آ پہنچے تو نماز پوری پڑھے

**سوال:** ایک شخص تبلیغی جماعت میں نکلا ہوا ہے، اور مسافت شرعیہ ہونے کی وجہ سے قصر کر رہا تھا، اسی دوران وہ اپنے ہی گاؤں میں تبلیغ کے لیے آیا تو قصر پڑھے یا اتمام؟

**الجواب:** حامداً ومصلياً ومسلماً

جہاں سے تبلیغی جماعت میں نکلا ہے، وہاں سے اس کا گاؤں اڑتالیس میل یا اس سے زیادہ دوری پر ہے تو دوران سفر تو قصر پڑھے، اور گاؤں میں جب پہنچے پوری پڑھے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عنی عنہ خانپوری

مستورات بہ حالت سفر نماز ادا پڑھیں یا قضاء کریں؟

**سوال:** مستورات مسافری میں نمازوں کو باغیچے یا ریلوے اسٹیشن یا ایر پورٹ پر لوگوں کے سامنے نماز پڑھ سکتی ہیں یا نہیں؟ یا پھر گھر آنے کے بعد قضاء پڑھیں بہتر

کیا ہے؟

**الجواب:** حامداً ومصلياً ومسلماً

ستر اور پردہ کا لحاظ کرتے ہوئے وقت کے اندر پڑھنا ضروری ہے، وقت سے تاخیر کرنے کی صورت میں گنہگار ہوں گی۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد غنی عنہ خانپوری

**سفر میں نماز قضا ہونے کا خوف ہو تو ٹرین چھوڑ دے**

**سوال:** شرعی مسافر نماز قضا ہو جانے کا خوف ہونے کی صورت میں، جب کہ ریل یا بس میں اتنی بھیڑ ہو کہ نماز پڑھنے کو جگہ نہ ہو اور وضو اور تیمم بھی ممکن نہ ہو، ایسی صورت میں سیٹ پر بیٹھے بیٹھے یا کھڑے کھڑے اشاروں سے نماز پڑھ سکتا ہے یا نہیں؟ یہی صورت اگر ۲۸ میل سے کم سفر ہونے کی صورت میں پیش آئے تو کیا حکم ہے؟

**الجواب:** حامداً ومصلياً ومسلماً

اس ٹرین یا بس کو چھوڑ دے، نماز پڑھ کر دوسری ٹرین یا بس سے سفر کرے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد غنی عنہ خانپوری

**شرعی مسافر کا ۲۸/میل سے قبل دو چار دن کے لیے ٹھہرنا**

**سوال:** مسافر کے لیے قصر کا حکم کب ہے؟ مسافر ۲۸/میل سے زائد کی نیت کر کے سفر کرے؛ مگر ارادہ یہ ہے کہ دو دن یا تین دن اطراف میں ۲۸/میل سے کم رہے گا، جیسے کہ تبلیغی جماعت شروع کے چند ایام اطراف میں کام کرتی ہے، انخیری



ایام مسافت سفر کا ارادہ کر کے دوسری جگہوں میں کام کے لیے جاتی ہے۔

**الجواب:** حامداً ومصلياً ومسلماً

جب اپنے گھر سے اڑتالیس میل سے زیادہ کی نیت سے چلا، تو اپنے وطن کی عمارتوں سے باہر قدم رکھتے ہی مسافر شمار ہوگا، اب درمیان میں مختلف مقامات پر ٹھہرنے سے کوئی فرق نہیں پڑتا، اس کو چاہیے کہ قصر کرے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۲۳ / جمادی الاخریٰ ۱۴۱۱ھ

الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

## سو کلومیٹر سفر کرنے سے قصر

**سوال:** ایک شخص روزمرہ اپنے غریب خانہ سے سو سو سو کلومیٹر پر ملازمت کرتا ہے، شام کو روزانہ غریب خانہ پر آجاتا ہے آیا وہ شخص مذکور شرعاً مسافر ہوا یا نہیں؟

**الجواب:** حامداً ومصلياً ومسلماً

اپنے وطن کے مکانات سے نکلتے ہی وہ مسافر ہو جائے گا، اور وطن واپس آ کر مقیم ہو جائے گا۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

## سفر میں قبلہ کی تحری اور منفرد کے لیے اذان و اقامت کا حکم

**سوال:** اگر اکیلا سفر میں ہے تو اذان و اقامت کہنا چاہیے یا نہیں؟ اکیلا ہے اور عشاء کا وقت ہے، قبلہ کدھر ہے معلوم نہیں ہوتا تو کیا کرے؟

**الجواب:** حامداً ومصلياً ومسلماً

سفر میں منفرد کے لیے اذان سنت مؤکدہ نہیں؛ بلکہ مستحب ہے، اقامت سنت مؤکدہ ہے۔ (بدائع الصنائع ۱/۳۷۸)

اگر وہاں کوئی مقامی دین دار مسلمان ہو تو اس سے قبلہ معلوم کر لے؛ ورنہ تخری کرے، یعنی خوب غور و فکر سے صحیح جہت معلوم کرنے کے بعد دل جدھر گواہی دے اس طرف پڑھے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

## بس کے سفر میں نماز

**سوال:** سفر کی حالت میں نماز کا وقت ہو گیا اور ہم بس میں سفر کر رہے ہیں، نماز قضاء ہونے کا ڈر ہو، تو اس وقت کیا کریں؟

**الجواب:** حامداً ومصلياً ومسلماً

جب کسی جگہ پر بس ٹھہرے، وہاں اتر کر نماز پڑھ لے، اگر کسی طرح بھی پڑھنا ممکن نہ ہو، تو بعد میں قضاء کر سکتا ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۱۹/ شوال المکرم ۱۴۱۱ھ

## وطن اقامت بنانے کی ایک تدبیر

**سوال:** زید وطن اقامت میں امامت کر رہا ہے اور وہ اپنے گھر جانے کے لیے نکل بنا چکا؛ لیکن گھر جانے سے تھوڑے دن پہلے دوسری جگہ سفر کیا، جس سے مسافر

ہو جاتا ہے، وہاں سے واپسی کے بعد ۱۵ دن سے کم رہنے کا ارادہ ہے، اب وہ نماز کیسے پڑھائے گا؟ اور یہاں نماز پڑھانے کے لیے کوئی دوسرا آدمی بھی نہیں ہے، سب کے سب ان پڑھ ہیں۔

**الجواب:** حامداً ومصلياً ومسلماً

جب دوسری جگہ کا سفر کیا اور وہ اتنی دور واقع ہے کہ جس سے وہ مسافر ہو جاتا ہے، تو اب وہ دوبارہ مقیم اسی صورت میں بنے گا جب کہ اس کا ارادہ یہاں پندرہ دن قیام کا ہو، اس لیے صورت مسئولہ میں اس پر قصر لازم ہے، جب زید کو معلوم تھا کہ اس کے مقتدیوں میں کوئی نماز پڑھانے کے قابل نہیں ہے، تو اس کو سفر نہیں کرنا چاہیے تھا، اور جب کر چکا ہے تو اب اس کی تدبیر یہ ہے کہ وطن کے سفر کا ارادہ ملتوی کر کے پندرہ یا اس سے زائد یوم قیام کی نیت کرے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

## جیل میں نماز قصر پڑھیں یا نہیں؟

**سوال:** یہاں نو ساری جیل میں ہمارے علاوہ بہت سے مسلم برادران ۲ / سال یا ۲ / سال سے زائد وقت سے ہیں، اور بہت سے سال ڈیڑھ سال سے ہیں، حال میں ہم قصر نماز پڑھتے ہیں: ظہر، عصر اور عشاء کی فرض نماز قصر پڑھتے ہیں، کیا ہم قصر نماز پڑھ سکتے ہیں یا نہیں؟ ویسے ہم سب کو امید تو ہے کہ ہم ضمانت پر یا تو کیس میں رہا ہو کر اپنے اپنے گھر چلے جائیں گے، تو اس صورت حال میں ہم قصر نماز پڑھیں یا نہیں؟ اور جو برادران اسلام قصر نماز پڑھتے ہیں ان کے مکانات یا رہنے کا گھر ۸۰ /

کلو میٹر دوری پر ہیں، اس کے متعلق تفصیل سے فتویٰ تحریر کر کے بھیجے گا۔

**الجواب:** حامداً ومصلياً ومسلماً

آپ حضرات میں سے جو حضرات اڑتالیس (۴۸) میل یا اس سے زیادہ دوری کے رہنے والے ہیں وہ چار رکعت والی نماز قصر یعنی دو رکعت پڑھیں؛ البتہ اگر کسی ایسے آدمی کی اقتداء میں پڑھتے ہوں جو شرعی مسافر نہیں ہے تو اس صورت میں امام کی طرح پوری نماز پڑھنی ہوگی، یہ حکم ان لوگوں کے لیے ہے جن کے متعلق ابھی فیصلہ نہیں ہوا؛ بلکہ ان کا کیس چل رہا ہے، لیکن جن کے لیے فیصلہ ہو گیا اور تجویز شدہ سزا اسی جیل میں گزارنا بھی طے ہو گیا وہ لوگ پوری نماز پڑھیں، اللہ تعالیٰ آپ حضرات کو جلد رہائی نصیب فرمائے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۲/ رمضان المبارک ۱۴۱۷ھ

## مدتِ اقامت

**سوال:** اقامت کی مدت ۱۵/ دن ہے تو ایک آدمی نے ۳۱/ جنوری کو عصر کے وقت اقامت کی نیت کی، اور ۱۵/ فروری کو عصر کے وقت سفر کر لیا تو اقامت صحیح ہے؟ یا کیا مدت ہوگی اقامت کی؟

**الجواب:** حامداً ومصلياً ومسلماً

صورتِ مسئلہ میں پندرہ یوم کا حساب پورا ہو جاتا ہے، اس لیے وہ مقیم کہلائے گا۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

ایک شہر کے مختلف محلوں میں قیام کی نیت ہو تو اتمام کرے

**سوال:** ایک شہر میں ۴۰/ دن رہنا ہے، اور محلے الگ ہیں ۵/ دن اس میں، ۵/ دن اس میں؛ لیکن شہر ایک ہے، تو کیا قصر ہوگا؟ یا نیت تو ہے کہ پورے شہر میں ۴۰/ دن رہنا ہے تو اقامت ہو جائے گی؟

**الجواب:** حامداً ومصلياً ومسلماً

اگر ایک ہی شہر میں چالیس یوم قیام کی نیت ہے، (چاہے الگ الگ محلوں میں کام کرنا ہو) تو وہ شخص متیم بن گیا، پوری نماز پڑھے، قصر نہ کرے۔

لوكان الموضعان من مصر واحد أو قرية واحد، فإنها صحيحة؛ لأنها متحدان حكماً (شامی ۱/ ۸۰۲) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

مسافر امام نے چار رکعت والی نمازیں پڑھا دیں

**سوال:** بندہ دو سال سے گجر گاؤں میں امامت کر رہا ہے، جب دیولا سے نکلتا ہوں تو گجر سفر شرعی ہونے کی وجہ سے پندرہ دن کی نیت کر لیتا ہوں اور فیملی کے ساتھ ہی رہتا ہوں، خاص عرض کرنا یہ ہے کہ پہلی تاریخ کو گھر گیا تو کیا بارہ تاریخ کو رشتہ دار کی شادی میں آنا ضروری ہے تو مجھے گجر آ کر نمازوں کے بارے میں کیا کرنا چاہیے؟ قصر یا پوری پڑھانا ہے؟

**نوٹ:** اگر ایسی حالت میں بہت ساری نمازیں پڑھالی ہے تو اب کیا کرنا ہے؟

الجواب: حامداً ومصلياً ومسلماً

جب آپ پہلی تاریخ کو گھر جا کر گجرم واپس آئے اس وقت آپ کا ارادہ ۱۲ / تاریخ کو رشتہ دار کی شادی میں شرکت کے لیے جانے کا تھا تو آپ کا قیام گجرم میں پندرہ دن کا نہ ہونے کی وجہ سے آپ مقیم نہیں بنے، آپ کو چاہیے کہ چار رکعت والی نمازیں (عشاء، عصر، ظہر) قصر پڑھیں، اس حالت میں آپ نے چار رکعت والی جتنی نمازیں پوری پڑھائی ہیں اور آپ کی اقتداء میں جن مقیم حضرات نے یہ نمازیں پڑھی ہیں ان کی نماز نہیں ہوئی، ان کو چاہیے کہ ان نمازوں کا اعادہ کر لیں اور آپ پر توبہ واستغفار ضروری ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانیپوری، ۸ / صفر ۱۴۱۹ھ  
الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ

مسافر اتمام کرے تو کیا حکم ہے؟

سوال: بندہ ”تھوڑا“ ضلع سورت کا رہنے والا ہے، اور دھرم پور میں خادم مسجد جامع ہے، اب بندہ دھرم پور سے ایک کام کی بنا پر سملک جائے (سورت)، تو دھرم پور سے ۱۰۰ / کلومیٹر جیسا دور ہے، اور تھوڑا سے ۵۰ / کلومیٹر ہے تو کیا اگر تھوڑا نہ جانا ہو اور صرف سملک سے کام کے ختم کرنے پر لوٹ جائے اور ظہر کی نماز سملک میں پڑھے تو قصر کرے گا یا پوری پڑھے گا؟ اور اگر پوری پڑھ لی تو کوئی گناہ ہوگا یا نہیں؟

الجواب: حامداً ومصلياً ومسلماً

دھرم پور میں آپ کا قیام بسلسلہ ملازمت ہونے کی وجہ سے وہ آپ کا وطن

اقامت ہے، جب آپ وہاں سے سملک جانے کے ارادہ سے روانہ ہوئے تو چوں کہ سملک کا فاصلہ وہاں سے مسافتِ سفر سے زیادہ ہے، اس لیے آپ کے دھرم پور سے نکلتے ہی آپ شرعی مسافر بن گئے، اس لیے اس دوران چار رکعت والی جتنی بھی نمازیں آویں گی ان کو دو رکعت پڑھنا آپ کے لیے ضروری ہے، آپ نے ظہر کی نماز بجائے دو کے چار رکعت پڑھی، اب اگر یہ نماز کسی مقیم کے پیچھے نہیں پڑھی گئی ہے تو اگر آپ نے دو رکعت پر قعدہ کیا تھا تو یوں سمجھا جائے گا کہ ان چار رکعت میں سے دو بطور فرض ادا ہوئی اور دو نفل قرار دی جائے گی؛ بہر حال آپ کا فریضہ ادا ہو گیا، اور اگر آپ نے دو رکعت پر قعدہ نہیں کیا تھا تو آپ کی نماز صحیح نہیں ہوئی، اس صورت میں آپ کے لیے ضروری ہے کہ اس نماز کی قضاء کر لیں، اگر ظہر کا وقت ختم ہونے تک آپ سفر ہی میں تھے تو بطور قضاء بھی دو رکعت ہی پڑھیں۔ دھرم پور واپس لوٹ کر آپ کی نیت وہاں پر مسلسل پندرہ روز قیام کی تھی تو اب آپ نمازیں پوری پڑھیں، اور اگر پندرہ روز قیام کی نیت نہیں تھی؛ بلکہ پندرہ روز سے پہلے کسی اور جگہ جانے کا ارادہ تھا تو دھرم پور میں بھی آپ کو قصر ہی کرنا ہے؛ اس لیے کہ پندرہ روز قیام کی نیت نہ ہونے کی وجہ سے دھرم پور آپ کا وطنِ اقامت نہیں بنا۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

املاء: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۲۹ / جمادی الاخریٰ ۱۳۲۶ھ

الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ

ایک ہفتہ کا قیام معلوم ہونے کے باوجود اقامت کی نیت کرنا

سوال: برما کے چند جگہ میں جانے والے حجاج بنکاک شہر میں پہنچے اور وہ جہاں

رہتے تھے قریب کی مسجد کے امام صاحب شافعی مسلک کے تھے، اور وہ عشاء و فجر کی فرض نماز میں قرآن دیکھ کر پڑھتے تھے، برما کے حاجی صاحبان حنفی مسلک کے تھے، ان میں سے ایک عالم صاحب نے خود فرض نماز پڑھا دینے کی اجازت چاہی، امام صاحب نے کہا کہ آپ پوری چار رکعت عشاء میں پڑھائیں، اس عالم صاحب نے پہلے اپنے مقیم ہونے کی نیت کی (حالاں کہ ان کا قیام صرف ہفتہ بھر تھا) اب اس عالم صاحب نے عشاء کی فرض نماز بغیر قصر کئے پوری پڑھا دی، اب ان کے پیچھے حنفی مقتدیوں کی نماز ہوگئی؟

الجواب: حامداً ومصلياً ومسلماً

جب ان کا قیام ہفتہ بھر کا ہی تھا تو ان کی اقامت کی نیت معتبر نہیں ہوئی، ایسا معلوم ہوتا ہے کہ وہ نیت کی حقیقت سے بے خبر ہیں، جب وہ مسافر ہی تھے تو ان پر قصر واجب تھی اور عمداً ترک واجب کی وجہ سے گنہگار ہوئے، ان پر توبہ اور نماز کا اعادہ واجب ہے۔ (حسن الفتاویٰ ۳/۷۷)

در مختار میں تہستانی کے حوالے سے ”أَيْمَمَ واستحق النار“ کا لفظ موجود ہے۔

(درمخ الثامی / ۱ / ۵۸۳)

حنفی مقتدیوں میں جو مقیم تھے ان کی تو نماز ہی نہیں ہوئی؛ اس لیے کہ بعد والی دو رکعتوں میں اقتداء مفترض خلف المتفعل لازم آتا ہے، اور جو مسافر تھے ان پر بھی اعادہ واجب ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری



## نیت اقامت کے شرائط

**سوال:** زید نے انگلینڈ میں پندرہ روز قیام کی نیت کی ہو اور اسی اثنا میں دو دن کے لیے کھروڈ آنے کا ارادہ ہے، تو کیا یہ نیت اس کی اقامت میں مؤثر ہوگی یا نہیں؟

**الجواب:** حامداً ومصلياً ومسلماً

مسافر جس نیت اقامت سے مقیم بنتا ہے اس کے لیے چار چیزوں کا ہونا ضروری ہے: ① نیت اقامت ② نیت مدت اقامت ③ اتحاد مکان ④ جس مقام میں اقامت کی نیت کی ہے اس کا اقامت کے لائق ہونا۔

وهو أن ينوي الإقامة خمسة عشر يوماً، في مكان واحد صالح للإقامة فلا بد من أربعة أشياء: نية الإقامة، ومدة الإقامة، واتحاد المكان، وصلاحيته للإقامة. (بدائع ۹۷/۱)

صورت مسئلہ میں جب زید کا ارادہ دو دن کے لیے کھروڈ آنے کا ہے تو اتحاد مکان والی تیسری شرط مفقود ہونے کی وجہ سے زید مقیم نہیں بنے گا؛ بلکہ مسافر ہی رہے گا۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عنی عنہ خانپوری، ۸، صفر ۱۴۲۱ھ

الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ

## نیت اقامت کے شرائط کی تفصیل

**سوال:** بندہ نے ایک استفسار قبل ازیں ارسال کیا تھا، جس کا جواب موصول ہوا، فجزاکم اللہ، اس جواب کا آپ کے رجسٹر کے اندراج کے مطابق ۲۱/۶۵

ہے، جس میں دو سوال نقل کیے گئے ہیں، اور دونوں مسئلہ صورتوں کا جواب ایک ہی ہے، دونوں کے درمیان کوئی فرق نہیں؛ لیکن فتاویٰ دارالعلوم مکمل و مدلل جدید (مطبوعہ زکریا بک ڈپو دیوبند) جلد چہارم ص: ۳۵۶ پر اسی طرح کے ایک استفتاء کا جواب کچھ تشویش کا باعث بنا ہوا ہے، جو مع عنوان و سوال و جواب درجہ ذیل ہے، آں حضرت سے امید ہے کہ ایک طالب علم کی تشویش کو دور فرما کر ممنون و مشکور فرمائیں:

زید گھوم کر تجارت کرتا ہے اور سامان ایک جگہ رکھتا ہے؛ لیکن وہاں وہ خود ایک ہفتہ سے زیادہ نہیں رہتا تو وہ نماز پوری پڑھے یا قصر:

سوال: زید نے اپنا اسباب تجارت اپنے وطن سے سو میل کے فاصلے پر لے جا کر وہاں ایک مکان کرایہ پر لے رکھا ہے، اور اس مقام سے اسباب لے جا کر دیہات و بیرون جات میں فروخت کرتا ہے، بیرون جات سے کبھی ہفتہ کبھی دس روز میں اپنے جائے قیام پر واپس آتا ہے، دو چار روز یا ایک ہفتہ وہاں قیام کر کے پھر اسباب لے کر چلا جاتا ہے، اور اس کو فروخت کر کے آٹھ دس روز میں واپس آتا ہے، اسی طرح چار چھ مہینے گزار کر وطن اصلی کو واپس آتا ہے، زید جس مقام پر اسباب تجارت رکھتا ہے وہ وطن اقامت بن جائے گا یا نہیں؟ اور زید کو نماز قصر ادا کرنی چاہیے یا نہیں؟

الجواب: اگر اول اس جائے اقامت میں پندرہ دن کے قیام کی نیت کر لی ہے، تو اس صورت میں وہاں اور قرب و جوار کے دیہات پر جہاں تک مسافت قصر نہ ہو نماز پوری پڑھتا رہے گا، اور اگر جائے اقامت میں اول دفعہ بھی پندرہ روز کے قیام کی نیت نہیں کی تو پھر برابر قصر کرے گا۔ فقط

اسی طرح ایک اور استفتاء ۴/۳۶۶ پر ہے:

اگر کہیں اولاً پندرہ یوم اقامت کی نیت کی تو اس پاس دورہ میں پوری نماز پڑھنا ہوگی:

سوال: ایک آفیسر کا صدر مقام سکندر آباد ہے، جہاں ان کے بال بچے ہی رہتے ہیں، اور ان کی ملازمت دو روز دو ماہ کے دورہ کی ہے، سکندر آباد سے ایک طرف علاقہ ۳۲ میل اور ایک طرف پانچ میل اور ایک طرف ۲۱ میل اور ایک طرف ۲۲ میل کے قریب قریب ہے، دورہ میں کسی جگہ پر دس روز سے زیادہ قیام نہیں ہوتا، اور خاص سکندر آباد میں بھی دس روز سے زیادہ قیام نہیں ہوتا ہے، اس صورت میں آفیسر مذکورہ کو سکندر آباد یا دیگر مقامات میں نماز قصر پڑھنی چاہیے یا پوری؟ کیا حکم ہے؟

الجواب: قاعدہ یہ ہے کہ: موضع اقامت میں جب تک پندرہ دن کے قیام کی نیت ایک دفعہ میں نہ ہو اس وقت تک قصر ہی کرنا چاہیے، اور دورہ میں چوں کہ کوئی مقام مسافت شرعیہ یعنی قصر کے قابل نہیں ہے، پس اگر اول سکندر آباد جو نیت اقامت پندرہ دن کی ہو چکی ہے تب تو پھر دورہ میں قصر کہیں نہیں ہے، اور اگر سکندر آباد میں ہی اول نیت اقامت پندرہ دن کی نہ ہوئی تھی اور نہ پھر کسی دوسرے مقام میں نیت پندرہ دن کے قیام کی ہوئی، تو پھر برابر قصر کرے، یعنی سکندر آباد میں بھی اور دورہ میں بھی۔ فقط

(فتاویٰ دارالعلوم جدید ۴/۳۶۶)

آں حضرت نے بدائع (۱/۹۷) کے حوالے سے جو چار شرطیں ذکر فرمائی ہیں، ان میں سے بہ ظاہر تیسری شرط اتحاد مکان دارالعلوم کے مذکورہ استفتاء میں عنوان سے ظاہر ہوتا ہے کہ مفقود ہے، پھر بھی اقامت کی نیت کی صحت کا فیصلہ جو بہ صورت تعلیق ذکر کیا گیا ہے، کیسے صحیح ہوگا؟ حالاں کہ النية هو قصد القلب۔

الجواب: حامداً ومصلياً ومسلماً

بدائع کی جو عبارت اگلے جواب میں نقل کی گئی تھی آپ اُس مقام کو بہ غور مطالعہ فرمائیں، صاحب بدائع نے شروط اربعہ کی مدلل تفصیل دو صفحات میں فرمائی ہے، اس کو اچھی طرح سمجھ کر ذہن نشین فرمائیں۔ نیت اقامت میں چار چیزیں ضروری بتلائی ہیں:

① نفس نیت اقامت، یعنی وہاں قیام کا ارادہ و نیت ہو، اگر کوئی آدمی کسی شہر میں اس طرح ٹھہرا کہ شروع سے ہی ٹھہرنے کا ارادہ اور نیت نہیں؛ بلکہ دل میں یہ ہے کہ میرا فلاں کام ہوتے ہی نکل جاؤں گا، اور وہ کام ایسا ہو جو اس کے خیال میں قیام کا متقاضی بھی نہیں ہے، مثلاً کسی کی ملاقات جس نے اسی دن ملاقات کا وعدہ کیا ہے، مجھے یہاں ٹھہرنا نہیں ہے، اب چاہے اس کام کے ہونے میں تاخیر ہوتے رہنے کی وجہ سے ایک ماہ بھی ٹھہرا، تو چوں کہ ٹھہرنے کی نیت ہی نہیں تھی اس لیے وہ مقیم نہیں بنا۔ اس کے برخلاف شروع سے اس کا ارادہ و نیت قیام کی ہے اور وہ بھی پندرہ دن یا زیادہ، (مثلاً کوئی ایسا کام ہے جس کے متعلق اس کو یقین ہے کہ اس کی انجام دہی کے لیے مجھے پندرہ یا زیادہ دن رکننا ضروری ہے)؛ لیکن بعد میں یا تو وہ کام جلدی ہو گیا یا ایسے حالات پیش آئے کہ آئندہ اس کام کے ہونے کی توقع نہیں رہی، اور اس کو تین چار دن بعد ہی وہاں سے اپنا قیام مختصر کر کے آجانا پڑا، تو اس صورت میں چوں کہ نیت اقامت اور نیت مدت اقامت دونوں موجود تھیں؛ اس لیے وہ قصر کے بہ جائے اتمام کرتا رہے، وہ درست ہے، اگرچہ حالات کی نا موافقت کی وجہ سے نیت کے مطابق کام نہ کر سکا۔

② نیت مدت اقامت: یعنی اقامت کی جو نیت کی ہے اس کی مدت پندرہ یوم

یا زائد ہو، اگر نیت اقامت تو ہے (یعنی پہلی شرط)؛ لیکن اس کی مدت پندرہ یوم یا

زائد نہیں ہے؛ بلکہ کم ہے، تب بھی وہ آدمی مقیم نہیں بنے گا، مثلاً ایک آدمی سفر کر کے اپنی ضرورت سے بمبئی گیا، اب وہ جس ضرورت کے لیے بمبئی گیا ہے اس کے متعلق اس کا خیال یہ ہے کہ وہ کام دس دن میں مکمل ہوگا، چنانچہ اس نے بمبئی میں دس دن قیام کی نیت کی، تو اس صورت میں نفس نیت اقامت موجود ہے؛ لیکن مدت اقامت (پندرہ یوم یا زائد) کی نیت والی دوسری شرط نہیں پائی گئی؛ اس لیے وہ مقیم نہیں بنا، اب چاہے بعد میں ایسا ہوا کہ وہ کام دس دن میں نہ ہونے کی وجہ سے اس کو پندرہ یا زائد یوم ٹھہرنا پڑے، پھر بھی وہ مسافر ہی رہے گا۔

(۳) اتحاد مکان اقامت: یعنی پندرہ روز یا زائد قیام ایک ہی بستی میں کرنے کی نیت ہو، اب اگر کوئی آدمی پندرہ روز یا زائد قیام کی نیت تو کرتا ہے؛ لیکن دو بستیوں میں تو وہ مقیم نہیں ہوگا، مثلاً آپ نے کھروڈ اور انگلیشور دونوں میں مجموعی طور پر پندرہ یا زائد قیام کی نیت کی، تو آپ مقیم نہیں ہوں گے؛ (البتہ اس سے دو صورتیں مستثنیٰ ہیں): ایک: دونوں میں سے ایک میں حتی طور پر رات گزارنے کی نیت ہے، دوسری جگہ دن دن میں جانے کا ارادہ ہے تو چوں کہ اصل قیام کی جگہ وہی کہلاتی ہے جہاں آدمی رات گزارتا ہے؛ اس لیے اس صورت میں یوں سمجھا جائے گا کہ ایک ہی جگہ پندرہ یا زائد قیام کی نیت ہے۔ دوسری: کل بیس یوم دونوں جگہ قیام کا ارادہ ہے؛ لیکن اس طرح کہ پہلے پندرہ یوم پورے کھروڈ میں گزار کر آخری پانچ یوم انگلیشور میں گزاروں گا، تو چوں کہ پہلے پندرہ یوم پورے کھروڈ میں گزارنے کا ارادہ ہونے کی وجہ سے مقیم بن چکے، اس کے بعد انگلیشور جانے سے مسافر نہیں بنیں گے، کہ وہ کھروڈ سے مسافت سفر پر نہیں ہے۔

آپ نے فتاویٰ دارالعلوم کا جو جواب نقل فرمایا ہے اس میں اول پندرہ دن اقامت کی نیت کر لی ہے، اس کا مطلب یہ ہے کہ سکندر آباد یا اول جائے اقامت میں جب وہ آیا، اس کا ارادہ یہ ہے کہ میں یہاں پندرہ یوم مکمل قیام کروں گا، پھر اپنی تجارت کے لیے دیہات میں نکلوں گا یا پھر اپنے دورہ کے لیے اپنے علاقے میں نکلوں گا، تو وہ مقیم بن گیا، اب اگر وہ اپنی نیت کے مطابق واقعتاً بھی پندرہ یوم وہاں قیام پذیر رہا تو کوئی اشکال نہیں ہے؛ لیکن اگر وہ شروع میں پندرہ یوم قیام کی نیت ہونے کے باوجود بعد میں کسی وجہ سے اپنا ارادہ بدلتے ہوئے پندرہ یوم پورے ہونے سے پہلے ہی تجارت کے لیے نکل پڑا، یا علاقے کے لیے دورہ پر نکل پڑا، تو چونکہ وہ ایک مقام پر پندرہ یوم قیام کی نیت کرنے کی وجہ سے مقیم بن چکا ہے، اور اب وہاں (وطن اقامت) سے اتنی دوری پر جا رہا ہے جو مسافت سفر نہیں ہے؛ اس لیے وہ مقیم ہی ہے، اتمام کرتا رہے؛ لیکن اگر سکندر آباد یا پہلی جائے اقامت پر جب وہ آیا اس وقت بھی اس کی نیت وہاں پندرہ یوم قیام کی نہیں ہے؛ بلکہ یہ ہے کہ یہاں پانچ یوم ٹھہر کر اپنے دورہ پر یا تجارت کے لیے نکلوں گا، تو ظاہر ہے اس صورت میں پندرہ یوم قیام کی نیت نہ ہونے کی وجہ سے وہ آدمی سکندر آباد یا پہلی جائے قیام میں مقیم نہیں بنا؛ بلکہ مسافر ہی ہے، اس لیے قصر کرے گا، اب یہاں سے اپنے دورہ یا تجارت کے لیے دیگر قریبی مقامات پر جا رہا ہے تو بھی قصر ہی کرتا رہے؛ اس لیے کہ وہ مقیم بنا ہی نہیں ہے۔ آپ کو غلط فہمی اس سے ہوئی کہ آپ یہ سمجھے کہ سکندر آباد پہنچ کر پانچ دن بعد دورہ پر نکلنے کا پروگرام ہے، اس کے باوجود اگر وہ پندرہ یوم کی نیت کرے گا تو مقیم ہو جائے گا، حالاں کہ اس صورت میں جب کہ اس کا پروگرام (یعنی ارادہ) پانچ دن بعد دورہ پر

نکلنے کا ہے تو اس کی پندرہ یوم کی نیت کہاں رہی؟ اس لیے کہ یہ قول آپ کے نیت قصد القلب کا نام ہے، اور جب دل میں یہ بات ہے کہ میں پانچ دن بعد اپنے دورہ پر نکلوں گا تو اب پندرہ یوم کا قصد کہاں رہا!۔ حضرت عیسیٰ بن ابان کا جو واقعہ صاحب بدائع نے یہاں نقل کیا، اس کا یہی تو مطلب ہے کہ وہ جب شروع ذوالحجہ میں حج کے لیے مکہ مکرمہ آئے، اور ایک ماہ مکہ مکرمہ میں قیام کی نیت کی اور اتمام کرنے لگے، تو امام ابوحنیفہؒ کے کسی شاگرد نے ان سے یہی کہا کہ: جب آپ حج کے لیے مکہ مکرمہ آئے ہوئے ہیں، اور حاجی کے لیے ضروری ہے کہ وہ منیٰ عرفات جائے، تو گویا منیٰ عرفات جانے کا آپ کا پروگرام (ارادہ) ہے، اور اس کے ہوتے ہوئے آپ کی مکہ مکرمہ میں ایک ماہ قیام کی نیت کہاں صحیح ہوئی؟ فافہم وتدبر ولا تکن من الغافلین امید کہ اس تفصیل کے بعد آپ کی تشویش دور ہو جائے گی، پھر بھی خدا نہ خواستہ دور نہ ہو تو بہ وقت ملاقات زبانی دریافت فرمائیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

العبدا محمد عفی عنہ خانپوری، ۱۸ صفر ۱۴۲۱ھ

الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ

## وطن اقامت کب باطل ہوتا ہے؟

**سوال:** زید ایک جگہ پندرہ دن سے زیادہ قیام کا ارادہ کیا بعد ۳ دن قیام کرنے کے زید کسی ضرورت سے سفر شرعی یعنی ۴۸ میل سے تجاوز کر کے پھر وہی اول جگہ قیام کیا ہے، یا قیام کرنے سے قبل دل میں خیال کیا تھا کہ بعد تین دن قیام کے مجھے فلاں کام کے لیے ۴۸ میل سفر کرنا ہے؛ تو اسے قیام میں کوئی خلل آتا ہے یا نہیں؟

**الجواب:** حامداً ومصلياً ومسلماً

اگر زید کا ارادہ شروع ہی سے پندرہ دن یا اس سے زیادہ قیام کا ہے تو وہ اس جگہ پر مقیم بن گیا، قصر نہ کرے بلکہ نمازیں پوری پڑھے، اور اگر زید کا ارادہ شروع سے یہ ہے کہ تین دن کے بعد فلاں کام کے لیے یہاں سے جانا ہے (چاہے ۴۸ میل دور جانا ہو یا کم) تو وہ اس جگہ پر مقیم نہیں بنا؛ البتہ اگر تین دن کے بعد اس کام کے لیے گیا پھر واپس آ کر پندرہ یوم یا اس سے زیادہ قیام کی نیت کی تو وہ مقیم بن گیا۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۳۰ ربیع الاول ۱۴۱۳ھ

الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

## وطنِ اقامت سفر شرعی سے باطل ہو جاتا ہے

**سوال:** جیسے ہم سبھی حضرات ایک لمبی مسافت طے کر کے دور دراز پڑھانے جاتے ہیں، اور اقامت پذیر ہوتے ہیں مدرسوں میں؛ لیکن کبھی کبھی وطن بھی جانا ہوتا ہے، اور تعطیلات بھی پڑتی ہیں، جن کا وقت متعین ہوتا ہے ایسی صورت میں مثلاً ہم ایک ایسی جگہ رہ رہے ہیں جو ہمارا وطن اقامت ہے، اور مدرسہ کی طرف سے تعطیل کا وقت متعین ہو گیا کہ ۲۰ کو تعطیل ہوگی اور بیس کو ہمارا جانا بھی متحقق ہے مگر کسی وجہ سے ۱۸ یا پندرہ کو مدرسہ کے کام سے یا کسی وجہ سے اتنی دور جانا پڑا جو سفر شرعی ہے اور واپس آ کر اپنے وطن اقامت میں باقی دن پورا کرتے ہیں تو قصر کریں یا اتمام کریں گے؟

**الجواب:** حامداً ومصلياً ومسلماً

صورت مسئلہ میں قصر کرنا ہوگا ہمارے تمام اکابر کے فتاویٰ اور عمل یہی ہے،



اور کتب مذہب سے بھی یہی ثابت ہوتا ہے کسی کے تفرد پر تو جو نہ فرمائیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۱۶ ربیع الآخر ۱۳۱۳ھ  
الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

## مسافر شخص اقتدا کی صورت میں نماز کس طرح پڑھے؟

**سوال:** ایک مسافر چار رکعت والی نماز میں جماعت میں اس وقت شریک ہوا کہ وہ آخری یعنی چوتھی رکعت تھی۔ اس نے امام کے سلام پھیرنے کے بعد صرف ایک رکعت پڑھا یہ خیال کر کے کہ میں مسافر ہوں اور قصر پڑھ سکتا ہوں۔ آیا اس مسافر کی نماز ہوئی یا نہیں؟ اگر نہیں ہوئی ہو تو اب یہ شخص نماز کو وقت کے اندر ادا کرنا چاہتا ہے تو کتنی رکعت پڑھے اور اگر قضاء ہوئی ہو تو کتنی رکعت ادا کرنا ہوں گی؟

**الجواب:** حامداً ومصلياً ومسلماً

اس کی وہ نماز درست نہیں ہوئی۔ مسافر مقتدی اگر وقت کے اندر مقیم امام کی اقتداء میں نماز پڑھے تو اس کو بھی چاہیے کہ پوری نماز پڑھے۔ اب جب کہ وہ نماز درست نہیں ہوئی تو اس کے لیے ضروری ہے کہ پھر سے پڑھے، اب اگر اکیلا پڑھتا ہے تو چاہے وقت کے اندر ہو یا وقت کے بعد دونوں صورتوں میں قصر کرے گا اور اگر وقت کے اندر مقیم امام کی اقتداء میں پڑھتا ہے تو پوری پڑھے۔ وقت کے بعد مقیم امام کے پیچھے نہیں پڑھ سکتا ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۲۰ ربیع الاول ۱۳۱۳ھ  
الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

## تبلیغی جماعت کے لیے قصر و اتمام کے چند احکام

**سوال:** ① ایک تبلیغی جماعت پالنپور سے مہوا پہونچی، مہوا مرکز کے امیر جماعت نے اس جماعت کے افراد سے مہوا کے اندر ایک ماہ رہ کر مہوا اور مہوا کے اطراف میں کام کرنے کے لیے کہا؛ چنانچہ سارے ساتھیوں نے ایک ماہ اقامت کی نیت کر لی اور مہوا سے اتنی دور تک جا کر کام کرنا شروع کر دیا جو شرعی مسافت سے کم ہے تو کیا یہ لوگ قصر کریں گے کہ اتمام؟

② الف) ایک تبلیغی جماعت شرعی مسافت طے کر کے ایک جگہ پہونچی اور وہاں جا کر نیت کر لیا کہ ہمیں یہاں پندرہ دن سے زائد رہ کر کام کرنا ہے تو آیا وہ مسافر رہیں گے یا مقیم؟

ب) نیز ایک جماعت مہوا سے بوٹاڈ کے لیے روانہ ہوئی، اور بوٹاڈ پہنچ کر اسے ایک چلہ پورا کرنا تھا اگر بوٹاڈ میں اقامت کی نیت کرتے ہیں اور کام بوٹاڈ اور بوٹاڈ سے اتنی دور تک جا کر کرتے ہیں جو شرعی حد سے کم ہے تو کیا اتمام کریں یا قصر اگر قصر کئے ہوں تو پھر کیا کریں گے؟

ج) نیز کتنے کیلومیٹر انسان سفر کرے تو مسافر شمار ہوگا؟ فتاویٰ رحیمیہ میں ۷۷ میل لکھا ہے، آپ کے نزدیک جو راجح ہو تحریر فرمائیں، واضح رہے کہ عموماً جماعتیں ہر جگہ کے مرکز کے تابع ہوا کرتی ہیں۔ لہذا اس مرکز کے تابع ہو کر ہی کام کرنا ہوتا ہے۔

**الجواب:** حامداً ومصلياً ومسلماً

اگر پندرہ یوم یا اس سے زیادہ کا قیام صرف مہوا میں کرنے کی نیت ہوتی تو وہ

لوگ اتمام کرتے؛ لیکن مہوا کے اطراف میں بھی کام کا نظام پہلے سے بنا لیا گیا ہے، اور اسی پر عمل کرنا ہے تو پھر ایک جگہ پندرہ یوم کی نیت کہاں رہی؟ اگر نیت کی بھی تو وہ درست نہیں۔

فلو دخل الحاج مكة ايام العشر لم تصح نيته لانه يخرج الى منى وعرفة فصار كنية الإقامة في غير موضعها (در مختار) وهذا مسافر حكما وان نوى الإقامة لعدم انقضاء سفره مادام عازما على الخروج قبل خمسة عشر يوما الخ (شای ۱۸۱/۱)

(الف) اگر ایک ہی مقام (بستی) میں پندرہ یا زائد ایام قیام کر کے کام کی نیت ہے تو وہ حضرات مقیم قرار دیئے جائیں گے ورنہ نہیں۔

(ب) جب پہلے سے یہ تجویز ہوا ہے کہ کام بوٹاڈ اور اس کے اطراف میں کرنا ہے تو یہ ایک ہی جگہ قیام نہیں ہوا، رہا اتمام و قصر کا سوال تو اس کا جواب اس پر موقوف ہے کہ مہوا اور بوٹاڈ کے درمیان مسافت سفر ہے یا نہیں؟ نیز بوٹاڈ کے جن اطراف میں کام کرنا ہے وہ مہوا سے کتنی مسافت پر ہیں؟

(ج) ۷۷/۷ کیلومیٹر سے آدمی مسافر بن جاتا ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۱۶ ربیع الآخر ۱۳۱۳ھ

الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

## باب صلاة الجمعة

### قصبہ کے مثل بستی میں جمعہ

سوال: بستی پام رتج (جنوبی افریقہ)

① مقام و تعریف آبادی: پام رتج ایک نئی بستی جو صوبہ ٹرانسوال (جنوبی افریقہ) میں واقع ہے، یہاں کے باشندے تقریباً دو ڈھائی سال سے آباد ہیں کل آبادی تخمیناً ۳۱۷۵ کی ہے۔

جنس:	مسلم	غیر مسلم
آبادی:	۸۴۰	۲۳۳۵
مکانات:	۱۶۵	۴۶۷
کل تعداد:	۳۱۷۵	۶۳۵

② سرکاری نظام و دفتر: کل انتظامات بستی کے متعلق دو دفاتروں سے ہوتا ہے، مثلاً: زمین یا مکان کی خرید و فروخت، بجلی و پانی و ٹیکس کی ادائیگی، فریاد (متعلق بستی) وغیرہ۔

③ حفاظت و امن: ایک پولیس اسٹیشن ہے؛ نیز بستی والوں کی حفاظت و امن کے لیے فوجی گاڑی مع پولیس ۲۴ گھنٹہ بستی میں گشت کرتے ہیں۔

④ ڈاکخانہ: فی الحال کوئی خاص مکان نہیں ہے ڈاک خانہ کے لیے، لیکن حکومت کی طرف سے ایک گاڑی (Mobile Vehicle) روزانہ آتی ہے، اور باقاعدہ سب کچھ دستیاب ہوتا ہے، جو اور ڈاک خانوں سے ملتا ہے، ڈاک (postman)

ہر مکان تک ڈاک پہنچاتا ہے، تقریباً ہر گھر میں ٹیلیفون موجود ہے۔

⑤ صحت و علاج: ایک سرکاری دوا خانہ موجود ہے، جہاں سے دوا، انجکشن وغیرہ مفت میں حاصل ہو سکتا ہے، خود سرکاری متعینہ ڈاکٹر حاضر ہے، اور نرس (Nurse) بھی، دو انفرادی (Private) ڈاکٹر اپنے اپنے دوا خانوں میں مریضوں کا علاج کرتے ہیں بعوض فیس (Fee)۔

⑥ صلوٰۃ: ایک جماعت خانہ میں پنج وقت کی نماز ہوتی ہے بالجماعت، عنقریب مسجد کی تعمیر ہو جائے گی۔

④ سرکاری اسکول، دینی مدرسہ، سرکاری کتب خانہ عام لوگوں کے واسطے۔

⑧ متفرقات: باقاعدہ دوکان جہاں پر سب ضروری اشیاء ہوتی ہیں، مثلاً: دودھ، تیل، آٹا، مرچ و انار، بسکٹ، روٹی، مٹھائیاں و چاکلیٹ وغیرہ وغیرہ، پانچ مکان بصورت دوکان جہاں ضروریات دستیاب ہوتی ہیں، مرغیاں و گوشت مل سکتا ہے، پھل و سبزیاں ملتی ہیں، دودھ، دہی، ہر گھرتک سواری کے ذریعہ سے (Delivered) پہنچتا ہے، دودرزی جو مردوں کے کرتے، پانجامہ، ٹوپی اور زنانہ لباس و کپڑے بناتے ہیں، گویا اسلامی لباس حاصل ہو سکتا ہے، کاریگر و ہنرداں فن دار، وکیل وغیرہ موجود ہیں۔

الجواب: حامداً و مصلياً و مسلماً

حنفیہ کے نزدیک جمعہ کے لیے شہر یا قصبہ یا بڑا گاؤں ہونا شرط ہے، بڑا گاؤں وہ ہے جس میں گلی کوچے ہوں، بازار ہوں، روزمرہ کی ضروریات ملتی ہوں۔

و دشرط لصحتها الخ عن ابى حنيفة إنه بلدة كبيرة فيها سلك

و أسواق ولها رساتيق وفيها وال يقدر على انصاف المظلوم من الظالم بحشمته وعلمه أو علم غيره يرجع الناس إليه فيما يقع من الحوادث وهذا هو الاصح (شای) وتقع فرضاً في القصبات والقرى الكبيرة التي فيها أسواق (شای)

جو بستی ایسی نہ ہو بلکہ چھوٹی ہو وہ چھوٹا گاؤں ہے، وہاں جمعہ درست نہیں۔

وفيما ذكرنا اشارة الى انه لا تجوز في الصغيرة الخ (شای)

آپ نے سوال میں جو تفصیل تحریر فرمائی ہے، اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ یہ بستی اپنے پھیلاؤ اور ضروریات کے اعتبار سے قصبہ کے مثل ہے، اس لیے اس میں جمعہ پڑھا جائے، بہتر یہ ہے کہ کسی عالم فقیہ کو بلا کر اس کا معائنہ کرا دیا جائے، وہاں کے حالات کا مشاہدہ فرما کر جو کچھ وہ تجویز کریں اس پر عمل کیا جائے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۲۰ / ذوالحجۃ الحرام ۱۳۵۷ھ

## گاؤں میں جمعہ

**سوال:** چوں کہ ہم برادران ملت مسلمین واگب، تحصیل: سوپور، ضلع: بارہ مولہ، کشمیر جو کہ پندرہ سو (۱۵۰۰) افراد پر مشتمل ہے، ہمارے گاؤں میں تین مساجد ہیں، ہمارے گاؤں میں ایک گورنمنٹ ہائی پرائمری اسکول، اور گرلز پرائمری اسکول، ایک فیملی پلاننگ سنٹر، ایک دیرینہ خستہ حال پنچایت گھر واقع ہے، اس کے علاوہ ضروریات زندگی کے آٹھ دکان ہیں، اور ایک کوآپریٹو دکان بھی ہے، ہمارے گاؤں میں مندرجہ ذیل طبقوں کے لوگ آباد ہیں، مثلاً: نان بانی، کمہار، موچی، درزی، حجام، آش پز لوگ بستے ہیں، مزید اس کے ایک آہنگر بھی اپنا کام کاج چلا رہا ہے؛ لیکن

گاؤں ہذا کا اصلی باشندہ نہیں ہے، اور مثالی کوٹائی کی دو مشینیں، اور ہندسا بھی واقع ہے، ہمارے گاؤں میں چارٹر کیوں، آٹھ ٹانگہ، اور چند ریڑا بھی کام کر رہے ہیں۔ اس کے برعکس مندرجہ ذیل ضروریات زندگی میسر نہیں ہیں، مثلاً: قصائی کی کوئی دکان نہیں، علاج کا کوئی بندوبست نہیں ہے، بیت الخلاء کا کوئی خاطر خواہ انتظام نہیں ہے، سواری کے لیے ٹانگہ مشکل سے ملتا ہے، سواری گاؤں کا کوئی انتظام نہیں ہے، موسم سرما میں سبزی کا پورا انتظام نہیں ہے، اور کوئی شیر گوجری یعنی دودھ بکنے والا بھی نہیں ہے، دھوبی، نجار، گلکار، سوتھار، ہانچی لوگ غرض بہت سے قسم کے کاریگر یہاں موجود نہیں ہیں۔

اس کے برعکس قصبہ سوپور جہاں نماز جمعہ و عیدین بڑی کثرت سے پڑھی جاتی ہے، گاؤں ہذا سے قصبہ سوپور تقریباً تین کلومیٹر کی دوری پر واقع ہے، جب کہ ہم قصبہ سوپور کی اذان صرف صبح و شام مائیکروفون (لاؤڈ اسپیکر) کے ذریعہ سن سکتے ہیں۔ چوں کہ ہم دو علمائے دین کے فتاویٰ سے چھ سال سے گاؤں ہذا میں نماز جمعہ اور نماز عیدین پڑھتے ہیں، جب کہ ان علمائے دین میں سے ایک نے چھ سال کے بعد نماز عیدین پڑھنے سے روکا، ان کا کہنا ہے کہ آپ نماز جمعہ گاؤں ہذا میں پڑھ سکتے ہیں لیکن نماز عیدین قصبہ سوپور میں ادا کرنی لازمی ہے، ان کی دلیل یہ ہے کہ آپ سوپور کی اذان بذریعہ مائیکروفون سن سکتے ہیں، اس لیے آپ پر لازم ہے کہ آپ نماز عیدین سوپور کے عید گاہ میں پڑھیں، اور نماز جمعہ گاؤں ہذا میں ہی پڑھا کریں جب کہ چھ سال قبل انھوں نے ایسا نہ کہا۔

چوں کہ اب ہماری اپنی برادری میں اختلاف پیدا ہو گیا ہے، کیوں کہ کچھ

علمائے دین اس فتویٰ پر راضی نہیں ہیں، ان کی دلیل یہ ہے کہ گاؤں کی کل آبادی دو ہزار افراد لازمی ہے، اور ضروریات زندگی کی تمام چیزیں میسر ہونی لازمی ہے، اب ہماری برادری میں اختلاف ہوا، آدھے لوگ گاؤں ہذا میں نماز جمعہ اور عیدین ادا کرتے ہیں، اور بعض لوگ سو پور نماز جمعہ پڑھنے جاتے ہیں۔

اب عرض ہے کہ ہم نے اپنی برادری میں یہ فیصلہ لیا ہے کہ ہم علمائے دیوبند کی طرف رجوع کریں، اب آپ صاحبان کی خدمت میں عرض ہے کہ قرآن وحدیث، حنفیہ مسلک کے مطابق فتویٰ دے کر گاؤں ہذا کے اختلافات دور کر کے مشکور فرمائیں۔

(الجواب) : حامداً ومصلياً ومسلماً

حنفیہ کے نزدیک جمعہ کے لیے شہر یا قصبہ یا بڑا گاؤں ہونا ضروری ہے، بڑا گاؤں وہ ہے جو اپنی ضروریات روزمرہ: ڈاکخانہ، شفاخانہ، مدرسہ، بازار وغیرہ کے لحاظ سے قصبہ کے مثل ہو، اور تین چار ہزار کی آبادی ہو، جو گاؤں ایسا نہیں ہے وہاں جمعہ جائز نہیں؛ بلکہ روزانہ کی طرح جمعہ کے روز بھی ظہر کی نماز پڑھی جائے، آپ کے گاؤں کے حالات کی تفصیل پڑھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ بڑا گاؤں نہیں ہے، پھر بھی بہتر یہ ہے کہ کسی ایسے عالم وفقیہ کو جس پر سب کا اعتماد ہو بلا کر اس بستی کا معائنہ کر دیا جائے، وہاں کے حالات دیکھ کر جو کچھ وہ تجویز کریں اس پر عمل کیا جائے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۲۰/ شوال ۱۲۰۷ھ

## چھوٹی بستی میں جمعہ

(سوال) : واپی شہر سے تقریباً ۳۳ کلومیٹر دوری پر ایک جگہ ”بلیٹھا“ نام سے ہے،



وہاں تقریباً ۷۰، ۸۰ گھر مسلمانوں کے ہیں، جمعہ کی نماز کے لیے اطراف میں کوئی مسجد نہیں ہے علاوہ واپی کے، جو تقریباً ۳۳ کلومیٹر دور ہے۔ دریافت طلب امر یہ ہے کہ وہاں جمعہ کی نماز قائم کر سکتے ہیں یا نہیں؟ وہاں ایک چھوٹی سی مسجد ہے جہاں پانچوں وقت کی نماز باضابطہ وقت کے مطابق ہوتی ہے۔

**الجواب:** حامداً ومصلياً ومسلماً

حنفیہ کے نزدیک جمعہ کے لیے شہر یا قصبہ یا بڑا گاؤں ہونا شرط ہے۔ بڑا گاؤں وہ ہے جس میں گلی کوچے ہوں، بازار ہوں، روزمرہ کی ضروریات ملتی ہوں، تین چار ہزار کی آبادی ہو؛ اور جو بستی ایسی نہ ہو بلکہ چھوٹی ہو وہ چھوٹا گاؤں ہے، وہاں جمعہ درست نہیں۔ آپ نے جس بستی کے متعلق دریافت کیا ہے اس پر اس کو منطبق کر کے دیکھ لیا جائے۔ (ماخوذ از فتاویٰ محمودیہ ۳۰۱/۲) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۴ جمادی الاخریٰ ۱۴۱۹ھ

الجواب صحیح: عباس داود بسم اللہ

## بڑا گاؤں کسے کہتے ہیں؟

**سوال:** ہماری بستی جس میں مردم شماری تین ہزار ہے، جس میں چائے، ناشتہ وغیرہ کی چند ہوٹلیں ہیں، دکانیں ہیں، ہفتہ میں ایک دن کپڑے، مسالہ جات اور چپل وغیرہ کی دکانیں لگتی ہیں، خانگی دواخانہ ہے، گوشت، ترکاری اور دوسری ضروریات زندگی کے سامان باسانی میسر آجاتے ہیں، کیا اس بستی میں جمعہ وعید کی نماز پڑھنا جائز ہے یا نہیں؟

فتاویٰ دارالعلوم دیوبند میں دو ہزار افراد پر مشتمل آبادی کو (قریہ کبیرہ) بڑی بستی شمار کر کے اس میں جمعہ کی نماز کو جائز قرار دیا ہے، اس فتویٰ کو سامنے رکھ کر ہر اس بستی میں جس کی مردم شماری دو ہزار ہو اس میں جمعہ پڑھنا جائز سمجھا جائے گا؟ اس زمانہ میں ایسی بستیتوں سے تقریباً ضروریات زندگی میسر آ ہی جاتی ہیں، تفصیل سے جواب مرحمت فرما کر ممنون و مشکور فرمائیں۔

**الجواب:** حامداً ومصلياً ومسلماً

فتاویٰ محمودیہ میں ایک سوال جواب ہے ملاحظہ ہو:

سوال: ایک موضع جس کی کل آبادی تقریباً سوادو ہزار یا کچھ زائد ہے، ایک چھوٹا بازار لگتا ہے، ڈاک خانہ بھی ہے، ضروریات کی چیزیں بھی اکثر مل جاتی ہیں، یہاں جمعہ پڑھنا درست ہے یا نہیں؟

الجواب: جمعہ کے لیے حنفیہ کے نزدیک شہر یا بڑا قصبہ ہونا ضروری ہے، چھوٹے گاؤں میں جمعہ درست نہیں، بڑا گاؤں وہ ہے جس میں گلی کوچے ہوں، اپنے پھیلاؤ اور ضروریات کے اعتبار سے قصبہ کے مثل ہو، تین، چار ہزار کی آبادی ہو۔ فقط

(فتاویٰ محمودیہ ۲/۳۰۴)

معلوم ہوا کہ مدار آبادی کی تعداد پر نہیں؛ بلکہ اس پر ہے کہ اس میں شہر یا قصبہ کی شان نمایاں ہو، آپ کی بستی بھی اس معیار پر اترتی ہے تو وہاں جمعہ اور عید درست ہے؛ ورنہ نہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: احمد عفی عنہ خانپوری، ۱۰/۱۱/۱۳۱۷ھ

الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

## ایک گاؤں میں نماز جمعہ کے وجوب کی تفصیل و تحقیق

**سوال:** ہمارے یہاں ایک بڑا دیہات ہے، اس میں مسلم وغیر مسلم ملا کر کل آبادی تقریباً دس ہزار کی ہے اس گاؤں میں پرائمری اسکول اور ہائی اسکول بھی ہے ڈاکٹر اور بڑا سرکاری ہسپتال بھی ہے، سنار حلوائی، کپڑے کی اور جوتوں کی دوکانیں بھی ہیں اور ڈاک خانہ بھی ہے اور تقریباً چالیس پچاس دوکانیں متصل ہیں روزمرہ کی تمام ضروری چیزیں ہر وقت مل جاتی ہیں، یہ گاؤں اطراف کی بستیوں کے لیے مرکزی حیثیت رکھتا ہے اور یہ گاؤں سرکاری ریکارڈ میں بڑا گاؤں شمار ہوتا ہے، پولس تھانہ البتہ اس میں نہیں ہے نیز عرف میں یہ قریب کبیرہ تو ہے ہی لیکن اگر قصبہ کہا جائے تو بے جا نہ ہوگا، دور دراز سفر کے لیے سواری وغیرہ کی سہولیات بھی میسر ہیں تو اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ کیا اس بڑے گاؤں میں جمعہ واجب ہے یا نہیں؟

**الجواب:** حامداً ومصلياً ومسلماً

(ویشترط لصحتها) سبعة أشياء: الأول: (المصر وهو ما لا يسع أكبر مساجده أهله المكلفين بها) وعليه فتوى أكثر الفقهاء مجتبي لظهور التواني في الأحكام (درمختار) (قوله ويشترط إلخ) قال في النهر: ولها شرائط وجوباً وأداء منها: ما هو في المصلى. ومنها ما هو في غيره والفرق أن الأداء لا يصح بانتفاء شروطه ويصح بانتفاء شروط الوجوب.

(شامی مع الدر ۱/۵۹۰)

(وشرط لافتراضها) تسعة تختص بها (إقامة بمصر) (درمختار)

(قوله: إقامة) خرج به المسافر، وقوله: بمصر أخرج الإقامة في غيره

إلا ما استثنى بقوله فإن كان يسمع النداء ح (شامى ٦٠١/١)  
 (قوله ورجح في البحر إلخ) هو ما استحسنه في البدائع وصحح  
 في مواهب الرحمن قول أبي يوسف بوجوبها على من كان داخل حد  
 الإقامة أي الذي من فارقه يصير مسافرا وإذا وصل إليه يصير مقيما،  
 وعلله في شرحه المسمى بالبرهان بأن وجوبها مختص بأهل المصر والخارج  
 عن هذا الحد ليس أهله. اهـ قلت: وهو ظاهر المتون. وفي المعراج أنه  
 أصح ما قيل. وفي الخانية المقيم في موضع من أطراف المصر إن كان بينه  
 وبين عمران المصر فرجة من مزارع لا جمعة عليه وإن بلغه النداء  
 وتقدير البعد بغلوة أو ميل ليس بشيء هكذا رواه أبو جعفر عن  
 الإمامين وهو اختيار الحلواني وفي التتارخانية ثم ظاهر رواية أصحابنا  
 لا تجب إلا على من يسكن المصر أو ما يتصل به فلا تجب على أهل  
 السواد ولو قريبا وهذا أصح ما قيل فيه اهـ وبه جزم في التجنيس. قال  
 في الإمداد: تنبيه قد علمت بنص الحديث والأثر والروايات عن  
 أئمتنا الثلاثة واختيار المحققين من أهل الترجيح أنه لا عبرة ببلوغ  
 النداء ولا بالغلوة والأميال فلا عليك من مخالفة غيره وإن صحح اهـ  
 أقول: وينبغي تقييد ما في الخانية والتتارخانية بما إذا لم يكن في  
 فناء المصر لما مر أنها تصح إقامتها في الفناء ولو منفصلا بمزارع فإذا  
 صحت في الفناء لأنه ملحق بالمصر يجب على من كان فيه أن يصل إليها  
 لأنه من أهل المصر كما يعلم من تعليل البرهان والله الموفق.

(شامى مع الدر ٦٠٢/١)

أما المصر الجامع فشرط وجوب الجمعة وشرط صحة أدائها عند

أصحابنا حتى لا تجب الجمعة إلا على أهل المصر ومن كان ساكناً في  
توابعه وكذا لا يصح أداء الجمعة إلا في المصر وتوابعه فلا تجب على أهل  
القرى التي ليست من توابع المصر ولا يصح أداء الجمعة فيها (بدائع ۱/۲۵۹)  
سوال میں آپ نے اپنی بستی کے جو حالات و کوائف تحریر فرمائے ہیں ان کے  
پیش نظر وہاں کے رہنے والوں پر حسب شرائط جمعہ واجب ہے اور اس بستی میں جمعہ کی  
نماز درست ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

أما: العبد احمد عفی عنہ خانیوری، ۲۴ صفر ۱۲۳۳ھ

الجواب صحیح: عباس داود بسم اللہ

شرائط جمعہ نہ پائے جانے کے باوجود جمعہ پڑھنا

سوال: کسی گاؤں میں جمعہ اگر پہلے سے چلی آتی ہو، تو کیا ائمہ ثلاثہ کے قول پر  
عموم بلوی کا اعتبار کرتے ہوئے اس کو جائز قرار دیا جائے گا؟ جب کہ شہر میں بھی  
احناف کے جملہ شرائط جو جمعہ کے لیے ہیں آج نہیں پائے جا رہے ہیں؟ نیز یہ بھی  
واضح کریں کہ پڑھی گئی جمعہ کی نماز اگر صحیح نہیں تو کیا بستی والے گنہگار ہوئے؟ اگر  
ہوئے تو کفارہ کیا ہے؟

الجواب: حامداً ومصلياً ومسلماً

جمعہ کے لیے حنفیہ کے نزدیک شہر یا بڑا قصبہ ہونا ضروری ہے، چھوٹے گاؤں  
میں جمعہ درست نہیں۔ (فتاویٰ محمودیہ ۲/۳۰۴)

بغیر شرائط کے جمعہ پڑھنے سے ظہر کی نماز ذمہ سے ساقط نہیں ہوتی۔ (فتاویٰ محمودیہ

۳۱۰۲) لوگوں کو چاہیے کہ ظہر کی قضا کر لیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۲۳ رذوالقعد ۱۳۱۳ھ

## چھوٹے دیہات میں جمعہ کا حکم

**سوال:** مہاراشٹر صوبہ کے امراتی ضلع مورسی تعلقہ میں ایک چھوٹا سا دیہات ہے، اور یہاں پر مسلمانوں کے صرف دس مکان ہیں یہاں پر بازار بھی نہیں بھرتا اور مسلمان میت کا سامان بھی نہیں ملتا؛ کیا ایسی حالت میں یہاں جمعہ کا خطبہ یا عید کا خطبہ ہو سکتا ہے؟

**الجواب:** حامداً ومصلياً ومسلماً

جمعہ کی نماز درست ہونے کے لیے احناف کے نزدیک شہر یا قصبہ یا بڑا گاؤں ہونا چاہیے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۲۵ ربیع الآخر ۱۳۱۳ھ

الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

## جیل خانہ میں نماز جمعہ

**سوال:** آنجناب کا مرسل نامہ جیل میں جمعہ پڑھنے کے متعلق دستیاب ہوا، جس میں آپ نے لکھا تھا کہ انتظام ہونے کی وجہ سے جمعہ ہی پڑھیں، اور استدلال میں فتاویٰ محمودیہ (۱۶/۴۰۴ ملخصاً) کا حوالہ دیا گیا؛ لیکن عبارت نقل نہیں کی گئی ہے جس کی وجہ سے جواب تشفی بخش معلوم نہیں ہوا، نیز چوں کہ فتاویٰ رحیمیہ جلد ۳/۵۳ پر عبارت درج ذیل ہے:

”اپنے شہر کے جیل خانہ میں جو قید ہیں ان پر جمعہ کی نماز لازم نہیں؛ کیوں کہ جیل خانہ میں جانے کی عام اجازت نہیں الخ“ اس عبارت سے پتہ چلتا ہے کہ جیل خانہ میں جمعہ نہیں ہے، جس کی وجہ سے بعض لوگ ظہر کی نماز پڑھتے ہیں اور بعض لوگ جمعہ ہی کی نماز عرصہ دراز سے پڑھتے چلے آئے ہیں اور احتیاطاً جمعہ پڑھنے والے لوگ ظہر بھی علیحدہ علیحدہ پڑھ لیا کرتے ہیں، اب اس میں کوئی صورت درست ہے؟ کتب فقہ کی عبارت دیکھ کر واضح فرمائیں، چونکہ شدید اختلاف ہو رہا ہے، جمعہ نہ پڑھنے والوں پر طعن و تشنیع ہو رہی ہے؛ نیز آپ کو معلوم ہو کہ وہ وارڈ یا ہال جس میں جمعہ ہوتی ہے وہ صرف جمعہ کے دن نماز جمعہ ہی پڑھنے کے لیے کھولا جاتا ہے اور نگرانی میں پولس موجود ہوتی ہے، جمعہ کی نماز کے بعد تالا لگ جاتا ہے اور بقیہ بیخ وقتہ نماز اپنے اپنے وارڈ میں بعض لوگ چند ساتھی مل کر جماعت کے ساتھ اور بعض علیحدہ علیحدہ ہی پڑھتے ہیں۔

**الجواب:** حامداً ومصلياً ومسلماً

نماز جمعہ کے صحیح ہونے کی شرائط میں سے ایک شرط اذن عام بھی ہے، جس کا حاصل یہ ہے کہ جس جگہ نماز جمعہ ادا کی جا رہی ہو وہاں پر کسی ایسے آدمی کو جو نماز جمعہ ادا کرنے کے لیے آنا چاہتا ہے آنے سے روکا نہ جائے؛ تاکہ جس پر نماز جمعہ واجب ہے اس کے لیے یہ ممانعت مفوت جمعہ نہ بنے، اسی اذن عام والی شرط کی جہاں پر فقہاء نے تشریح و تفصیل فرمائی ہے، وہاں پر ایک مثال لکھی ہے کہ اگر حاکم وقت قلعہ میں نماز جمعہ پڑھا رہا ہے قلعہ کا دروازہ آنے والوں کے لیے بند رکھا ہے تو یہ نماز جمعہ درست نہیں؛ اس لیے کہ حاکم وقت خود جمعہ کی نماز قائم کر رہا ہے تو دوسرے کو اس کی

اجازت نہ ہوگی، اس صورت میں دوسری جگہ جمعہ قائم نہیں ہو رہا ہے اور قلعہ جہاں جمعہ قائم ہو رہا ہے وہاں پر سب کو آنے کی اجازت نہیں ہے، جس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ بہت سے وہ لوگ جن پر جمعہ واجب ہو چکا ہے قلعہ میں جانے کی ممانعت کی وجہ سے جمعہ کی نماز سے محروم رہیں گے جو درست نہیں، اس لیے اگر قلعہ کا دروازہ جمعہ کی نماز کے وقت بند نہیں رکھا جاتا یا بند تو رکھا جاتا ہے لیکن اس کا مقصد جمعہ کی نماز سے روکنا نہیں ہے؛ بلکہ دشمن کے اچانک گھس آنے سے حفاظت ہے یا اور جگہوں پر جمعہ قائم کیا جا رہا ہے تو اس صورت میں قلعہ کے دروازہ کو بند رکھنا دوسرے لوگوں کے حق میں مفوت جمعہ نہیں ہے، اس لیے جمعہ کی نماز درست ہوگی۔

در مختار میں ہے:

والسابع: الاذن العام من الإمام وهو يحصل بفتح أبواب الجامع للواردین (کافی) فلا یضر غلق باب القلعة لعدو أو عادة قديمة؛ لأن الإذن العام مقرر لأهله وغلقه لمنع العدو لا المصلی، نعم لو لم یغلق لکان أحسن كما فی مجمع الانهر معزیالشرح عیون المذاهب قال: وهذا أولى مما فی البحر والمنح فلیحفظ (فلو دخل أمير حصنا) أو قصره (واغلق بابہ) وصلی بأصحابه (لم تنعقد) ولو فتحه وأذن للناس بالدخول جاز. (در مختار)

علامہ شامی فرماتے ہیں:

قوله (أو قصره) كذا في الزيلعي والدرر وغيرهما، وذكر الواني في حاشية الدرر: ان المناسب للسياق أو مصره "بالميم بدل القاف" قلت: ولا يخفى بعده عن السياق وفي الكافي التعبير بالدار حيث قال: والاذن



العام وهو أن تفتح أبواب الجامع يؤذن للناس حتى لو اجتمعت جماعة في الجامع واغلقوا الأبواب، وجمعوا لم يجز، وكذا السلطان إذا أراد أن يصلح بجشمه في داره فإن فتح بابها وأذن للناس إذا ما جازت صلاته شهدتها العامة أولاً، وإن لم يفتح أبواب الدار واغلق الأبواب واجلس البوابين ليمنعوا عن الدخول لم تجز؛ لأن اشتراط السلطان للتحرز عن تفويتها على الناس وذا لا يحصل إلا باذن العام، قلت: وينبغي أن يكون محل النزاع ما إذا كانت لا تقام إلا في محل واحد أما لو تعددت فلا لأنه لا يتحقق التفويت كما افاده التعليل تامل (شای ۶۰۲/۱)

جیل خانہ یا قلعہ اور اس جیسی سرکاری جگہوں میں جمعہ کے درست ہونے نہ ہونے کے سلسلہ میں ہمارے اکابر کے فتاویٰ مختلف ہیں، وجہ اس کی ظاہر ہے کہ وہاں پر ہر ایک کو جانے کی اجازت نہیں ہوتی، جن اکابر (حضرت مفتی سید عبدالرحیم صاحب دامت برکاتہم) نے وہاں جمعہ کی نماز صحیح نہ ہونے کا جوفتویٰ (فتاویٰ رحیمیہ ۵۹/۳) تحریر فرمایا ہے اس کی وجہ یہی ہے کہ اذن عام - جو صحت جمعہ کے شرائط میں سے ہے - موجود نہیں، اور جن اکابر نے: حضرت تھانویؒ نے امداد الفتاویٰ جدید (۱/۶۱۳) میں اور حضرت مولانا مفتی عزیز الرحمن عثمانیؒ نے فتاویٰ دارالعلوم مکمل و مدلل (۵/۱۰۴ تا ۱۰۷) میں اور حضرت فقیہ الامتؒ نے فتاویٰ محمودیہ (۱۶/۴۰۴) میں ایسی جگہوں پر جمعہ کے درست ہونے کا فتویٰ دیا ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ وہاں پر ہر ایک کو جانے کی اجازت نہ ہونا نماز جمعہ سے روکنے کے لیے نہیں؛ بلکہ قانونی تحفظ کے پیش نظر ہے، اس لیے یہ ممانعت اذن عام کے منافی نہیں خصوصاً جب کہ شہر میں دوسری جگہوں پر جمعہ قائم ہوتا ہے۔

آپ کی تسلی و تشفی کے لیے مندرجہ بالا تفصیل لکھی گئی، آپ تحریر فرماتے ہیں کہ ”چوں کہ شدید اختلاف ہو رہا ہے جمعہ نہ پڑھنے والوں پر طعن و تشنیع ہو رہی ہے“ یہ بات کوفت کا باعث ہے، جیل خانہ میں رہ کر بھی یہ رویہ اور طرز عمل لائق مذمت ہے، چوں کہ دونوں طرف اکابر کے فتاویٰ موجود ہیں: اس لیے کوئی ایک فریق دوسرے پر نہ تو طعن و تشنیع کرے، نہ اس کو برا سمجھے۔ جمعہ پڑھنے والے جمعہ کی نماز پڑھنے کے ساتھ احتیاطاً ظہر بھی علیحدہ علیحدہ پڑھ لیا کرتے ہیں وہ کس بنیاد پر نہ پڑھنے والوں پر طعن و تشنیع کرتے ہیں، اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا کہ جس ہال یا وارڈ میں نماز جمعہ پڑھی جاتی ہے وہ صرف نماز جمعہ کے لیے کھولا جاتا ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

املاء: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۸ رجب ۱۴۲۲ھ

الجواب صحیح: عباس داود بسم اللہ

## زوال سے پہلے اذان جمعہ

**سوال:** شہر بیجاپور کی اکثر مساجد میں بروز جمعہ اذان کا یہ معمول ہے کہ بارہ مہینے ٹھیک ساڑھے بارہ بجے دی جاتی ہے، چاہے زوال آفتاب کسی بھی وقت ہو، تو کیا اس طرح اذان دینا درست ہے؟ اگر اذان زوال سے پہلے دی گئی تو اعادہ ضروری ہے؟

**الجواب:** حامداً ومصلياً ومسلماً

فقہ حنفی کی تمام کتابوں میں جمعہ کے وقت کے سلسلہ میں صراحۃً لکھا ہے کہ وہ زوال، یعنی سورج کے ڈھلنے سے شروع ہوتا ہے، اور اذان کے لیے جو شرائط صحت منقول ہیں، ان میں ایک شرط یہ بھی ہے کہ جس فرض ادا نماز کے لیے اذان دی جائے

اس کے لیے اس نماز کا وقت ہونا بھی شرط ہے، اگر وقت آنے سے پہلے اذان دی گئی تو صحیح نہ ہوگی، وقت آنے پر دوبارہ کہی جائے۔ (منقول از عمدۃ الفقہ ۳۰/۲)

آپ کے شہر بیجا پور میں سال کے بارہ مہینے اذان جمعہ ساڑھے بارہ بجے دینے کا جو معمول ہے، اگر اس وقت زوال ہو کر جمعہ کا وقت شروع ہو جاتا ہے تب تو صحیح ہے، ورنہ وہ اذان درست نہیں، وقت شروع ہونے کے بعد اذان دوبارہ کہی جائے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

## شہر میں جمعہ کی اذان اول پر کاروبار بند کرنے کا مسئلہ

**سوال:** زید کی جس شہر میں ہوٹل ہے، اس شہر میں دو مختلف مسجدوں میں مختلف اوقات میں جمعہ کی نماز ہوتی ہے، زید نے جمعہ کے وقت کاروبار بند کرنے کے بجائے ہوٹل کے آدھے ملازمین کو ایک مسجد میں جہاں ایک بجے جمعہ کی نماز ہوتی تھی نماز پڑھنے کے لیے بھیج دیا، اور جب وہ نماز پڑھ کر آئے تو کاروبار میں لگ گئے، اور بقیہ ملازمین کو دوسری مسجد میں جہاں دو بجے نماز جمعہ ہوتی ہے نماز پڑھنے کے لیے بھیج دیا، تو کیا شرعاً ایسا کرنا درست ہے؟

دوسرا دریافت طلب امر یہ ہے کہ:

(الف) نماز جمعہ کے وقت کاروبار کو جاری رکھتے ہوئے ہر ایک آدمی نماز جمعہ

ادا کر لے یہ شرعاً درست ہے؟

(ب) اگر نماز جمعہ کے وقت کاروبار کو بند کرنا ضروری ہے تو جس شہر میں مختلف

مسجدوں میں مختلف اوقات میں اذان جمعہ ہوتی ہے تو کونسی مسجد کی اذان کے وقت کاروبار بند کرنا ضروری ہوگا؟

**الجواب:** حامداً ومصلياً ومسلماً

جمعہ کی اذان اول کے بعد بیچ و شرا (خرید و فروخت) مکروہ تحریمی ہے، ایسی بیچ سے تو بہ اور اس کا فسخ دینا واجب ہے، قضاء نہیں، بیچ فاسد قضاء بھی واجب الفسخ ہوتی ہے۔ (احسن الفتاویٰ ۳/۱۱۴)

اس لیے (الف) نماز جمعہ کے وقت کاروبار کو جاری رکھتے ہوئے ہر ایک کا جمعہ پڑھ لینا کافی نہیں بلکہ کاروبار کا بند رکھنا ضروری ہے۔

(ب) اس سے متعلق صریح جزیئہ اس لیے نہیں ملتا کہ پہلے زمانہ میں پورے شہر میں صرف ایک ہی جگہ جمعہ ہوتا تھا، لہذا اس کو عام نمازوں کی اذان پر قیاس کیا جائے گا، عام اذان کی اجابت باللسان میں اذان اول کا اعتبار ہے، اور اجابت بالقدم میں اذان محلہ کا اعتبار ہے، اس سے ثابت ہوا کہ وجوب سعی الی الجمعة و کراہیت بیچ میں مسجد محلہ کی اذان معتبر ہے۔ (احسن الفتاویٰ ۳/۱۱۸) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

**جمعہ کے وقت ہوٹل بند رکھنا ضروری ہے**

**سوال:** میری ہوٹل ہائیوے ۸ پر ہے اور واپی سے قریب دو ڈھائی کیلومیٹر ہے، بلیٹھا کر کے ایک دیہات پڑتا ہے اور ایک مسجد بھی ہے، جس میں جمعہ بھی ابھی شروع ہوا ہے، تو کیا جمعہ کے روز ہوٹل جمعہ پڑھنے کے لیے بند کرنا ضروری ہے یا نہیں؟

**الجواب:** حامداً ومصلياً ومسلماً

اگر وہ آبادی ایسی ہو کہ جہاں پر شرعاً جمعہ فرض ہو جاتا ہے، اور آپ کی ہوٹل اس آبادی کے حدود میں واقع ہے تو آپ پر جمعہ واجب ہے، اور اس وقت ہوٹل بند رکھنا بھی ضروری ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

أما: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۲۳/ محرم الحرام ۱۴۲۲ھ  
الجواب صحیح: عباس داود بسم اللہ

## اردو میں خطبہ

**سوال:** خطیب جمعہ کے اول خطبہ میں اللہ کی حمد و ثناء کے بعد اردو میں تقریر کرتا ہے اور اس تقریر میں وعظ نصیحت کرتا ہے، تو ایسا کرنا کیسا ہے؟

**الجواب:** حامداً ومصلياً ومسلماً

اردو میں خطبہ مکروہ تحریمی ہے۔ (فتاویٰ محمودیہ ۲/ ۲۹۵)  
اس موضوع پر مستقل رسائل بھی موجود ہیں اور کتبِ فتاویٰ میں مفصل فتاویٰ بھی، ان کا مطالعہ مفید ہوگا۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

## خطبہ جمعہ میں عربی کے علاوہ دوسری زبان کی ملاوٹ

**سوال:** ① جمعہ کا خطبہ مخلوط طور پر دینا کیسا ہے؟

② بہت سے علاقوں میں آج کل جمعہ کا خطبہ اردو میں دیا جاتا ہے، زمانہ دراز

سے یہ رواج چلا آ رہا ہے، اب اس کو بند کرنا کیسا ہے؟ کیا اس قدیم رواج کو ختم کرنا ضروری ہے یا نہیں؟

**الجواب:** حامداً ومصلياً ومسلماً

① خطبہ کا مسنون اور متواتر طریقہ یہی ہے کہ خالص عربی نثر میں ہو، قرن اول میں بلا و عجم فتح ہوئے اور ان میں تبلیغ و تفہیم کی ضرورت آج سے بہت زیادہ تھی، اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں عجمی زبان جاننے والے بھی موجود تھے، اس کے باوجود کہیں ثابت نہیں کہ عجمی زبان میں خطبہ پڑھا گیا ہو، تفہیم کی ضرورت سے انکار نہیں؛ لیکن طریقہ ماثورہ کی حفاظت بھی ضروری ہے۔ (کفایت المفتی ۳/۲۳۶)

الکراهة إنما هي لمخالفة السنة لأن النبي ﷺ وأصحابه قد خطبوا دائماً بالعربية، ولم ينقل عن أحد منهم أنهم خطبوا خطبة ولو خطبة غير الجمعة بغير العربية (آكام النفاثس ۱۱۹)

الخطبة بالفارسية التي احدثوها واعتقدوا حسنها ليس الباعث إليها إلا عدم فهم العجم اللغة العربية، وهذا الباعث قد كان موجوداً في عصر خير البرية، وإن كان فيه اشتباه فلا اشتباه في عصر الصحابة والتابعين ومن تبعهم من الأئمة المجتهدين حيث فتحت الامصار الشاسعة والديار الواسعة، وأسلم أكثر الحبش والروم والعجم وغيرهم من الاعاجم، وحضروا مجالس الجمع والاعياد وغيرها من شعائر الاسلام، وكان أكثرهم لا يعرفون اللغة العربية ومع ذلك لم يخطب لهم أحد منهم بغير العربية، ولما ثبت وجود الباعث في تلك الأزمنة وفقدان المانع والتكاسل ونحوه معلوم بالقواعد المبرهنة لم يبق إلا الكراهة

التي هي أدنى درجات الضلالة (ايضاً ۱۲۲)

عبارتِ بالا سے معلوم ہوا کہ خطبہ جمعہ میں عربی کے علاوہ دوسری زبان کی ملاوٹ مکروہ ہے۔

② جیسا کہ اوپر معلوم ہو چکا ہے خطبہ جمعہ میں دوسری زبان کی ملاوٹ سنت متوارثہ اور طریقہ مسنونہ کے خلاف ہے، اب اس کو محض اس لیے جاری رہنے دینا کہ زمانہ دراز سے اس کا رواج چلا آ رہا ہے، سنت کے مقابلہ میں رواج کو ترجیح دینا ہوا جو درست نہیں، ہر مسلمان کا فریضہ ہے کہ اس قسم کے رواج کو ختم کر کے اس کی جگہ سنت متوارثہ کو جاری کرنے کی سعی کرے؛ البتہ اس کے لیے حسن تدبیر کے طور پر ضروری ہے کہ لوگوں کی ذہن سازی کے لیے سنت کی برکت و اہمیت اور رواج کی قباحت سے ان کو واقف کیا جائے اور جب یہ بات اچھی طرح ذہن نشین ہو جائے اور اس سے بڑے کسی نقصان کا قوی اندیشہ باقی نہ رہے تب اس پر عمل شروع ہو۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۸ / صفر ۱۸۳۱ھ

الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

## غیر عربی میں خطبہ دینا

سوال: مفتیان کرام کا کیا فرمانا ہے غیر عربی میں جمعہ کا خطبہ دینے کے بارے میں، خصوصاً آج کے دور میں امریکا اور انگلینڈ میں خطبے انگریزی میں دیے جاتے ہیں، بعض مساجد میں عربی خطبے سے قبل انگریزی بیان ہوتا ہے؛ مگر اس کے باوجود وہ یہ چاہتے ہیں کہ خطبہ انگریزی میں ہو، کیا اس کا جواز ہے؟ اور اگر ہے تو کیا دلائل ہیں؟

آپ کو اس کے بارے میں چند فوٹو کاپی بھیج رہا ہوں۔

الجواب: حامداً ومصلياً ومسلماً

تمام خطبہ خالص عربی میں ہی ہونا چاہیے، اردو (انگریزی) میں پڑھنا یا اردو عربی میں پڑھنا بدعت سیئہ اور مکروہ تحریمی ہے، یہی مفتیؒ بہ ہے اور قابل عمل ہے۔ اس کے خلاف کرنا مکروہ تحریمی ہے جو گناہ سے خالی نہیں۔ (فتاویٰ محمودیہ ۱۲۷/۹)

آپ نے جو نقل بھیجی ہیں جہاں آپ نے ان کا مطالعہ کیا، وہیں مندرجہ ذیل مقامات کا بھی مطالعہ فرمائیں:

① فتاویٰ محمودیہ جلد دوم از ص: ۲۷۷ تا ص: ۲۹۹۔ جلد نہم ص: ۱۲۳، ۱۲۴ اور

ص: ۱۲۷ تا ص: ۱۳۰۔ جلد: ۱۱۳ از ص: ۲۶۲ تا ص: ۲۶۶

② حضرت مفتی محمد شفیع صاحب کا رسالہ ”الاعجوبہ فی عربیۃ خطبۃ العروبہ“ جس کا

اردو نام ہے: ”خطبہ جمعہ عربی زبان میں کیوں ہے؟“ یہ رسالہ جواہر الفقہ جلد اول

کے از: ۳۳ تا ص: ۳۷ ہے۔

③ احسن الفتاویٰ جلد چہارم از ص: ۱۵۰ تا ص: ۱۵۴

④ فتاویٰ رحیمیہ جلد اول از ص: ۲۵۹ تا ص: ۲۶۳

⑤ امداد الفتاویٰ جدید جلد اول از ص: ۶۵۴ تا ص: ۶۶۳۔ فقط واللہ تعالیٰ

اعلم۔

العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۲۲/ذی القعدہ ۱۴۲۰ھ

الجواب صحیح: عباس داود۔ بسم اللہ



## اردو میں خطبہ دینا اور مقتدیوں کا اسے نہ سننا

**سوال:** عید کی نماز کے بعد امام عید نے پہلا خطبہ عربی میں پڑھا، بعدہ دوسرا خطبہ بھی عربی میں پڑھا، اور دوسرے خطبہ کا تھوڑا سا حصہ باقی رہ گیا تو امام صاحب نے اردو میں اس کا ترجمہ پڑھنا شروع کیا، ابھی ترجمہ جاری تھا کہ بارش شروع ہو گئی، اور لوگ عید گاہ سے نکل گئے، پھر امام صاحب چند آدمی کے ساتھ خطبہ پڑھتے ہوئے رہ گئے، اور خطبہ پورا کر کے عید گاہ سے نکلے، تو اس مسئلے میں معلوم کرنا ہے کہ نمازیوں نے اردو خطبہ چھوڑ کر عید گاہ سے نکلنے کو اچھا سمجھا، تو کیا مقتدی کو گناہ ہوگا یا امام صاحب کو گناہ ہوگا؟ یا کسی کو گناہ نہیں ہوگا؟ تشریحی بخش جواب عنایت فرمائیں۔

**الجواب:** حامداً ومصلياً ومسلماً

خطبہ محض عربی زبان میں ہونا لازم ہے، اس کا ترجمہ کرنا یا اس کے ساتھ اور کسی زبان میں مستقل وعظ کہنا جائز نہیں۔ (فتاویٰ محمودیہ: ۲/۲۹۲)

خطبہ سننا واجب ہے اور چلا جانا درست نہیں۔ (۲۰۸/۷)

اس لیے امام تو اردو میں خطبہ دینے کی وجہ سے گنہگار ہوگا، اور مقتدی خطبہ چھوڑ کر چلے جانے سے گنہگار ہوئے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، یکم ذوالقعدہ ۱۳۱۳ھ

الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

## دو خطبوں کے درمیان بیٹھنا

**سوال:** جمعہ کے روز دو خطبوں کے درمیان امام صاحب کا بیٹھنا کیسا ہے؟ ایک

عامل سے اس کے متعلق سنا ہے کہ آپ ﷺ خطبہ دے رہے تھے سامنے سے ایک عورت آئی جو بد نظری میں مشہور تھی۔ کہتے ہیں کہ اس کی نظر ایسی تیز تھی کہ اگر کسی کو غور سے دیکھ لیتی تو وہ چیز جل جاتی؛ اس لیے حضرت جبریل نے آپ ﷺ کو بٹھایا تھا۔ یہ بات کہاں تک صحیح ہے؟

**الجواب:** حامداً ومصلياً ومسلماً

جمعہ کے دو خطبوں کے درمیان بیٹھنا سنت ہے۔

و سن الجلوس بين الخطبتين جلسة خفيفة الخ (مراق الفلاح علی

هامش الطحطاوی ۲۸۱)

آپ نے جو قصہ لکھا ہے وہ میرے علم میں نہیں ہے، جو صاحب بتلا رہے ہیں انہیں سے کتاب کا حوالہ طلب کیا جائے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عنی عنہ خا پوری، ۲۰/ ربیع الاول ۱۴۱۳ھ

خطبہ ختم ہونے سے پہلے کھڑے ہونے والوں کو بٹھا دینا

**سوال:** خطیب کے خطبہ ختم کرنے سے پہلے لوگوں کا کھڑا ہو جانا، اور کیا اس

بات کا امام کو حق ہے کہ وہ کھڑے ہونے والے لوگوں کو بٹھائے؟ اور شریعت میں اس کے متعلق کوئی نکیر موجود ہے؟

**الجواب:** حامداً ومصلياً ومسلماً

جب تک خطبہ ختم نہ ہو جائے وہاں تک اٹھنا درست نہیں ہے۔

وفي شرح الزاهدي: يكره لمستمع الخطبة ما يكره في الصلوة من

اکل، و شرب، و عبث، و التفات، و نحو ذلك اه وفي الخلاصة: كل ما حرم في الصلوة حرم حال الخطبة؛ ولو أمراً بمعروف، وفي السيد: استماع الخطبة من أولها إلى آخرها واجب (طحطاوي علی مراقی الفلاح ۴۸۲)  
 امام ایسے لوگوں کو بٹھا سکتا ہے؛ بلکہ اس کو چاہیے کہ بٹھائے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔  
 کتبۃ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

## خطبہ جمعہ میں بناتِ مکر مات رضی اللہ عنہن کا ذکر مبارک

**سوال:** خطبہ جمعہ میں کوئی خطیب حضور ﷺ کی چاروں بیٹیوں کا نام بالترتیب لے، تو کیا اس طرح کا خطبہ پڑھنا بدعت ہے یا نہیں؟ پڑھ سکتے ہیں یا نہیں؟ دلائل کی وضاحت کے ساتھ جواب مطلوب ہے، عین کرم ہوگا۔

### الجواب:

ہر زمانہ میں خطبہ کے مضمون کی ترتیب میں اسلام میں پیدا ہونے والے فتنوں سے مسلک اہل سنت و الجماعت کی حفاظت کا اہتمام کیا گیا ہے؛ چنانچہ حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے اسماء مبارکہ اور ان کے لیے دعا اور ان کے مناقب خطبہ میں لانے سے روافض و خوارج پر تردید اور مسلک اہل سنت کا اعلان مقصود ہے، سابق زمانوں میں جو فتنے تھے ان کی تردید کے لیے انہی صحابہ کا ذکر کافی تھا، جو مطبوعہ خطبوں میں مذکور ہیں، (دورِ حاضر کے) روافض کو حضرت فاطمہ کے سوا دوسری بناتِ مکر مات رضی اللہ عنہن سے بھی بغض ہے، اس لیے ان پر تردید کے پیش نظر خطبہ میں بناتِ مکر مات رضی اللہ عنہن کے مناقب و فضائل کا ذکر اور ان کے لیے دعاءِ ترضی کا معمول بنانا چاہیے، اس سے

اکابر کے مسلک سے انحراف لازم نہیں آتا؛ بلکہ ان کے مسلک کی تائید ہوتی ہے، اس لیے کہ ان کے خطبات جس نظریہ پر مبنی ہیں ان میں یہ اضافہ بھی اسی نظریہ کے تحت کیا گیا ہے۔ (حسن الفتاویٰ ۳/ ۱۳۶ بحذف و تفسیر سیر) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۱۷/ رجب الثانی ۱۳۰۹ھ  
الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

## خطبہ کے وقت عصا لینا مستحب ہے

**سوال:** جمعہ اور عیدین میں خطبہ پڑھتے وقت امام کا عصا ہاتھ میں لینا کیا ضروری نہیں ہے؟

**الجواب:** حامداً ومصلياً ومسلماً  
مستحب ہے، ضروری نہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

## خطبہ جمعہ عربی میں ضروری ہے

**سوال:** جمعہ کا خطبہ کونسی زبان میں ہونا چاہیے؟ کیا انگریزی زبان میں خطبہ دیا جاسکتا ہے؟ (جب کہ عربی زبان میں کوئی خطبہ سمجھتا نہیں) اگر نہیں تو کیا وجہ ہے؟  
حالاں کہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک شروع فی الصلاة کے لیے تکبیر تحریمہ عربی میں کہنا شرط نہیں اور خطبہ بھی عربی میں شرط نہیں، علماء کے اقوال سے مفتیان عظام نے اس کو واجب قرار دیا ہے، بظاہر تو امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ بھی غیر عربی میں خطبہ کی اجازت دے رہے ہیں۔

نوٹ: جس جگہ یہ خطبہ انگریزی میں ہو رہا ہے وہ تو بڑی سختی سے امام صاحب کی دلیل پکڑتے ہیں، اور یہ لوگ علما کے اقوال کو قبول کرنے کے لیے تیار نہیں، مفصل بیان کیجیے۔

**الجواب:** حامداً ومصلياً ومسلماً

خطبہ جمعہ کے عربی زبان میں ضروری ہونے پر حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا رسالہ بنام ”الاعجوبة في عربية خطبة العروبة“ موجود ہے جو جوہر الفقہ جلد اول میں ہے، اس کا مطالعہ فرمائیں۔

تکبیر تحریر عربی میں کہنے کو امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ بھی واجب فرماتے ہیں اور غیر عربی زبان میں تکبیر تحریر کو مکروہ تحریمی قرار دیا ہے۔ درمختار میں ہے ”مع کراهة التحريم“ شامی میں اس کی وضاحت کے ذیل میں اس کی تصریح موجود ہے۔ (در

مختار شامی ۱/۳۵۶، ۳۵۷)

یہ علماء کا قول نہیں؛ بلکہ امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا مسلک بیان کیا گیا ہے، دراصل وہ لوگ حنفیہ کے یہاں واجب سے کیا مراد ہے؟ یہ نہیں سمجھتے، کیا جو چیز مکروہ تحریمی ہو اس کو اجازت سے تعبیر کرنا درست ہے؟۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد غنی عنہ خانپوری

**خطبہ کے وقت پنکھا جھلوانا**

**سوال:** جمعہ کے خطبہ کے دوران خطبہ سنتے ہوئے دیہاتی پنکھا ہاتھوں سے

ڈال سکتے ہیں یا نہیں؟

**الجواب:** حامداً ومصلياً ومسلماً

نہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عنی عنہ خانپوری

## خطبہ میں آیت درود کو درود شریف کے ساتھ ملانا

**سوال:** ہمارے یہاں آیت درود کے وقت درود (جمعہ کے خطبہ میں) زور

سے پڑھتے تھے، تو میں نے یہ طریقہ اختیار کیا کہ آیت درود کو درود سے ملا کر پڑھنے لگا جیسے: یا ایہا الذین آمنوا صلوا علیہ وسلموا تسلیماً اللہم صل وسلم الخ پڑھنا شروع کیا، اب جن کو موقع نہ ملا وہ لوگ مجھ سے کہنے لگے کہ امام صاحب آپ آیت پر رکتے نہیں ہو، اب پوچھنا یہ ہے کہ مذکورہ آیت کے ساتھ درود کو ملانے میں کوئی قباحت ہے یا نہیں؟

**الجواب:** حامداً ومصلياً ومسلماً

اس طرح آیت کا وصل درود شریف کے ساتھ جائز اور درست ہے، اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عنی عنہ خانپوری

## خطیب کا ”تعال“ پڑھنا لحن فاحش ہے

**سوال:** ایک خطیب صاحب جمعہ کے پہلے خطبہ میں جب ”وقال اللہ تبارک

وتعالیٰ“ پڑھ کر آیت پڑھتا ہے تو وہ ”وقال اللہ تبارک وتعالیٰ“ یا ئے مقصورہ کو

حذف کر کے ”وقال الله تبارك وتعال“ پڑھتا ہے تو یہ صحیح ہے؟

**الجواب:** حامداً ومصلياً ومسلماً

اس خطیب کا ”تعال“ پڑھنا لحن فاحش ہے، ان کو اس پر متنبہ فرما کر آئندہ اصلاح کر دی جائے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۹/ ذی الحجۃ الحرام ۱۴۱۶ھ

**خطیب کی شکل دیکھنے کے لیے ٹی وی اسکرین مسجد میں لگانا**

**سوال:** برطانیہ کی اکثر مساجد چھوٹی ہیں، ان کا جماعت خانہ جہاں روزانہ پانچ وقت کی نماز ادا ہوتی ہے، جمعہ، عیدین کے خطبے پڑھے جاتے ہیں، وہ جماعت خانہ نمازیوں سے بھر جاتا ہے اور پھر دوسرے نمازی برابر کے ہال یا پھر اوپر کی منزل میں نماز ادا کرتے ہیں، جمعہ، عیدین کا خطبہ پڑھا جاتا ہے یا اس سے پہلے جو بیان دیا جاتا ہے، تو برابر میں دوسرے ہال میں صرف خطیب کی آواز سنائی دیتی ہے اور خطیب نظر نہیں آتے، تو کچھ مسجدوں میں ٹی وی اسکرین لگایا جاتا ہے، اس کے لیے جماعت خانہ میں منبر کے سامنے کیمرہ لگایا جاتا ہے، جمعہ، عیدین کے خطبے کے وقت کیمرہ کھول (ON) دیا جاتا ہے، جس کی وجہ سے دوسرے ہال والے نمازی خطیب کو خطبہ دیتے یا بیان کرتے دکھائی دیتے ہیں، مسجد کے انتظامیہ کا کہنا ہے:

① جمعہ، عیدین کے خطیب کے علاوہ کوئی قراءت یا وعظ کی مجلس ہوتی ہے، تو کیمرہ کھول دیا جاتا ہے؛ تاکہ دوسرے ہال والے خطیب، قاری، عالم، واعظ وغیرہ کو دیکھ سکیں۔

۲) امام صاحب (خطیب) نماز، وضوء وغیرہ کے طریقے عملی (کر کے) دکھاتے ہیں، وہ دوسرے ہال والے دیکھ سکیں۔

۳) مسجد میں جو ٹی وی اسکرین لگائی گئی ہے، وہ مسجد کے (فنڈ) پیسوں سے خریدی نہیں گئی؛ بلکہ کسی نمازی بھائی نے مسجد کو بخشش کیا ہے، خطبہ کے بعد کیمرا بند کر دیا جاتا ہے، کبھی کبھی بھول بھی جاتے ہیں۔

سوال ①: کیا مسجد میں ٹی وی اسکرین لگانا شرعاً جائز ہے؟

۲) جمعہ، عیدین کے خطبے کے درمیان دوسرے ہال والے نمازیوں کو خطیب صاحب کی شکل دیکھنا ضروری ہے؟

۳) دورانِ خطبہ ٹی وی اسکرین پر فوٹو (تصویر) نظر آتا ہے، تو اس دوسرے ہال میں رحمت کے فرشتے آتے ہیں؟

۴) جس وقت کیمرا کھلا ہوتا ہے، اس وقت نمازی اپنی انفرادی نماز ادا کرے اس کے بارے میں کیا حکم ہے؟

الجواب: حامداً ومصلياً ومسلماً

جمعہ اور عیدین کے خطبات میں مقصود خطبہ کا سننا ہے، خطیب کی شکل و صورت کو دیکھنے کی ترغیب یا استجاب و استحسان کہیں نظر سے نہیں گذرا، اس کے لیے ٹی وی اسکرین جو عموماً آلہ لہو لعب سمجھا جاتا ہے اور بیشتر اسی میں استعمال ہوتا ہے، مسجد میں لگانا کسی حال میں درست نہیں، بقیہ سوالات کے جوابات اسی سے سمجھ میں آجائیں گے۔  
فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری



## محلہ کی مسجد اور دیگر جگہ میں تکرارِ جمعہ

**سوال:** علماء دین و مفتیان شرع متین کی خدمت میں یہاں لندن اور انگلینڈ کے دوسرے شہروں، قصبوں اور دیہاتوں میں جمعۃ المبارک کے متعلق مسئلہ دریافت طلب ہے؛ لیکن پہلے تمہید کے طور پر یہاں کے حالات اور موسمیات کے متعلق چند باتیں عرض کرتے ہیں:

آزادی کے بعد سے یہاں ہندوستان، پاکستان اور بنگلہ دیش سے مسلمان آکر آباد ہونا شروع ہوئے، تبلیغی جماعت کی چلت پھرت؛ نیز علماء کرام کی جدوجہد سے مساجد و مدارس کے قیام کو تقویت ملی، جہاں کہیں مسلمانوں کی معتدبہ آبادی قائم ہوئی، وہاں کسی مکان یا ہال یا چرچ یا کسی بند تھیٹر (سینما ہال) کو خرید کر بیچ وقتہ نماز، جمعہ اور عیدین اور بچوں کی تعلیم کا انتظام کیا، یہاں کا موسم نہایت سرد ہے اور خنک ہے، گرمیوں میں گرمی بھی ہوتی ہے، دونوں موسموں میں اسکولوں، کالجوں اور یونیورسٹیوں، دفاتروں اور کارخانوں میں تعطیلات ہوتی ہیں، ماہ اپریل میں ایک جمعہ کو سارے ملک میں تعطیل ہوتی ہے، ان ایام میں اور رمضان المبارک میں جمعہ کی نماز کے لیے اتنا کثیر اجتماع ہوتا ہے جو کسی صورت میں ایک جماعت میں نہیں سما سکتا، اور تعطیلات کے علاوہ ان طلباء کو سولہ سال تک جمعہ پڑھنے کا موقع نہیں ملتا، موسم کی خرابی کی وجہ سے بڑے پارک میں جمعہ کی نماز کا انتظام مشکل ہے، اور کسی بڑے ہال کو کرایہ پر لینے میں کافی مشکلات و دقتیں ہیں، ان حالات کے پیش نظر پرسیٹن، ڈیویز بری، بلیک برن اور شہر لندن میں بعض مساجد، عبادت خانوں میں دو جمعہ کرنی پڑتی ہے؛ لیکن گذشتہ

ماہ لندن اپٹن لین مکی مسجد میں یہاں کے مقامی مفتی صاحب (جو مسجد میں امام بھی ہیں) نے اعلان کیا کہ جمعہ کی دوسری نماز ناجائز اور مکروہ تحریمی ہے، جو لوگ جمعہ کی نماز کے لیے جمع ہوئے ہوں اور پہلے جمعہ میں جگہ کی تنگی کی وجہ سے شریک ہونے کی گنجائش نہ ہو، تو وہ دوسرا جمعہ نہ پڑھیں؛ بلکہ ظہر کی نماز فرداً فرداً ادا کریں، اپٹن لین مسجد (عبادت خانہ، بنیادی شرعی مسجد نہیں ہے) کا محل وقوع اس طرح ہے: مکان نمبر ۶۲ اور ۶۳ کی جگہ ایک ہال بنایا گیا ہے، اور اس کے ساتھ مکان نمبر ۶۶ ہے، مکان نمبر ۶۶ اور ہال کے درمیان اندر داخل ہونے کا راستہ ہے، اور بیچ میں وضوء کی جگہ اور بیت الخلاء ہیں، یہیں سے راستہ ہال میں بھی جاتا ہے، اور مکان نمبر ۶۶ میں بھی۔

مذکورہ بالا پریشانیوں کی بناء پر اس جگہ میں دو جمعہ ہوتے ہیں، ایک جمعہ کے لیے مکان نمبر ۶۶ میں امام کا مصلیٰ ہوتا ہے اور صفیں بڑے ہال میں بھی ہوتی ہیں، اس کے باوجود جمعہ کی نماز ہی کی نیت سے وقت پر آئے ہوئے لوگوں کے لیے جگہ کی تنگی کی وجہ سے دوسرا جمعہ ہال میں کرتے ہیں، اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ نماز ہی کی نیت سے آئے ہوئے لوگوں کو شریعت مطہرہ جمعہ جیسی مہتمم بالشان عبادت سے محروم رکھتی ہے یا ان کے لیے دوسرے جمعہ کی اجازت ہے؟ یا ان حالات میں مکروہ تحریمی ہے یا ناجائز؟ اگر کہیں اپٹن لین کی طرح دو جگہیں نہ ہوں؛ بلکہ ایک ہی جگہ ہو تو اس میں دوسرے جمعہ کی کیا صورت ہو سکتی ہے؟ عبادت خانوں اور شرعی بنیادی مسجدوں کے لیے دوسرے جمعہ کا مسئلہ الگ الگ شریعت مطہرہ کی روشنی میں تفصیلاً اور مدلل بیان کیا جائے۔

**الجواب:** حامداً ومصلياً ومسلماً

مسجد محلہ میں جب کہ امام ومؤذن اور پنج وقتہ نمازی مقرر ہوں، ہیئت اولیٰ کے مطابق تکرار جماعت مکروہ ہے۔

ويكره تكرار الجماعة بإذان وإقامة في مسجد محلة، لا في مسجد طريق  
أو مسجد لا إمام له ولا مؤذن (درمختار)

اس لیے اس میں تو تکرار جمعہ نہ کریں؛ البتہ اگر وہ جگہ مسجد محلہ نہیں ہے اور سوال میں مذکور تمام اعداد موجود ہیں تو دوبارہ نماز جمعہ پڑھی جاسکتی ہے؛ مگر امام دوسرا ہونا ضروری ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

## ایک بستی میں دو جگہ جمعہ قائم کرنا

**سوال:** ہمارے گاؤں میں پہلے سے نماز جمعہ ہو رہی ہے، مسلمانوں اور غیر مسلموں کے ملا کر تقریباً پانچ سو چھ سو سے زیادہ مکانات ہوں گے، اکثریت مسلمانوں کی ہے، مسلمانوں میں بھی تین جماعتیں ہیں: ایک صحیح المسلك اہل سنت وجماعت (دیوبندی) جن کی اکثریت ہے، دوم: بریلوی حضرات، جو دو نمبر پر ہیں، ان کی الگ مسجد ہے، وہاں بھی نماز جمعہ ہوتی ہے، نمبر تین پر شیعہ ہیں، ان کی بھی اپنی مسجد الگ ہے، وہ بھی نماز جمعہ پڑھتے ہیں۔ اب تک اپنی ایک ہی مسجد تھی، آبادی بڑھنے کی وجہ سے گاؤں سے بالکل متصل جو کھیتی کی زمین تھی اس میں مکانات کی تعمیر کا سلسلہ شروع ہوا، اور اب بڑھتے بڑھتے اس نے ایک بڑی آبادی کی شکل اختیار کر لی ہے، اس نئی آبادی

میں تقریباً ڈیڑھ سو مکانات ہیں جو قدیم آبادی میں اپنے ہم مسلک لوگوں کے مکانات سے قدرے زائد ہیں، اور آئندہ مزید مکانات کے بڑھنے کا امکان بھی ہے، ان حضرات کو گاؤں کی قدیم آبادی میں نماز کے لیے جانے میں دشواری تھی، جس کی بنا پر یہاں ایک مکان میں پنج وقتہ نماز تقریباً دس سال سے پڑھ رہے تھے، اور نماز جمعہ کے لیے گاؤں کی قدیم مسجد میں جاتے تھے، اب گاؤں کی نئی آبادی میں ایک وسیع و عریض مسجد تعمیر ہو گئی ہے جو گاؤں کی پرانی مسجد سے بھی بڑی ہے، اور سارے مصلیوں کے لیے ہر طرح کی سہولت بھی ہے، جب کہ پرانی مسجد قدیم و جدید آبادی کے سبھی افراد کے لیے ناکافی ہے۔ اس وقت اسی قدیم مسجد میں نماز جمعہ ہو رہی ہے اور مجمع اتنا کثیر ہوتا ہے کہ بہت سے لوگوں کو دھوپ میں نماز پڑھنی پڑتی ہے، بارش میں مسجد تنگ ہونے سے مصلیوں کو پریشانی ہوتی ہے، اور کبھی کبھی بعض حضرات کو جگہ بھی نہیں ملتی۔ اب سوال یہ ہے کہ نماز جمعہ دو جگہ دونوں مسجدوں میں ادا کی جائے یا ایک ہی مسجد میں؟ افضل کیا ہے؟ اگر ایک جگہ افضل ہو تو کونسی مسجد میں نماز جمعہ ہونی چاہیے؟

**الجواب:** حامداً و مصلیاً و مسلماً

ایک بستی میں ایک جگہ جمعہ پڑھنا افضل ہے؛ لیکن اگر بستی بڑی ہو اور ایک جگہ سب لوگوں کا جمع ہونا دشوار ہو تو دو جگہ جمعہ پڑھنا حسب ضرورت جائز ہے، اور بلا ضرورت بھی کئی جگہ جمعہ پڑھا جائے تو نماز ہو جاتی ہے؛ البتہ خلاف افضل اور خلاف اولیٰ ہوتی ہے۔ (کفایت المفتی ۱۳، ۲۶۳) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

أماہ: العبد احمد عنی عنہ خانپوری، ۷/ شعبان ۱۴۲۲ھ

الجواب صحیح: عباس داود۔ بسم اللہ

## ایک ہی مسجد میں نماز جمعہ کی دو جماعت کرنا

**سوال:** ہماری مسجد جو دادر کے ہندو علاقہ میں ہے اس میں پہلے نمازیوں کی کثرت کی وجہ سے جمعہ کی نماز راستے پر پڑھی جاتی تھی۔ راستے پر جمعہ کی نماز پڑھنے والوں کی تعداد تقریباً تین ساڑھے تین سو تھی۔ اب سرکاری حکم کے مطابق راستے پر پڑھنا بالکل بند کر دیا گیا ہے۔ تقریباً ساڑھے تین سو نمازیوں کو مایوس لوٹنا پڑتا ہے اور نمازیوں کو صرف ایک گھنٹہ کی چھٹی ملتی ہے۔ اس میں کھانے سے فارغ ہو کر جمعہ کی نماز میں شریک ہونے کے لیے دوسری مسجد میں جانا پڑتا ہے جو تقریباً پونہا کیلومیٹر فاصلہ پر ہے۔ دور جانے سے کام میں تاخیر کا مسئلہ ہے اس بھاگ دوڑ کی وجہ سے چند لوگوں کا جمعہ چھوٹ جاتا ہے۔ ان ہی حالات کے پیش نظر یہاں کے منتظمین کش مکش میں مبتلا ہیں۔ اب کسی بھی حالت میں پہلے کی طرح راستے پر نماز پڑھنے کی گنجائش نہیں رہی حکومت کا رویہ اس معاملہ میں انتہائی سخت ہو گیا ہے۔ ان حالات کے پیش نظر اگر اسی مسجد میں جمعہ کی دو نمازیں کی جائیں تو یہ مسئلہ حل ہو سکتا ہے۔ اور اس طرح تمام لوگوں کی نماز جمعہ ادا ہو سکتی ہے۔ اور مایوس لوگوں کی پریشانی دور ہو سکتی ہے کیوں کہ صرف ایک گھنٹہ کی گنجائش ہے۔

**الجواب:** حامداً ومصلياً ومسلماً

اگر وہاں قریب میں کوئی ایسا مکان یا بڑا ہال میسر ہو کہ اس میں جمعہ کی دوسری جماعت ادا کی جاسکتی ہو تو وہ صورت اختیار کی جائے اور اگر ایسا کوئی مکان یا ہال میسر نہیں تو بدرجہ مجبوری جمعہ کی دوسری نماز اسی مسجد میں قائم کی جاسکتی ہے؛ البتہ اس کے

لیے ایسی ترتیب اختیار کی جائے کہ دونوں جماعتوں کا حق ادا ہو کر کسی ایک کی تکلیل یا اس کی طرف سے بے التفاتی لازم نہ آئے۔

لان التکرار یؤدی الی تکلیل الجماعة لان الناس اذا علموا انهم تفوتهم الجماعة فيستعجلون فتكثر الجماعة و اذا علموا انها لا تفوتهم يتأخرون فتقل الجماعة و تکلیل الجماعة مکروه بخلاف المساجد التي علی قوارع الطريق لانها لیست لها اهل معروفون فاداء الجماعة فيها مرة بعد اخرى لا یؤدی الی تکلیل الجماعة و بخلاف ما اذا صلی فيه غیر اهله لانه لا یؤدی الی تکلیل الجماعة لان اهل المسجد ینتظرون اذان المؤذن المعروف فيحضرون حينئذ الخ (بدائع الصنائع ۱/ ۱۰۳، ۱۰۴) قلت اذا كان علة الكراهة التکلیل و هو لم يوجد في واقعة الفتوى فلا یحکم بالكراهة هذا ما عندي .

ملاحظہ: اس سلسلہ میں دیگر مفتیان سے بھی رجوع کر لیا جائے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۷/ ربیع الاول ۱۴۱۳ھ

## جمعہ کے روز باجماعت ظہر پڑھنا

(سوال): مختلف مقامات سے لوگ ایک شہر میں جمع تھے اور وہ جمعہ کا دن تھا، بظاہر لوگ نماز جمعہ سے ڈیڑھ گھنٹہ قبل شہر میں پہنچے تھے؛ مگر سواری سے اتر نہیں سکتے تھے، سواری سے اتر کر اپنے مقام پہنچنے تک نماز جمعہ مساجد میں ادا ہو چکی تھی؛ لہذا چند اشخاص نے طے کیا کہ ہم لوگ مسافر ہیں اور اب جمعہ کی جماعت ہو چکی ہے، اس واسطے ہم کچھ لوگ ظہر کی قصر جماعت کے ساتھ ادا کریں گے اور اسی پر عمل ہوا۔

الجواب: حامداً ومصلياً ومسلماً

ایسا کرنا مکروہ ہے؛ لیکن وہ نماز ہوگئی، اس کے اعادہ کی ضرورت نہیں۔ (زیلعی شرح کنز/۱/۲۲۲) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عنی عنہ خانپوری، ۲۰/ صفر ۱۴۱۸ھ  
الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عنی عنہ

بڑی بستی میں جمعہ کے روز احتیاطاً الظهر پڑھنا

سوال: گاؤں ”بسو“ جس میں فی الحال دس ہزار کی آبادی ہے، اور اسی نوے دکانیں ہیں، اور تقریباً تمام ہی ضروریات میسر ہیں، اور پچھتر سال سے اس گاؤں میں جمعہ کی نماز ادا کی جاتی ہے، ابتداء میں تقریباً تین بیس جگہوں سے فتویٰ طلب کیا گیا تھا، جن میں سے پندرہ جگہوں سے جواز کا فتویٰ آیا تھا، اور آٹھ جگہوں سے عدم جواز کا فتویٰ آیا تھا؛ لیکن اُس وقت پورے گاؤں کے لوگ بریلوی عقائد کے تھے، بعد میں دعوت و تبلیغ کی برکت سے کچھ لوگ اہل سنت والجماعت کے عقائد پر آگئے، اور انہوں نے مسجد، مدرسہ میں اپنا حق طلب کیا، جس کی بناء پر اختلاف بڑھا، اور پانچ آدمی شہید ہو گئے؛ لیکن پھر مقدمہ میں فیصلہ یہ ہوا کہ نصف مدرسہ اہل سنت والجماعت کو سپرد کیا گیا، اور یہ لوگ مدرسہ میں الگ جماعت کر کے نماز پڑھنے لگے؛ لیکن جمعہ کی نماز سب کے ساتھ مسجد میں ادا کرتے تھے؛ تاکہ مسجد میں اپنا حق باقی رہے، اب پچھلے سال سے اہل سنت اپنی مسجد الگ بنا رہے ہیں جو تیار ہونے کے قریب ہے، اور اس میں بریلوی حضرات نے بھی چندہ دیا ہے، اب سوال یہ ہے کہ اس مسجد میں جمعہ

کی نماز پڑھنی چاہیے یا ظہر؟ جب کہ ظہر پڑھنے کی صورت میں بعضے وہ لوگ جو نیم اہل سنت ہیں، یعنی اہل سنت والجماعت کے عقائد ان میں راسخ نہیں ہیں، ان کی طرف سے شدید اختلاف کا خطرہ ہے، اور جمعہ کی نماز پڑھنے کی صورت میں جوڑ باقی رہے گا؛ نیز بریلوی حضرات بھی جمعہ پڑھنے کے لیے آئیں گے تو دین کی صحیح بات سن کر ان کے بھی قریب ہونے کی امید ہے، جمعہ پڑھنے کی صورت میں احتیاطاً ظہر پڑھنی ہوگی یا نہیں؟

الجواب: حامداً ومصلياً ومسلماً

آبادی کے شمار، دوکانوں کی تعداد اور روزِ مَرَّہ کی حوائج پوری ہو جانے کے اعتبار سے یہ بڑی بستی ہے، اس لیے وہاں جمعہ جائز ہے۔

وتقع فرضاً في القصبات، والقرى الكبيرة التي فيها اسواق (شامی

۱/ ۵۳۷) (فتاویٰ محمودیہ ۲/ ۳۰۰)

جب جمعہ درست ہے تو ظہر پڑھنا نہیں چاہیے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۱۳/ رجب ۱۴۰۹ھ

الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

بعد جمعہ احتیاط الظہر پڑھنا

سوال: نماز جمعہ کے بعد ظہر کی نماز انفراداً و اجتماعاً پڑھنا ائمہ اربعہ کے نزدیک

کیا حکم رکھتا ہے؟ چاروں ائمہ کے مذہب کو مفصل تحریر فرماویں، کون جائز کہتا ہے اور کون عدم جواز کا قائل ہے؟



### الجواب: حامداً ومصلياً ومسلماً

مسئلہ احتیاط الظہر قرآن کریم، حدیث شریف، آثار صحابہ رضی اللہ عنہم، اقوال ائمہ مجتہدین سے ثابت نہیں، شرائط جمعہ کے متعلق اختلاف ائمہ کے باوجود شرائط میں تردد کے باعث بعض مشائخ نے یقینی طور پر براءت ذمہ کے لیے اس کو احتیاطاً بیان کیا تھا، پھر اس درجہ اس پر عمل میں ترقی ہوئی کہ بعض جگہ احتیاط الظہر کا علی الاعلان عملاً التزام کیا گیا، بعض جگہ اس کو جماعت کے ساتھ پڑھنے لگے، بعض جگہ اس کو واجب یا فرض اعتقاد کیا گیا، بعض جگہ اس کو جمعہ سے بھی بڑھا دیا گیا؛ حتیٰ کہ جمعہ کو غیر ضروری بدرجہ نفل سمجھنے لگے، پھر اس پر تکرار و نزاع کی صورتیں پیدا ہونے لگیں، غرض گوناگوں فتنے شروع ہو گئے، اس لیے بہت سے فقہاء نے اپنے قول سے رجوع کر کے ممانعت کا حکم دیا، مسئلہ مذکورہ میں وجود سلطان وعدم سلطان اور تعدد جمعہ کی تنقیح کافی طور پر ہو چکی ہے، لہذا یہ دونوں چیزیں ایسی نہیں جن کی بناء پر احتیاط ظہر کا حکم دیا جائے نہ بآیا و جو با؛ البتہ جس مقام کے مصر ہونے میں شک ہو اور زمانہ قدیم سے جمعہ ہوتا چلا آ رہا ہو اور بند کرنے میں فتنہ ہو، تو وہاں اس طرح احتیاط الظہر مناسب ہے، جس سے کوئی اعتقادی یا عملی مفسدہ پیدا نہ ہو۔ (فتاویٰ محمودیہ ۹/۱۳۷)

مزید تفصیل کے لیے دیکھئے: فتاویٰ محمودیہ ۹/۱۳۳، ۱۳۴، ۱۳۵، ۱۳۶ اور کفایت المفتی ۳/۱۸۸، ۱۸۹ اور ۱۹۲ تا ۱۹۶) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

۱۵ / ذوالقعدہ ۱۴۱۱ھ

## ملازمت ترک جمعہ کے لیے عذر نہیں بن سکتی

**سوال:** زید، بکر اور عمر حنفی المسلمک ہیں، جو شہر کی ایک کمپنی میں ملازمت کرتے ہیں، کام کی وجہ سے نماز جمعہ ادا کرنے کے لیے وقت نہیں ملتا بجائے جمعہ کے کمپنی میں تینوں مل کر ظہر کی نماز باجماعت ادا کرتے ہیں؟ تو کیا عذر کی وجہ سے جمعہ چھوڑ کر ظہر باجماعت پڑھ سکتے ہیں؟

**الجواب:** حامداً ومصلياً ومسلماً

جب ان حضرات پر جمعہ واجب ہے تو ان کے لیے ضروری اور فرض ہے کہ جمعہ کی نماز پڑھیں، کمپنی کی ملازمت ترک جمعہ کے لیے عذر نہیں بن سکتی۔

(ماخوذ از امداد الفتاویٰ ۱/۶۸۰)

لیکن باوجود اس کے اگر جمعہ میں حاضر نہ ہوئے اور ظہر پڑھ لی تو جمعہ ساقط ہو جائے گا، اور ترک جمعہ سے گنہگار ہوں گے۔ (امداد الفتاویٰ ۱/۶۳۱)

جو لوگ حقیقی معذور ہیں، یعنی جن کے عذر کو شریعت نے معتبر سمجھا ہے، ان کے لیے بھی شہر میں نماز ظہر کی جماعت مکروہ تحریمی ہے، ایسے لوگوں کو چاہیے کہ وہ منفرداً نماز پڑھیں، اور حالت انفراد میں بھی اذان و اقامت نہ کہیں۔

وکرہ تحریماً لمعذور ومسجون ومسافر اداء ظہر بجماعة في مصر قبل الجمعة وبعدها لتقليل الجماعة (در مختار) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

## امتحان کی وجہ سے نماز جمعہ ترک کرنا

**سوال:** ایک شخص کا امتحان کا پرچہ عین جمعہ کے وقت ہے، کیا وہ شخص زوال کے بعد ظہر کی نماز ادا کر کے پرچہ دینے کے لیے جاسکتا ہے یا نہیں؟ بدل کا کوئی دوسرا حل قطعاً نہیں ہے۔

**الجواب:** حامداً ومصلياً ومسلماً

یہ شخص معذور شرعی نہیں ہے، اس لیے نماز جمعہ سے پہلے اس کے لیے ظہر پڑھنا مکروہ تحریمی ہے، اگرچہ اس کی یہ ظہر درست ہو جائے گی یعنی اس کا ذمہ بری ہو جائے گا۔  
 وحرم لمن لا عذر له صلوة الظهر قبلها، أما بعدها فلا يكره (در مختار)  
 (قولہ: وحرم الخ) عدل عن قول القدوري والكنز وكره لقول ابن همام  
 لا بد من كون المراد حرم؛ لأنه ترك الفرض القطعي باتفاقهم الذي هو  
 أكد من الظهر غير أن الظهر تقع صحيحة؛ وإن كان مأموراً بالاعراض  
 عنها (شامی ۱/ ۶۰۳) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۴/ ذوالحجۃ الحرام ۱۴۱۲ھ

الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

## نماز جمعہ کی درستگی بعد یہ سنن پر موقوف نہیں

**سوال:** اگر کوئی شخص جمعہ کی فرض نماز کے بعد چار سنت نہ پڑھے، تو اس کی جمعہ ہوگی یا نہیں؟

**الجواب:** حامداً ومصلياً ومسلماً

ہو جائے گی، یعنی فرض اس کے ذمہ سے ساقط ہو جاوے گا۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

اذان کے بعد فوراً خطبہ شروع کر دیا تو سنت کب پڑھیں؟

**سوال:** زوال کے بعد فوراً اذان دے کر خطبہ شروع کر دیں، تو مقتدی کب سنت ادا کریں گے؟

**الجواب:** حامداً ومصلياً ومسلماً

جب سنت کا وقت ملا ہی نہیں تو اب اس کی ادائیگی کے متعلق کیا حکم دیا جائے!۔  
فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

أماہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۱۰/ رمضان ۱۴۲۱ھ

الجواب صحیح: عباس داود بسم اللہ

بعد نماز جمعہ وعیدین دعا سراً یا جہراً؟

**سوال:** بعد نماز جمعہ وعیدین کے امام صاحب دعا جہراً کریں یا سراً کریں؟ اس کا خلاصہ ہمیں مدلل مکمل عنایت فرمائیں۔

بعض مولوی صاحبان روح المعانی ۸/ ۱۳۹، اور فتاویٰ بزازیہ ۳/ ۴۲ میں سری دعا کا ثبوت بتا رہے ہیں؛ لیکن مفتی صاحب! ان لوگوں کے پاس نہ کوئی مدرسہ کی سند ہے اور نہ یہ لوگ مفتی ہیں؛ ہمیں تو مدلل مکمل اور ثبوت کے ساتھ جواب چاہیے۔

نوٹ: یہ مسئلہ پنج وقتہ نمازوں کا نہیں ہے؛ بلکہ جمعہ اور عیدین کی نماز کے بعد سری دعا کا ثبوت چاہیے۔

**الجواب:** حامداً ومصلياً ومسلماً

دعا کے جہراً یا سرّاً ہونے کے سلسلہ میں جو حکم اور تفصیل پنج وقتہ نماز کے بعد دعا کے حکم میں مذکور ہے وہی تفصیل جمعہ اور عیدین کے حکم میں بھی ہے، اس سلسلہ میں تفصیلی فتویٰ فتاویٰ رحیمیہ ۴/۱۷۲ تا ۳۳۳ میں ملاحظہ فرمائیں، یہ فتویٰ الگ پمفلٹ کی شکل میں بھی کسی زمانہ میں شائع ہو چکا ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

املاءہ: العبد احمد عنی عنہ خانپوری، ۲۲/ ذی الحجہ ۱۴۲۶ھ

الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ

**جہاں جمعہ درست نہ ہو وہاں ظہر کے لیے اذان دینا**

**سوال:** قریہ میں چوں کہ شرعی نقطہ نظر سے جمعہ درست نہیں ہے؛ لیکن صورت مسئلہ یہ ہے کہ: ایسے قریہ میں جہاں جمعہ درست نہیں ہے تو بہت سے لوگ قرب وجوار میں جمعہ ادا کرنے جاتے ہیں؛ لیکن کچھ سستی کا مہلی کی وجہ سے جمعہ کے لیے نہیں جاتے، اب وہ لوگ نماز ظہر ادا کرنا چاہتے ہیں، تو کیا یہ روز جمعہ ایسے قریہ میں نماز ظہر کے لیے اذان دینا درست ہے یا نہیں؟ ساتھ ہی یہ کہ اگر اذان درست ہے تو سری یا جہر (مثلاً مانک کے ذریعے)؟ اور نماز ظہر باجماعت ادا کی جائے گی یا فرداً فرداً؟ اگر کوئی بلاجماعت نماز ظہر ادا کرے تو کیا ایسا شخص قابل ملامت ہے؟ اور نیز بہت سے لوگوں نے خدشہ کا اظہار کیا ہے کہ، اگر ایسے قریہ میں جہری اذان ہوئی تو جو لوگ شہروں

میں جمعہ ادا کرنے جاتے ہیں وہ موقوف کر کے ظہر ہی ادا کرنا شروع کر دیں گے۔

**الجواب:** حامداً ومصلياً ومسلماً

جس گاؤں میں صحتِ جمعہ کے شرائط نہ پائے جانے کی وجہ سے نماز جمعہ درست نہیں، ان لوگوں کے حق میں جمعہ کا دن بھی دیگر دنوں کی طرح ہے؛ اس لیے وہ لوگ دیگر ایام میں نماز ظہر جماعت کے ساتھ ادا کرتے ہیں، اسی طرح جمعہ کے دن بھی ظہر مع جماعت ادا کریں، اور جب جماعت کے ساتھ ظہر ادا کرنا ضروری ہو تو اذان بھی دی جائے گی۔ اذان تو جہر اُہی دی جاتی ہے سر انہیں دی جاتی۔

(قوله في مصر) بخلاف القرى؛ لأنه لا جمعة عليهم، فكان هذا اليوم في حقهم كغيره من الأيام، شرح المنية. وفي المعراج من المجتبیٰ: من لا تجب عليهم الجمعة لبعدها الموضع صلوا الظهر بجماعة (شامی ۱/۶۷۱) ولا یسنان أيضاً لظہر یوم الجمعة في مصر (در مختار) (قوله في مصر) شمل المعذور، زلیعی؛ وفي القرى لا یکره بكل حال، ظہیریہ. (شامی ۱/۲۸۸) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ العبد احمد خان پوری ۱۹ جمادی الاولیٰ ۱۴۱۹ھ

الجواب صحیح: عباس داود۔ بسم اللہ

## جمعہ میں اول وقت سے کیا مراد ہے؟

**سوال:** جمعہ کے لیے اول وقت میں آنے کی فضیلت جو حدیث شریف میں وارد ہوئی ہے، مثلاً جو اول وقت میں آیا گویا اس نے اونٹ کی قربانی کی جو اس کے بعد آیا گویا اس نے گائے کی قربانی کی اس کے برابر ثواب ہے تو یہاں اول وقت

سے کونسا وقت مراد ہے خاص کر کے یہاں برطانیہ میں سردی میں دن بہت چھوٹا اور گرمی میں دن بہت بڑا ہوتا ہے؟

**الجواب:** حامداً ومصلياً ومسلماً

امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک اس کا وقت زوال سے شروع ہوتا ہے گویا ان کے بقول زوال سے لے کر امام کے خطبہ کے لیے نکلنے تک کے وقت کو چھ حصوں پر منقسم کریں اور حدیث میں آئی ہوئی فضیلت ہر حصہ والے کو اس کے مطابق حاصل ہوگی جب کہ جمہور جس میں امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ بھی ہیں اس کا وقت سورج کے طلوع ہو کر صاف شفاف ہونے کے وقت سے شروع ہوتا ہے سردی میں دن کے چھوٹے اور گرمیوں میں بڑے ہونے سے ساعات کی اس تقسیم پر کوئی اثر نہیں پڑتا اس لیے کہ یہاں پر ساعات سے مراد ساعت اصطلاحی زمانی جو ساٹھ منٹ کی ہوتی ہے مراد نہیں بلکہ ساعت تعدیل آفاقی مراد ہے۔ اس سلسلے میں تفصیلی بحث فتح الملہم ۲/۳۸۹، ۳۹۰ اور زاد المعاد ۱/۲۲۲ تا ۲۲۶ ملاحظہ فرمائیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

أماہ: العبد احمد خانپوری، ۹ رجب المرجب ۱۴۲۳ھ

الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ

**ذہاب الی الجمعۃ کی روایات میں وارد مختلف الفاظ میں تطبیق**

**سوال:** ذہاب الی الجمعۃ کے لیے روایات میں مختلف الفاظ آئے ہیں بعض میں

من غدا إلى الجمعة النخ کا لفظ آیا ہے اور بعض میں راح کا اور بعض روایات میں بکر کا لفظ وارد ہوا ہے کونسا معنی مراد لینے کی صورت میں ہر روایت پر عمل ہو جائے گا؟

**الجواب:** حامداً ومصلياً ومسلماً

جمہور نے جو معنی مراد لیا ہے اس پر حدیث میں آئے ہوئے الفاظ رواج تہجیر سے جو اشکال ہوتا ہے اس کا تفصیلی جواب بھی زاد المعاد میں علامہ ابن قیم نے دے دیا ہے حوالہ بالا کا مطالعہ فرمائیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

أماہ: العبد احمد خانپوری، ۹ رجب المرجب ۱۴۲۳ھ

الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ

**جمعہ کے دن صبح سویرے غسل کرنے سے سنت کی ادائیگی**

**سوال:** غیر مسلم ممالک میں عام طور پر جمعہ کے دن کام کی چھٹی نہیں ہوتی صرف نماز جمعہ کے لیے مسجد آنے کی اجازت دی جاتی ہے لہذا صبح کام کے لیے روانہ ہونے سے پہلے عام طور پر لوگ غسل سے فارغ ہو جاتے ہیں ان لوگوں کا اس وقت غسل کرنا مسنون شمار ہوگا یا نہیں؟

**الجواب:** حامداً ومصلياً ومسلماً

شامی میں شرح ہدیہ ابن العماد از علامہ سید عبدالغنی النابلسی سے منقول ہے کہ یہ چاروں غسل نظافت کے لیے مسنون ہیں طہارت کے لیے نہیں؛ پس اگر غسل کے بعد حدث ہو جائے اور وضو کر کے نماز پڑھ لی جائے تو دوبارہ وضو سے نظافت میں اضافہ ہوگا اگرچہ وہ وضو طہارت کے لیے ہوگا پس میرے نزدیک ادائے سنت کے لیے وہ غسل کافی ہے اگرچہ اس غسل اور نماز کے درمیان حدث واقع ہو گیا ہے؛ کیوں کہ اس بارے میں جو احادیث وارد ہوئی ہیں ان کا مقتضی صرف نظافت حاصل کرنا ہے



اور شامی نے کہا ہے کہ نماز جمعہ کے لیے صبح سویرے جانا سنت ہے اس سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے کیوں کہ اس سنت کے حصول کے لیے اتنے سویرے سے غسل کر کے جانا اور وضو اس وقت تک باقی رکھنا پھر اسی وضو سے نماز پڑھنا دشوار ہے خاص طور پر طویل دنوں میں اور دوبارہ غسل کرنا بھی دشوار ہے اور معراج الدراریہ کی عبارت سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے اور وہ یہ ہے کہ اگر کسی نے جمعرات کے دن یا جمعہ کی رات کو غسل کیا تو اس نے جمعہ کی سنت کو ادا کر لیا کیوں کہ اس سے مقصود یعنی بدن ولباس کی بدبودور کرنا حاصل ہو گیا۔ (عمدة الفقہ ۱/۱۷۳- شامی کوئٹہ ۱/۱۲۵)

احسن الفتاویٰ سے ایک سوال و جواب نقل کیا جاتا ہے:

سوال: جمعہ کے دن غسل جنابت صبح کیا تو کیا غسل مسنون بھی دوبارہ کرنا ہوگا یا یہی غسل کافی ہو کر غسل مسنون کا بھی ثواب مل جائے گا۔

الجواب: یہی کافی ہے دوبارہ غسل کی ضرورت نہیں؛ بلکہ صفائی کا مقصد جمعرات کے دن غسل کرنے سے حاصل ہو جائے تو وہ بھی کافی ہے۔ (احسن الفتاویٰ ۱/۱۲۳) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

أماہ: العبد احمد خانپوری، ۹ رجب المرجب ۱۴۲۳ھ

الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ

دیہاتوں کا مشترکہ قبرستان فنائے شہر میں شمار نہیں ہو سکتا

سوال: پر بڑہ ایک بستی ہے، اس کی پینچایت میں تین گاؤں والوں کا مشترکہ قبرستان ہے، اور اس قبرستان کا وقوع میتا پورہ سے بالکل لگ کر ہے، اور میتا پورہ ہمت

نگر شہر کا ایک حصہ ہے، صرف ان دونوں کے درمیان ایک ندی حائل ہے، چند سالوں سے اس پر بڑھ قبرستان میں عیدین کی نماز ہو رہی ہے، اس سال سے ان تینوں بستی والوں میں سے ایک بستی والوں نے اعلان لگا دیا ہے کہ: عیدین کی نماز اس قبرستان میں نہ پڑھی جائے، تو دریافت طلب بات یہ ہے کہ کیا اس قبرستان میں عیدین کی نماز درست ہوگی؟ اگر نہیں تو علت کیا ہے؟ کیا اس عید گاہ کا وقوع گاؤں کی پنچایت میں ہونا ہے یا شرکائے قبرستان میں سے ایک شریک کا منع کرنا ہے؟

نوٹ: عیدین کی نماز ہمت نگر شہر کی عید گاہ ہے اس میں بھی ہوتی ہے، اور آٹھ یا دس مساجد میں بھی ہوتی ہے؛ لیکن ان سب جگہوں کے امام چوں کہ دیوبندی خیال رکھنے والے نہیں ہیں؛ اس لیے میتا پورہ کے علاقے میں عیدین کی نماز پڑھنا شروع کیا ہے۔

**الجواب:** حامداً ومصلياً ومسلماً

جمعہ اور عید کی نماز شہر یا فنائے شہر میں درست ہے، فنائے شہر وہ مقام ہے جو شہر کی ضروریات کے لیے متعین ہو، مثلاً قبرستان، کوڑا ڈالنے یا گھوڑ دوڑ یا جنگی مشق یا فوجی اجتماع وغیرہ کے لیے میدان، ہوائی اڈہ اور ریلوے اسٹیشن وغیرہ؛ فنائے شہر کا شہر سے اتصال ضروری نہیں، اور نہ ہی اس کی مسافت اور وسعت کی کوئی تحدید ہے۔

(أو فناءؤه) بكسر الفاء (وهو ما) حوله (اتصل به) أو لا، كما حرره ابن الكمال وغيره؛ (الأجل مصالحه) كدفن الموتى وركض الخيل إلخ (درمختار) قال الشامي: والتعريف أحسن من التحديد؛ لأنه لا يوجد ذلك في كل مصر، وإنما هو بحسب كبر المصر وصغره إلخ (شامی ۱/۵۹۱)

آپ نے جس قبرستان کا تذکرہ سوال میں کیا ہے وہ میتا پورہ (ہمت نگر) کے

مردوں کی تدفین کے لیے نہیں ہے؛ بلکہ تین گاؤں والوں کا مشترکہ قبرستان ہے؛ اس لیے اس کو شہر کی ضروریات کے لیے قرار نہیں دیا جاسکتا، اور اس حیثیت سے اس کو فنائے شہر میں شمار نہیں کیا جاسکتا؛ البتہ اگر میتا پورہ سے بالکل متصل ہے کہ درمیان میں کوئی حائل نہیں ہے، تو فناء کا اطلاق اس پر ہو سکتا ہے۔ کسی ماہر مفتی کو اس مکان کا معائنہ کرا کر حکم معلوم فرمائیں۔ ندی کس کے درمیان ہے یہ بھی واضح نہ ہو سکا، (یعنی میتا پورہ اور ہمت نگر، یا میتا پورہ اور قبرستان)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۱۰ محرم الحرام ۱۳۲۰ھ

## جمعہ کے دن دورانِ بیان سنتیں پڑھنا

(سوال): بعض مساجد میں جمعہ کے دن یہ سلسلہ شروع کیا گیا ہے کہ اذانِ اول کے بعد فوراً دس منٹ سے تیس منٹ تک امام مسجد کا یادِ دیگر کسی اہل علم کا بیان، بعد بیان پانچ سات منٹ سنتوں کی ادائیگی کے لیے مصلیان کو دیے جاتے ہیں، اس کے بعد خطبہ، پھر نمازِ جمعہ۔ بعض لوگ اول وقت ہی مسجد میں آجاتے ہیں، بعض بیان کے درمیان میں آتے رہتے ہیں، وضو وغیرہ سے فارغ ہو کر بیان سننے کے لیے بیٹھ جاتے ہیں، چند ناواقف اشخاص آکر سنتیں ادا کرنے کی کوشش کرتے ہیں تو درمیانِ بیان مولانا محترم اسے سمجھا دیتے ہیں، کہ بھائی! بیان کے بعد سنتوں کا موقع دیا جائے گا، آپ پہلے بیان سن لیں، بعض ان میں سے ہٹ دھرمی کرتے ہوئے بیچ صف میں یا صف سے کنارے کھڑے ہو کر اپنی نمازیں پوری کر لیتے ہیں، اور اس کے بعد بیان میں بیٹھتے ہیں۔

زید جو تھوڑا بہت علم بھی رکھتا ہے اس کا کہنا ہے کہ: لوگوں کو مسجد میں آتے ہی بٹھانا اور سنتوں کو بعد میں ادا کروانا یہ بدعت ہے، چنانچہ تجتبیۃ المسجد والی روایت بھی بہ طور دلیل پیش کرتا ہے، مزید ایک بات وہ یہ بھی کہتا ہے کہ ابتداء مسجد میں آ کر بیٹھنا اور پھر سنتوں کے لیے کھڑا ہونا یہ بدعتیوں کا طریقہ ہے، بعض احباب نے اپنے اپنے طور پر سمجھانے کی کوشش کی؛ لیکن اس کی ایک ہی رٹ ہے، جس کی وجہ سے چند مسجدوں میں مذکورہ بالا سلسلہ شروع ہونے سے رہ گیا ہے، وہاں اذان اول کے بعد سنتیں پڑھی جاتی ہیں، بعد میں بیان ہوتا ہے، بیان کے درمیان لوگ آتے رہتے ہیں اور اپنی اپنی نمازیں ادا کرتے رہتے ہیں، بعد فراغت بیان میں شامل ہوتے ہیں، بیان کا تسلسل جاری رہتا ہے۔ اب جناب محترم مفتی صاحب سے گزارش ہے کہ اپنی صواب رائے عنایت فرما کر عند اللہ ماجور و عند الناس مشکور ہوں، نیز شرعاً یہ حکم بھی بتلا دیا جائے کہ: فرض نمازوں سے پہلے والی سنتیں اذان کے بعد ہی پڑھی جانی چاہیے یا نمازوں کے اوقات شروع ہوتے ہی ان سنتوں کو ادا کر سکتے ہیں بعد میں بھلے سے اذان ہوتی رہے؟

**الجواب:** حامداً و مصلياً و مسلماً

امام صاحب کو چاہیے کہ نئے آنے والے کو بٹھانے پر اصرار نہ کریں، مناسب یہ ہے کہ اذان کے بعد سنت پڑھنے کا وقت دیا جائے؛ نیز بیان کے ختم کے بعد بھی وقت دیا جائے، اس کے باوجود درمیان میں آنے والا پڑھتا ہو تو روکا نہ جائے۔ کبھی کبھی بیان ہی نہ ہو؛ تا کہ لوگ ضروری نہ سمجھنے لگیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

أماہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۳۰ رجب ۱۴۲۲ھ

الجواب صحیح: عباس داود۔ بسم اللہ

## اذانِ خطبہ کے درمیان چندہ جمع کرنا

**سوال:** جمعہ کے روز جامع مسجد میں خطبہ سے پہلے لوگ صفوں کے بیچ میں چندہ جمع کرتے ہیں، دریافت طلب مسئلہ یہ ہے کہ یہ لوگ اس وقت بھی صفوں کے بیچ میں گھومتے ہیں، جب کہ خطبہ کی اذان شروع ہو جاتی ہے، اور کبھی کبھی خطبہ بھی شروع ہو جاتا ہے۔ دوسری بات یہ بھی کہ معلوم نہیں ہو پاتا کہ کس کس مد کا ہے؛ لہذا وضاحت فرمائیں کہ اس طرح سے چندہ کرنا صحیح ہے؟

**الجواب:** حامداً ومصلياً ومسلماً

عین اذانِ خطبہ یا خاص خطبہ کے وقت ایسا کرنا جائز نہیں ہے، اس سے پہلے اگر کسی ضروری مقصد کے لیے اس طرح کیا جاتا ہے کہ مصلیوں کی گردنوں کو پھلانگنا اور مصلی (یعنی جو حالت نماز میں ہو) اس کے سامنے سے گزرنا لازم نہیں آتا ہو تو گنجائش ہے، مقامی لوگوں کو علم ہوتا ہے، دینے والے کو معلوم نہ ہو تو دریافت کر سکتا ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: احمد عفی عنہ خانپوری، ۱۵/۱۵/۱۴۱۳ھ  
الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

## اذانِ خطبہ جمعہ سے متعلق چند سوالات

**سوال:** ① آں حضرت ﷺ اور شیخین رضی اللہ عنہما کے زمانہ میں خطبہ جمعہ کی اذان کہاں دی جاتی تھی؟ آیا منبر کے سامنے، دروازے پر، مسجد کے اندر یا باہر؟

② حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جو اذان مقام زوراء پر دلوائی تھی وہ مسجد کے اندر کب اور کیسے آگئی؟ اور یہ اذان مسجد کے اندر دینا کس کی سنت ہے؟

③ جمعہ کے لیے جو دو اذان کا رواج پڑ گیا ہے، ان میں کس قدر وقت کا فاصلہ ضروری ہے، نیز اگر اذان عثمانی کو سنت عثمانی سمجھ کر مسجد سے باہر دیا جائے تو کچھ حرج تو نہیں؟

④ آں حضرت ﷺ کی اصل سنت جو شیخین رضی اللہ عنہما کے زمانہ میں جاری تھی، اگر اس پر عمل کیا جائے تو کسی قسم کا نقصان یا وبال تو نہیں؟

**الجواب:** حامداً ومصلياً ومسلماً

مسائل فقہیہ کے ثبوت کے لیے چار اصول ہیں: کتاب، سنت، اجماع، قیاس۔ بعض مسائل صاف صاف قرآن پاک میں ہیں، بعض حدیث شریف میں ہیں، بعض اجماع سے ثابت ہیں، بعض قیاس سے۔ ماخذ کو کسی ایک دلیل میں منحصر کر کے سوال کرنا منصب سائل کے خلاف ہے، اس کا حاصل تو یہ ہوگا کہ سائل فقط ایک دلیل کو تسلیم کرتا ہے، بقیہ تین دلیلیں اس کے لیے بے کار ہیں، ان کو تسلیم نہیں کرتا، ان سے مسائل ثابت نہیں مانتا۔ اگر سائل مقلد ہے تو اس کا یہ سوال اپنے حوصلہ سے بڑھ کر ہے، اگر سوال علمی تشکیکی کی سیرابی کے لیے ہو تو اس میں مضائقہ نہیں، اس کے لیے اردو میں ایک رسالہ ہے ”تنشیط الاذان“ اس میں اس مسئلہ کو تفصیل سے لکھا ہے، اولاً اربعہ سے ثابت کیا ہے، جس حدیث میں اس اذان کا تذکرہ ہے وہ ”أبوداؤد شریف“ میں مذکور ہے، ”بذل اللہود شرح أبوداؤد شریف“ میں پوری اس کی تفصیل مذکور ہے، روادے پر بھی کلام مذکور ہے۔ مختصر التناعرض ہے کہ حضرت نبی کریم ﷺ کے عہد مبارک

میں مدینہ پاک کی آبادی کے لحاظ سے صرف ایک اذان باب مسجد پر منبر کے سامنے ہوتی تھی، حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دور میں ایک اذان کا اضافہ ہوا، وہ بلند جگہ پر بازار میں بیرون مسجد ہوتی تھی، اور دوسری اذان اندرون مسجد ہونے لگی، پہلی اذان اعلام غائبین کے لیے، اور دوسری اذان اعلام حاضرین کے لیے مثل اقامت، اس وجہ سے پہلی اذان میں آواز زیادہ بلند کی جاتی ہے، دوسری میں معمولی آواز پر کفایت کی جاتی ہے، تاکہ حاضرین مسجد خطبہ کے لیے تیار ہو جائیں، نوافل وغیرہ سے فارغ ہو جائیں، پھر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے دور میں اس کا اہتمام ہوا، خلفائے راشدین کی سنت پر عمل کرنے کی حدیث پاک میں تاکید ہے، پس ان کی سنت پر عمل کرنا بھی حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد ہی سے ہے، جو کہ خلاف حدیث نہیں؛ بلکہ عین موافق حدیث ہے، وہ حضرات منشائے حدیث کو سمجھنے والے اور اس پر عمل کرنے والے اور اس کو شائع کرنے والے ہیں۔ ”یعنی شرح بخاری، فتح الباری و فیض الباری“ کا مطالعہ بھی اس مقصد کے لیے مفید ہوگا۔ (فتاویٰ محمودیہ: ۲۵۶/۱۳، ۲۵۷) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۲ رذوالحجہ ۱۴۱۳ھ

## جمعہ کی اذان ثانی کا طریقہ

**سوال:** جمعہ میں دو اذان کہی جاتی ہیں تو اذان ثانی کے کہنے کا کیا انداز ہونا چاہیے؟ اذان اولیٰ ہی کی طرح دی جائے یا اس میں کچھ فرق ہوگا؟

**الجواب:** حامداً ومصلياً ومسلماً

جمعہ کی اذان ثانی کا مقصد حاضرین کو خطبہ شروع ہونے کی اطلاع دینا ہے۔

جیسے کہ اقامت کا مقصد حاضرین کو جماعت شروع ہونے کی اطلاع دینا ہوتا ہے۔ اس لیے جمعہ کی اذان ثانی میں رفع صوت مستحب نہیں ہے۔ (ماخوذ از فتاویٰ محمودیہ ۲۷۳/۱۳) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، مورخہ ۲۵/ شوال المکرم ۱۴۱۳ھ  
الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

## باب صلاة العیدین

جس بستی میں جمعہ ہو سکتی ہو وہاں نماز عیدین بھی درست ہے

**سوال:** ہم لوگ دیہات کے رہنے والے ہیں، مدت مدیدہ سے ہم لوگ ایک عید گاہ میں نماز عیدین ادا کرتے ہیں، جس مقام پر عید گاہ واقع ہے اس سے تقریباً ایک ڈیڑھ فرلانگ کے اوپر ایک بازار ہے، جہاں پر تقریباً ضروریات زندگی کی سبھی اشیاء ملتی ہیں، وہاں پر بینک اور پوسٹ آفس بھی ہے، عید گاہ میں تقریباً دس بارہ موضع کے لوگ جمع ہوتے ہیں، ایک موضع کو چھوڑ کر بقیہ تمام موضعوں کی آبادی ڈیڑھ ہزار سے اوپر ہے، نیز جس امام کی متابعت میں ہم لوگ نماز عیدین ادا کرتے ہیں ان کے وہاں جمعہ کی نماز بھی کافی زمانہ سے ہوتی ہے، اور اس گاؤں کی آبادی بھی تقریباً ڈھائی ہزار سے اوپر ہے، اب اگر اس امام کی متابعت میں نماز عیدین ادا کی جائے تو نماز صحیح ہوگی یا نہیں؟ نیز یہ بات بھی ذہن میں رہے کہ تین چار گاؤں کے علاوہ سبھی جگہ کافی زمانہ سے جمعہ کی نماز بھی ہوتی آرہی ہے، اب اگر نماز عیدین سے لوگوں کو منع کیا جاتا



ہے تو پھر آئندہ کے لیے دشواریاں پیش آسکتی ہے مخالفت کے ساتھ، شریعت کی رو سے آپ حضرات اپنی قیمتی آراء سے نوازیں۔

**الجواب:** حامداً ومصلياً ومسلماً

شریعت میں نماز عیدین کے وجوب اور صحت کے لیے وہی تمام شرائط ہیں جو نماز جمعہ کے وجوب و صحت کے لیے ضروری قراری گئی ہیں، اس لیے اگر جس مقام پر عید گاہ واقع ہے وہ مقام کسی بڑے گاؤں یا قصبہ کی فناء میں ہے، تو وہاں عیدین کی نماز درست ہوگی؛ ورنہ نہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۲۹ شوال ۱۴۱۵ھ

الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

## عید کی نماز عید گاہ میں پڑھنا سنت ہے

**سوال:** اکثر کتب فتاویٰ میں عید گاہ کو صحراء (الجبانة) قرار دیا گیا ہے۔ البتہ زمانہ حاضرہ میں بوجہ آبادی کے بڑھ جانے سے صحراء خالصہ میں عید گاہ قائم کرنے میں مندرجہ ذیل مشکلات کا مشاہدہ اور سامنا تقریباً ہر بڑے شہر کے رہنے والے مسلمانوں کو ہوتا ہے:

اولاً: اکثر بڑے شہروں میں صحراء خالصہ حدود شہر سے کافی دوری پر واقع ہے (بعض شہروں میں تو مسافتِ قصر سے زیادہ دوری پر واقع ہے) اس بناء پر بہت سے لوگوں کو وہاں تک پہنچنے میں دقت محسوس ہوتی ہے۔

ثانیاً: وہ زمین عموماً غیروں کی ہوتی ہے جس کو خریدنے میں زحمت کی ضرورت

ہوتی ہے۔

مثالثاً: بوجہ دوری ہونے کے اور سال بھر میں صرف دو بار استعمال کرنے کے اس زمین کی دیکھ بھال مشکل ہوتی ہے۔

رابعاً: آبادی کے ہر وقت بڑھنے سے اس زمین مخصوص کی صحرائیت کے ختم ہونے کا امکان ہر وقت ہے۔

خامساً: عیدین سے قبل زمین کو تیار کرنے کے لیے، نیز دیگر انتظامات کے لیے خصوصاً نماز عید کے بعد صفائی وغیرہ کے لیے لوگوں میں عموماً سستی پائی جاتی ہے، کوئی اس ذمہ داری کو اٹھانے کے لیے تیار نہیں ہوتا۔ (ہمارے یہاں اس کا کافی مشاہدہ ہے)۔ سادساً: سال بھر میں صرف دو دفعہ استعمال میں آنے کی بناء پر استنجاء وضو وغیرہ کے انتظامات نہیں ہوتے ہیں جس کی بناء پر لوگوں کو پریشانی ہوتی ہے۔

مذکورہ بالا وجوہات کی بناء پر استفسار یہ ہے کہ جن جگہوں میں یہ مشکلات پائی جاتی ہوں ایسی جگہوں میں:

① صحراء کے علاوہ اگر شہر کے حدود کے اندر کوئی صاف خالی میدان ہو مثلاً پارک (Park)، کالجوں و اسکولوں کے میدانوں و کھیل کے میدانوں وغیرہ تو آیا ان جگہوں میں عید کی نماز ادا کرنے سے عید گاہ کی فضیلت اور سنیت حاصل ہوگی یا نہیں؟

② آیا یہ جگہ عید گاہ کے قائم مقام ہو سکتی ہے یا نہیں؟

③ نیز ایسی جگہوں میں نماز عید ادا کرنا، مساجد مختلفہ میں ادا کرنے سے افضل و اولیٰ اور زیادتِ ثواب کا مستحق ہے یا نہیں؟

مندرجہ ذیل وجوہات کو مدنظر رکھتے ہوئے جواب شافی مدلل عنایت فرمائیں:

① صورتِ بالا میں مشکلاتِ مذکورہ مرتفع ہو جاتی ہیں جس سے مسلمانوں کو سہولت حاصل ہوگی۔

② حکمتِ عید گاہ یعنی اظہارِ شوکت و جمعیتِ المسلمین حاصل ہوتی ہے جو کہ مساجدِ مختلفہ میں مشکل ہے۔

③ تکثیرِ جماعت و وحدۃ جماعتِ مسلمین حاصل ہوگی جو کہ مساجدِ متفرقہ کی صورت میں ناممکن ہے۔

الجواب: حامداً ومصلياً ومسلماً

عید کی نماز حضور اکرم ﷺ ہمیشہ عید گاہ میں ادا فرماتے تھے۔

لما ثبت أنه عليه الصلوة والسلام كان يخرج يوم الفطر ويوم الاضحى إلى المصلى (كبيرى: ٥٧٢)

ایک مرتبہ بارش کی وجہ سے عید گاہ میں نماز ممکن نہ تھی تو آپ ﷺ نے مسجد نبوی میں عید کی نماز ادا فرمائی۔

عن أبي هريرة رضى الله تعالى عنه أنه أصابهم مطر في يوم عيد فصلى بهم النبي ﷺ صلوة العيد في المسجد.

(سنن ابوداؤد شريف، باب يصلى بالناس في المسجد اذا كان يوم مطر، ١٦٤)

بنا بریں حضراتِ فقہائے احناف نے تصریح فرمائی ہے کہ عید کی نماز کا عید گاہ میں پڑھنا سنت ہے۔

والخروج إليها أى الجبانة لصلوة العيد سنة وان وسعهم المسجد

الجامع (درمختار علی هامش الشامی ١/ ٦١٢)

الخروج الى المصلی وهی الجبانة سنة وان كان يسعهم الجامع (كبرى ٥٧٢)  
 عیدگاہ (المصلی) کا مصداق تمام فقہاء اس میدان کو قرار دیتے ہیں جو آبادی  
 سے باہر ہو۔ چنانچہ درمختار کی عبارت ثم خروجه ماشيا الى الجبانة وهی  
 المصلی العام کی شرح میں علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ بحر الرائق کے حوالہ سے فرماتے ہیں:  
 (قوله المصلی العام) ای فی الصحراء بجر عن المغرب (شامی ٦١٢/١)  
 علامہ ابن نجیم رحمۃ اللہ علیہ نے اس کو مغرب کے حوالہ سے لکھا ہے:

وفي المغرب: الجبانة المصلی العام فی الصحراء (بجر الرائق ١٧٧/٢)  
 بلکہ بعض فقہاء نے تو خارج مصر کی تصریح فرمائی ہے، حضرت مولانا عبدالعلی  
 بحر العلوم رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے: ثم الافضل الصلوة فی المصلی خارج المصر  
 للتوارث (رسائل الارکان ١٢٢)

اور یہ سنیت تمام شہروں کے لیے یکساں ہے، ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ ابوداؤد کی  
 مندرجہ بالا روایت کی شرح میں فرماتے ہیں:

(اصابهم) ای الصحابة (مطر فی یوم عید فصلی بهم النبی ﷺ)  
 صلوة العید فی المسجد) ای مسجد المدينة قال ابن الملك: یعنی کان  
ﷺ یصلی صلوة العید فی الصحراء الا اذا اصابهم مطر فیصلی فی  
 المسجد، فالافضل اداءها فی الصحراء فی سائر البلدان وفي مكة  
 خلاف اھ (مرقات شرح مشکوٰۃ ٣/٢٩٨)

حضرت مولانا خلیل احمد سہارنپوری رحمۃ اللہ علیہ نے بذل المجہود ٦/٢٠٣ میں  
 بھی اس عبارت کو نقل فرمایا ہے۔

بڑے شہروں کی آبادی کا پھیلاؤ صرف دور حاضر کی خصوصیت نہیں ہے بلکہ آپ اگر تاریخ اسلام اور معاجم البلدان کا مطالعہ فرمائیں تو آپ کو معلوم ہوگا کہ آبادیوں کا اس نوع کا پھیلاؤ اس زمانہ میں بھی تھا، اس کے باوجود اس زمانہ میں کبھی یہ سوال نہیں اٹھایا گیا۔ حالاں کہ آج کل جو تیز رفتار سواریاں ایجاد ہوئی ہیں وہ اس زمانہ میں نہیں تھیں، ان سواریوں کے ذریعہ جتنی تیزی سے عید گاہ جانا ممکن ہے اس وقت نہیں تھا اگرچہ پیدل جانے میں فضیلت زیادہ ہے، مفتی اعظم حضرت مفتی محمد کفایت اللہ صاحب قدس سرہ العزیز کا ایک تفصیلی فتویٰ اس موقع پر نقل کرنا مناسب معلوم ہوتا ہے:

عیدین کی نماز ادا کرنے کا طریقہ مسنونہ و متوارثہ سلفاً و خلفاً یہی ہے کہ شہر کے باہر میدان میں ادا کی جائے اور تمام شہر کے لوگ جن کو کوئی عذر نہ ہو باہر جا کر ہی نماز ادا کریں، آل حضرت ﷺ نے بجز ایک مرتبہ کے ہمیشہ شہر کے باہر جہانہ میں ہی نماز عید ادا فرمائی ہے اور حضور ﷺ کے بعد خلفائے راشدین کے فعل سے بھی یہی ثابت ہے اور ایک مرتبہ جو شہر میں حضور ﷺ نے نماز عید پڑھی ہے، اس کی وجہ یہ تھی کہ بارش کی وجہ سے باہر جانا دشوار تھا، ہمیشہ شہر سے باہر عید کے لیے تشریف لے جانا ظاہر ہے کہ کوئی عادی فعل نہیں تھا بلکہ نماز کی باہر افضلیت کی بناء پر تھا، اس بناء پر محققین احناف بلا عذر شہر میں نماز عید ادا کرنے کو خلاف سنت اور مکروہ کہتے ہیں لیکن یہ ضرور ہے کہ شہر کے تمام لوگ باہر جانے کے لائق نہیں ہوتے، کیوں کہ آبادی میں بوڑھے، اور کمزور اور مریض وغیرہ بھی ہوتے ہیں اس لیے یہ بھی سنت ہے کہ امام شہر کی جامع مسجد میں اپنے نائب کو نماز عید پڑھانے کے لیے چھوڑ جائے تاکہ معذورین کی نماز بھی آسانی سے ہو جائے اور اگر شہر بڑا ہو اور تمام معذورین کا ایک مسجد میں جمع ہونا بُعد اطراف

شہر کی وجہ سے مشکل ہو تو دو تین مسجدوں میں نماز عید ہو سکتی ہے، میدان میں نماز پڑھنے سے یہی مراد ہے کہ شہر کی آبادی سے باہر جا کر میدان میں پڑھی جائے، بعض عبارات میں لفظ صحراء واقع ہے جو آبادی سے باہر کے میدان پر بھی صادق آتا ہے۔ الخ  
(کفایت المفتی ۳/۲۷۱)

آپ نے جن مشکلات کا تذکرہ اپنے استفتاء میں فرمایا ہے اس کا بھی تجزیہ ضروری ہے:

پہلی وجہ جو آپ نے تحریر فرمائی ہے وہ اسی زمانہ کی پیداوار نہیں ہے، پہلے بھی بڑے شہروں میں یہ دشواری موجود تھی اس کے باوجود حضرات فقہاء نے اس کا اعتبار نہیں کیا۔ نیز جو حضرات ایسے ہیں کہ ان کے لیے وہاں پہنچنا دشوار ہے تو وہ معذورین میں شمار ہو کر ان کے لیے شہر ہی میں عید کی نماز ادا کرنا بلا کراہت درست ہوگا، ایک بات یاد رہے کہ یہ ضروری نہیں کہ وہ میدان حدود میونسپلٹی سے باہر ہو بلکہ مکانات آبادی سے باہر ہونا کافی ہے۔ (کما صرح الشیخ العلامة ظفر احمد التھانوی فی امداد الاحکام ۱/ ۶۷۸)

دوسری وجہ بھی کوئی قوی نہیں ہے خریدنے کی ضرورت بار بار نہیں پڑتی، ایک مرتبہ خریدنے کے بعد آئندہ وہ کام دیتی رہے گی، نیز جب تک خریدنے کی استطاعت حاصل نہ ہو وہاں تک مالک کی اجازت سے یا کرایہ پر لے کر کام چلا سکتے ہیں۔ تیسری، چوتھی، پانچویں وجہ بھی ایسی نہیں جس کو نئی وجہ کہا جاسکے، یہ دشواریاں تو پہلے بھی تھیں، اس کے باوجود فقہاء نے اس کا اعتبار نہیں فرمایا۔

چھٹی وجہ جو آپ نے تحریر فرمائی ہے اس کے متعلق یہ سوال ہے کہ کیا عید گاہ میں

استیحاء ووضوء کا نظم کرنا ضروری ہے یا مستحب ہے؟ مساجد کے متعلق تو بعض روایات حدیث، نیز تعاملِ سلف سے اس کا ثبوت ہے لیکن عید گاہ کے متعلق دونوں میں سے کسی سے ثبوت نہیں ہے۔

اس لیے حق تو یہ ہے کہ آپ نے جن مشکلات کا سماں باندھا ہے فقہاء کے نزدیک اس کی کوئی حیثیت نہیں ہے۔

اب آپ کے سوالات کے جوابات پیش ہیں:

① حدود شہر میں کسی میدان وغیرہ میں نمازِ عید ادا کرنے سے نمازِ عید تو صحیح ہو جائے گی مگر سنت ادا نہ ہوگی، سنت یہی ہے کہ شہر کی آبادی سے باہر عید گاہ ہو۔

(امداد الاحکام / ۱ / ۶۷۹)

② نہیں۔

③ اگر شہر میں جامع مسجد یا اور کوئی مسجد اتنی بڑی ہے جو شہر کے تمام لوگوں کے لیے کافی ہو تو جب تک عید گاہ کا بندوبست نہ ہو جائے اس ایک مسجد میں تمام لوگ نماز عید ادا کریں، اور اگر شہر میں ایسی بڑی کوئی مسجد نہیں ہے تو مختلف مقامات پر مختلف جماعتوں میں نمازِ عید پڑھنے کے بجائے ایک جگہ تمام مسلمانوں کا مل کر پڑھنا اولیٰ ہے۔ (احسن الفتاویٰ ۳ / ۱۱۹) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۱۰ / صفر المظفر ۱۳۱۲ھ

الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ

آبادی میں مسجد کے باہر نماز عید ادا کرنا

سوال: عیدین کی جماعت مسجد میں ہوتی تھی؛ مگر اب چند سالوں سے کثرت

ناس و صبیان کی وجہ سے امام مسجد نے مسجد سے متصل شرقی جانب جو کھلی جگہ ہے، جس کو یہاں کی زبان میں ”اڑان“ کہتے ہیں، اس میں نماز عید شروع کر دی، اس ”اڑان“ میں لوگوں کی آمد و رفت، محلہ کے بچوں کا کھیل کود، بچوں کا سائیکل چلانا وغیرہ سب کچھ ہوتا ہے، بالکل چھوٹے بچے کبھی کبھی پیشاب وغیرہ بھی کر دیتے ہیں؛ بہر حال عید کے موقع پر اس کی صفائی ہوتی ہے، اس پر درمی بچھا کر چٹائی بچھادی جاتی ہے، اس موقع پر اس جگہ کو عید گاہ کے نام سے یاد کرتے ہیں۔

محض سوال یہ کہ سامنے مسجد چھوڑ کر صرف عیدین کی نماز ادا کرتے ہیں؛ جب کہ ایک اور شکل ممکن ہے وہ کہ تمام بالغین مسجد میں (مع صحن مسجد) رہیں اور بچوں کی صف باہر اڑان میں لگادی جائے؛ بہر حال اس میں کراہت، حسن اور صحت و افضلیت وغیرہ کا کچھ فرق ہے یا نہیں؟ اور اس طرح کرنا کہاں تک درست ہے؟

**الجواب:** حامداً و مصلياً و مسلماً

آبادی کے مکانات سے باہر میدان میں عید کی نماز پڑھنا مسنون ہے، اس لیے اگر کھلی جگہ ہی میں پڑھنا ہے تو آبادی سے باہر کوئی کھلی جگہ اس کام کے لیے پسند کر لی جائے؛ تاکہ یہ سنت ادا ہو، باقی آبادی کے اندر رہ کر مسجد یا مسجد سے باہر میدان میں یکساں ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۱۲ / شوال ۱۴۱۰ھ

الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ



## نماز عید عید گاہ میں پڑھے یا میدان میں؟

**سوال:** عید گاہ شہر کے کنارے پر نہ ہو؛ بلکہ آبادی میں اگر کوئی خالی میدان ہو، مثلاً اسکول کا میدان یا کھیل کا کوئی میدان یا مدرسہ کا صحن وغیرہ، تو کیا اس میں گنجائش ہے؟

**الجواب:** حامداً ومصلياً ومسلماً

عید گاہ آبادی سے دور باہر جنگل میں ہونی چاہیے۔

ثم خروجه ماشياً إلى الجبانة، وهي المصلى العام (در مختار) هو الذي يكون في الصحراء أفاده في البحر (طحطاوی علی الدر ۱/۵۶۰، شامی ۱/۶۱۲) وفي التجنيس: والخروج إلى الجبانة سنة لصلوة العيد وفي المغرب: الجبانة: المصلى العام في الصحراء الخ (البحر الرائق ۱/۱۰۹)

آں حضرت ﷺ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی نماز کے لیے جنگل تشریف لے جایا کرتے تھے؛ لہذا آبادی کے باہر عید گاہ کا انتظام ضروری ہے، جس میدان کا سوال میں ذکر ہے وہ بھی آبادی کے اندر ہے، اور وہاں کھیل تماشے کے کام بھی ہوتے ہیں، اس لیے بہتر یہ ہے کہ جب تک عید گاہ کا انتظام نہ ہو مسجد میں ہی نماز پڑھ لیا کریں، اور عید گاہ بنانے کی فکر میں رہیں۔ (از فتاویٰ رحیمیہ ۵/۳۱ ملخصاً) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد غنی عنہ خانپوری

## نماز عید کے بعد طویل دعا مانگنا

**سوال:** عید کی نماز کے بعد حالت یہ ہے کہ اکثر و بیشتر طویل طویل دعائیں کی جاتی ہیں، بعض اوقات تو اتنی طویل دعا ہوتی ہے جو خطبہ اور نماز کی مقدار سے بھی

آگے بڑھ جاتی ہے، آیا نمازِ عید کے بعد اولاً دعا کا ثبوت ہے؟ اور اگر ہے تو اس قدر طویل دعائیں کرنا ثابت ہے؟ حضرت اقدس مفتی محمود صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے ”ملفوظات“ میں ایک قصہ لکھا ہے کہ: حضرت مولانا رسول خاں صاحب کے پاس شایخ پتوں کے ساتھ لایا گیا، چونکہ شایخ کے پتے شایخ سے بڑے ہوتے ہیں؛ لہذا حضرت نے فرمایا: ”ما بالذات انقص“ اور ”ما بالعرض ازید“. یہی کیفیت یہاں پر معلوم ہوتی ہے۔

الجواب: حامداً ومصلياً ومسلماً

نمازِ عید کے بعد ایسی طویل دعا جو مصلیوں کو حرج میں ڈالنے والی ہو درست نہیں، یہ سب چیزیں منشاءِ شریعت سے ناواقفیت اور غفلت کی علامت ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد خانپوری، ۲/ صفر المظفر ۱۴۲۲ھ  
الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ

عیدین میں دعا نماز کے بعد کرے یا خطبہ کے بعد؟

حضرات اکابر کا معمول

سوال: ہمارے یہاں عید گاہ میں عید کی نماز کے لیے دو امام مقرر ہیں، ایک سال ایک امام عیدین کی نماز پڑھاتے ہیں، اور دوسرے سال دوسرے امام، ان دونوں اماموں میں ایک امام خطبہ کے بعد دعا مانگتے ہیں، اور دوسرے نماز کے بعد

متصلاً دعا مانگتے ہیں، اس میں سے کونسا طریقہ مسنون اور درست ہے؟ نیز ہمارے یہاں ایک مرتبہ عید الفطر کے موقع پر امام صاحب نے عید کی نماز پڑھائی اور پھر خطبہ کے لیے کھڑے ہونے جا رہے تھے (اور دعا خطبہ کے بعد مانگنے والے تھے) کہ وہ دوسرے امام صاحب کھڑے ہو گئے، اور کہنے لگے کہ مولانا یہ طریقہ درست نہیں ہے، نماز کے بعد متصلاً دعا ہونی چاہیے، یہی طریقہ مسنون ہے، خطبہ کے بعد دعا صحیح نہیں ہے، تو اس امام صاحب نے کہا کہ یہ کہاں لکھا ہے؟ اتنا کہہ کر وہ خطبہ کے لیے منبر پر چلے گئے تو وہ دوسرے امام صاحب نے پھر مجمع میں اعلان کیا، کہ بھائی! اصل مسنون طریقہ نماز کے بعد متصلاً دعا ہے؛ بہر حال خطبہ کے بعد دعا ہوئی پھر اس کے بعد کچھ دنوں کے بعد اس امام صاحب نے جو نماز کے بعد دعا کے قائل تھے، حوالہ پیش کیا وہ حوالہ ”فتاویٰ رحیمیہ ۳/ ۵۷“ ”دعا نماز کے بعد کرے خطبہ کے بعد ثابت نہیں“ الخ پر ہے۔ پھر اس کے بعد وہ دوسرے امام صاحب نے عید الاضحیٰ سے پہلے اپنی بات کا حوالہ تلاش کیا وہ حوالہ ”فتاویٰ رحیمیہ ج/ ۵ ص/ ۸۱“ ”عید کی نماز کے بعد دعا کرنا“ الخ پر ہے۔ اس حوالہ کو عید الاضحیٰ کے موقع پر عید گاہ میں سنانا چاہا لیکن بعض حضرات نے روک دیا کہ عوام میں مسائل نہ چھیڑے جائیں، تو وہ امام صاحب رک گئے؛۔ بہر حال وہ دوسرے امام صاحب نے جو حوالہ پیش کیا اس میں ہے کہ خطبہ کے بعد دعا مانگ سکتے ہیں اگر لازم نہ قرار دے۔ اور ہمارے یہاں دونوں طریقے اس سے پہلے ہو چکے اس میں کسی نے اعتراض نہیں کیا، تو معلوم ہوا کہ کوئی بھی دعا کو نماز کے بعد ہی یا خطبہ کے بعد ہی لازم نہیں کہتا ہے، اور یہ بھی لکھا ہے کہ عید کی نماز کے بعد دعا کسی سے بھی منقول نہیں ہے، اور پہلے امام صاحب نے جو حوالہ پیش کیا ہے

اس کا جواب بھی فتاویٰ رحیمیہ ۵ / ۸۳ پر ہے تو سوال یہ ہے کہ کونسا طریقہ مسنون ہے؟ نیز اس امام کا کھڑے ہو کر بھرے مجمع میں یہ احتجاج کرنا کیسا ہے؟ نیز قول فیصل اور مفتی بہ قول سے مطلع فرما کر ہماری رہنمائی فرمائیں؛ نیز فتاویٰ رحیمیہ کی دونوں عبارتوں پر نظر فرما کر کس طریقہ پر عمل کیا جائے اور کس طرح دعا مانگی جائے؟

**الجواب:** حامداً ومصلياً ومسلماً

عیدین میں دعا کی دو صورتوں (نماز کے بعد متصلاً دعا، اور خطبہ کے بعد دعا) کے متعلق آپ نے دریافت فرمایا ہے کہ اس میں سے کونسا طریقہ مسنون اور درست ہے؟ سب سے پہلے ضروری ہے کہ لفظ مسنون کی مراد متعین کر لی جائے۔ لفظ مسنون بول کر کبھی تو مراد یہ ہوتی ہے کہ یہ کام نبی کریم ﷺ نے کیا ہے، یا صریح الفاظ میں آپ نے اس کو کرنے کے لیے فرمایا ہے۔ اس اعتبار سے دیکھا جائے تو عیدین میں دعا نماز کے بعد متصلاً یا خطبہ کے بعد ثابت نہیں۔ یعنی کسی روایت میں صراحت کے ساتھ یہ نہیں آیا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے عید کی نماز کے بعد دعا مانگی یا خطبہ سے فراغت کے بعد دعا مانگی، اسی طرح روایت قولیہ میں بھی کسی روایت میں صراحت کے ساتھ نماز عید کے بعد متصلاً یا خطبہ عید کے بعد دعا کا تذکرہ نہیں۔ چنانچہ ہمارے اکابر کے فتاویٰ میں جہاں یہ لکھا ہے کہ عید کی نماز کے بعد متصلاً یا خطبہ عید کے بعد دعا مسنون اور ثابت نہیں، وہاں پر یہی مراد ہے۔

دیکھئے: کفایت المفتی ۳ / ۳۰۶، ۲۷۳، ۳۰۳، ۳۰۴۔ امداد الاحکام

۱ / ۶۲۹ - فتاویٰ محمودیہ ۲ / ۲۹۵، ۳۶۱، ۱۶ / ۵۴۰ - خیر الفتاویٰ ۳ / ۱۲۸ - آپ

کے مسائل اور ان کا حل ۲/ ۴۱۷۔ امداد الفتاویٰ ۱/ ۶۰۲، ۶۰۳، ۶۰۴، ۶۰۷۔  
 فتاویٰ سنگرہ (گجراتی) ۳/ ۱۰۳، ۱۰۴۔ فتاویٰ رحیمیہ ۸/ ۱۰۵۔ احسن الفتاویٰ ۳/ ۱۱۵۔  
 اور لفظ مسنون بول کر کبھی تو یہ مراد ہوتا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے احکام شرع کے  
 سلسلہ میں اصولی ارشادات اور ہدایات دی ہیں جن سے ایک عام قاعدہ کی شکل میں  
 کوئی حکم ثابت ہوتا ہے، جس کے ماتحت بہت ساری جزئیات داخل ہوتی ہیں۔ (اگرچہ  
 ان جزئیات کی تصریح روایت میں موجود نہیں) ان تمام جزئیات پر ثابت ہونے  
 والے حکم کو بھی مسنون سے تعبیر کیا جاتا ہے، اس اعتبار سے دیکھا جائے تو عیدین میں  
 نماز عید کے بعد کی جانے والی دعا کو اکثر اکابر نے اپنے فتاویٰ میں مسنون اور ثابت  
 کے الفاظ سے تعبیر کیا ہے۔ دیکھیے: کفایت المفتی ۳/ ۳۰۶، ۲۷۳، ۳۰۳، ۳۰۴۔  
 امداد الاحکام ۱/ ۶۵۱، ۶۵۴۔ فتاویٰ دارالعلوم ۵/ ۲۰۲، ۲۱۳، ۲۲۵، ۲۳۱۔  
 فتاویٰ محمودیہ ۷/ ۲۱۸، ۲/ ۲۶۱، ۲۹۵، ۳۰۷، ۳۱۱، ۱۶/ ۵۴۰۔ خیر الفتاویٰ  
 ۳/ ۱۲۷، ۱۲۸۔ آپ کے مسائل اور ان کا حل ۲/ ۴۱۷۔ امداد الفتاویٰ ۱/ ۶۰۲،  
 ۶۰۳، ۶۰۴، ۶۰۷۔ احسن الفتاویٰ ۳/ ۱۱۵۔ فتاویٰ سنگرہ (گجراتی) ۳/ ۱۰۳،  
 ۱۰۴۔ امداد المفتیین ص ۴۰۸۔ عزیز الفتاویٰ ص ۳۰۱، ۳۰۷۔ فتاویٰ رحیمیہ  
 ۳/ ۷۵، ۸/ ۱۰۵۔  
 اور اسی اعتبار سے بعض اکابر نے جن کی تعداد بہت کم ہے، خطبہ کے بعد کی  
 جانے والی دعا کو بھی مسنون اور ثابت لکھا ہے۔ دیکھیے: کفایت المفتی ۳/ ۲۷۳،  
 ۳۰۳، ۳۰۴، ۳۰۶۔ آپ کے مسائل اور ان کا حل ۲/ ۴۱۷۔ احسن الفتاویٰ  
 ۳/ ۱۱۵۔ (طبع دوم)۔

اس لیے آپ کے یہاں عید کے موقع پر جو واقعہ پیش آیا، جس میں ایک امام صاحب نے (جو نماز عید کے بعد متصلاً دعا پر عامل ہیں) دوسرے امام صاحب پر (جو خطبہ عید کے بعد دعا پر عامل ہیں) لوگوں کے بھرے مجمع میں نکیر کی، ان کا یہ اقدام ہرگز مناسب نہیں تھا، چنانچہ ہو بہو اسی طرح کا واقعہ کسی جگہ پیش آنے پر حضرت مفتی سید عبدالرحیم صاحب لاچپوری نور اللہ مرقدہ سے سوال کیا گیا۔ حضرت نے جس کا تفصیلی جواب عنایت فرمایا جو فتاویٰ رحیمیہ ۵/ ۸۱ تا ۸۴ میں دیکھا جاسکتا ہے، اس میں حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے ہمارے اکابر کے دونوں قسم کے فتاویٰ نقل کرنے کے بعد اپنا رجحان تو یہی بتلایا کہ دعا نماز عید کے بعد متصلاً ہی مناسب ہے، اس کے باوجود مجمع عام میں نکیر کرنے والے صاحب کے متعلق یہ تحریر فرمایا ہے کہ ”مجمع عام میں جو کچھ ہوا غلط ہوا، جنہوں نے یہ نازیبا حرکت کی ہے اس کے ذمہ اس کی تلافی لازم ہے“ اس لیے آپ کے اس سوال کے جواب میں کہ ”اس امام کا بھرے مجمع میں کھڑے ہو کر یہ احتجاج کرنا کیسا ہے“ ہم بھی وہی بات پیش کرتے ہیں جو حضرت اقدس مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے تحریر فرمائی ہے، ان امام صاحب کو چاہیے کہ وہ اپنی اس نازیبا حرکت کی تلافی کریں، اور دوسرے امام صاحب نے جو فتاویٰ رحیمیہ میں مذکورہ بالا تفصیلی فتویٰ دیکھنے کے بعد مجمع عام میں جب اس کو پیش کرنے کا ارادہ کیا لیکن بعض حضرات کے یہ مشورہ دینے پر کہ عوام میں اس طرح کے مسائل نہ چھیڑے جائیں، وہ اپنے اس ارادہ سے باز رہے، ان کے اس اقدام کی جتنی بھی تعریف کی جائے کم ہے، واقعہ یہ ہے کہ انہوں نے عالمانہ وقار کی لاج رکھی۔ فجزاھم اللہ تعالیٰ خیر الجزاء۔

آپ نے آخر میں قول فیصل بھی دریافت کیا، بھلا ہماری کیا مجال ہے کہ ان اکابر

کی باتوں پر محاکمہ کر کے قول فیصل کے نام سے کوئی بات پیش کریں؛ البتہ ایسے موقع پر ہمارے اکابر کا جو عمل ہوا کرتا ہے اسی کو اپنانے کے لیے طبیعت مائل ہوتی ہے، چنانچہ اس سلسلہ میں حضرت اقدس و مولانا مفتی عزیز الرحمن صاحب عثمانی نور اللہ مرقدہ (دارالعلوم دیوبند کے اولین صدر مفتی) تحریر فرماتے ہیں ”ہمارے اکابر مثل حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی قدس سرہ، اور حضرت مولانا قاسم صاحب نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ اور دیگر حضرات اساتذہ مثل حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب رحمۃ اللہ علیہ (صدر مدرس سابق مدرسہ ہذا) اور حضرت (شیخ الہند) مولانا محمود حسن صاحب رحمۃ اللہ علیہ (صدر مدرس مدرسہ ہذا) وغیر ہم کا یہی معمول رہا ہے کہ بعد عیدین کے بھی مثل تمام نمازوں کے ہاتھ اٹھا کر دعا مانگتے تھے۔ (فتاویٰ دارالعلوم عزیز الفتاویٰ دارالاشاعت کراچی ۷۰۷ء)

احقر کو بھی اپنے جن اکابر کو عید پڑھتے ہوئے دیکھنے کا موقع ملا ہے، ان تمام کو نماز عید کے بعد ہی دعا کرتے ہوئے دیکھا، خطبہ کے بعد نہیں، اس لیے مناسب یہی ہے کہ نماز عید کے بعد ہی دعا کا اہتمام کیا جائے، خصوصاً جب کہ خطبہ کے بعد کی جانے والی دعا کو بعض اکابر نے بدعت بھی لکھا ہے۔ دیکھیے: فتاویٰ دارالعلوم

۵/ ۲۱۳، ۲۲۵، ۲۳۱۔ فتاویٰ محمودیہ ۷/ ۲۱۸، ۲/ ۲۹۵، ۷۰۷، ۳۱۱۔ خیر الفتاویٰ ۳/ ۱۲۸۔ امداد الفتاویٰ ۱/ ۶۰۲، ۶۰۶۔ فتاویٰ سنگرہ (گجراتی) ۳/ ۱۰۴۔ عزیز الفتاویٰ ص ۳۰۱۔ فتاویٰ رحیمیہ ۳/ ۷۵، ۸/ ۱۰۵۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

املاہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۶/ ربیع الاول ۱۴۲۷ھ

الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ

## دعا نماز عید کے بعد یا خطبہ کے بعد؟

**سوال:** ہمارے یہاں عیدین کی نماز میں دعا خطبے کے بعد ہوتی ہے، نماز کے بعد نہیں ہوتی، اس کا اصل وقت کب ہے؟ نماز کے بعد یا خطبے کے بعد؟ ہمارے یہاں چند سالوں سے اس مسئلے میں شدت برتی جا رہی ہے، راجح قول احادیث کی روشنی میں تحریر فرمائیں۔

**الجواب:** حامداً ومصلياً ومسلماً

خصوصیت سے بعد عید یا بعد خطبہ دعا کی تصریح حضور اکرم ﷺ سے منقول نہیں؛ البتہ بعدِ صلاة مطلقاً دعا کا ثبوت بہت سی احادیث سے ہے، نیز اس وقت کو اوقاتِ اجابت میں حصن حصین وغیرہ میں شمار کیا ہے، اور متبادر بعدِ صلاة سے بعدیت متصلہ ہے؛ لہذا بعدِ صلاة دعا نہ کرنا اور بہ جائے اس کے بعد خطبہ مقرر کرنا بہ ظاہر تغیر سنت ہے۔ (فتاویٰ محمودیہ ۲/۲۹۵)

بخاری شریف میں باب موعظة الإمام النساء يوم العيد میں حضرت جابر بن عبد اللہ کی روایت کے الفاظ: فبدأ بالصلاة ثم خطب فلما فرغ نزل فأتى النساء فذكرهن إلخ (بخاری ۱۳۳/۱) سے معلوم ہوتا ہے کہ، خطبے سے فارغ ہو کر منبر سے اتر کر سیدھے آپ ﷺ عورتوں کے مجمع میں وعظ و نصیحت کے لیے تشریف لے گئے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری ۹ جمادی الاخریٰ ۱۴۱۹ھ

الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ



## عیدین کے خطبے کے بعد طویل دعا کرنا

### عیدین میں مصافحہ و معانقہ کرنا

**سوال:** بعد خطبہ عیدین امام کا طویل دعا اجتماعی کرنا کیسا ہے؟ جب کہ عوام واجب الاقتداء جان رہی ہو، اگر درست نہیں تو روکنے کا کون طریقہ اختیار کیا جاسکے؟ نیز مصافحہ و گلے ملنا وغیرہ کیسا ہے؟ جب کہ عوام امام صاحب کو دائرے میں لیے ہوتے ہیں کہ فرار بھی مشکل۔ (بعض صورت میں امام کی مدد مقصود بھی ہوتی ہے)۔

**الجواب:** حامداً و مصلياً و مسلماً

نماز عید کے بعد دعا کریں، بعد خطبہ دعا کرنا بے اصل ہے۔ عید کا مصافحہ و معانقہ بدعت ہے۔ (فتاویٰ محمودیہ ۲/۳۱۱) عوام کی تربیت فرماتے ہوئے ان کو سنت کی اہمیت اور بدعت کی قباحت سے آگاہ فرمائیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۲۹ شوال ۱۴۱۵ھ  
الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

### نماز عید کے بعد مصافحہ و معانقہ کرنا

**سوال:** عید کے دن یا کسی بھی نماز کے بعد معانقہ کرنا کیسا ہے؟ اگر ثابت نہیں تو کس وقت ملنا ثابت ہے اور کتنی بار؟

**الجواب:** حامداً و مصلياً و مسلماً

عید کی نماز کے بعد ملنا اور معانقہ و مصافحہ کرنا کوئی امر مسنون نہیں ہے، لوگوں کی

اختراعات اور بدعات میں سے ہے، احادیث میں جہاں تک معلوم ہے اس کا پتہ نہیں چلتا، غیبو بت کے بعد مصافحہ اور طویل غیبو بت پر معائنہ ثابت ہے۔ (فتاویٰ رحیمیہ ۳۷۶/۲)

شامی میں منقول ہے: (کسی بھی) نماز کے بعد مصافحہ کا رواج مکروہ ہے، جس کی دلیل یہ ہے کہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نماز کے بعد مصافحہ نہ کرتے تھے، اور کراہت کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ یہ روافض کا طریقہ ہے۔ (ایضاً ۳/۷۲) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد غنی عنہ خانپوری، ۳۰ رذوالقعدہ ۱۴۱۳ھ

## مصافحہ بعد العیدین کا حکم

**سوال:** مصافحہ بعد العیدین کیا جائز ہے؟ خصوصاً امام یا خطیب عیدین ان کے لیے، ان پر تو لوگ ٹوٹ پڑتے ہیں، اپنے لیے سعادت مندی سمجھتے ہیں، آٹھ کھاٹ تین سوساٹھ والی نمازوں کے علاوہ مسجد میں آنے کا نام نہ لینے والا جاہل طبقہ بالکل مسائل سے جو ناواقف ہو وہ تو حد درجہ کی سعادت مندی سمجھتا ہے، مصافحہ نہ کرنے پر تو طعن و تشنیع کی حد کر دیتا ہے، کسی کو مسئلہ بتا بھی دیا جائے تو وجدنا اباہنا کے علاوہ کچھ جواب نہیں ملتا، دریں صورت مصافحہ کیا حکم رکھتا ہے؟

**الجواب:** حامداً ومصلياً ومسلماً

عید کا مصافحہ کرنے کا جو رواج ہے، یہ ٹھیک نہیں ہے، یہ بدعت اور مکروہ ہے، شامی کی پانچویں جلد میں فقہ کی متعدد کتب سے اس کا بدعت اور ممنوع ہونا نقل کیا ہے۔ (فتاویٰ محمودیہ ۲۱۶/۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد غنی عنہ خانپوری، ۸ رذوالقعدہ ۱۴۱۳ھ

## تکبیر تشریق ایک بار کہنا سنت ہے

**سوال:** ایام تشریق میں تکبیرات ہر نماز کے بعد ایک مرتبہ کہنا واجب ہے، تو کیا تین مرتبہ پڑھنے کی کوئی حقیقت ہے؟ کیوں کہ ہمارے یہاں تین مرتبہ پڑھنے کا رواج ہے۔

**الجواب:** حامداً ومصلياً ومسلماً

راجح یہ ہے کہ ایک بار سے زیادہ کہنا خلاف سنت ہے۔ (احسن الفتاویٰ ۱۳۲/۲) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عنی عنہ خانپوری ۹ جمادی الاخریٰ ۱۴۱۹ھ  
الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ

## عیدین میں جماعتِ ثانیہ کا جواز

**سوال:** ہمارے یہاں برطانیہ میں عید الفطر اور عید الاضحیٰ کے موقع پر بڑا مجمع ہونے کی بناء پر ایک ہی جگہ پر دو یا تین مرتبہ عید کی نماز اور خطبہ کا نظم کرنا پڑتا ہے، یہاں کا موسم خصوصاً ایام سردی میں ایسا نہیں ہوتا کہ اس میں باہر کھلی جگہ میں نماز کا بندوبست کیا جائے، نیز عام طور پر مسجد کے متصل ایسی جگہیں نہیں ہوتیں کہ مسجد کی نماز کے ساتھ ہی باہر انتظام کیا جاسکے، بعض بعض جگہوں پر بعض موسموں میں باہر بھی نماز کا انتظام ہوتا ہے لیکن بہت سی جگہوں پر جگہ کی تنگی اور مجمع کی کثرت کے پیش نظر ایک ہی جگہ پر متعدد مرتبہ نماز کا انتظام کرنا پڑتا ہے، تو شرعاً اس کی گنجائش ہے کہ نہیں؟ رہنمائی فرمائیں۔

جناب والا کی جان کاری کے لیے یہ بھی لکھنا مناسب ہے کہ یہاں جن جگہوں

پر نماز عید ہوتی ہے، اس کی تین صورتیں ہیں:

① مسجد جو عرفاً و شرعاً مسجد ہے، اور انتظامیہ کمیٹی نے جس کے مسجد شرعی ہونے کی نیتیں کر رکھی ہیں، چاہے وہ مستقلاً مسجد تعمیر کی گئی یا کوئی دوسرا مکان خرید کر اس میں مسجد شرعی کی نیت کر لی گئی۔

② عبادت گاہ، مصلیٰ PRAYERHALL کوئی عمارت تعمیر کی گئی یا خریدی گئی، جس میں پنج گانہ نماز اور جمعہ بھی ادا ہوتا ہے لیکن انتظامیہ کمیٹی نے ابھی اس کی باقاعدہ مسجد شرعی ہونے کی نیت نہیں کی ہے لیکن روزانہ کی نماز اور نماز جمعہ برابر ادا ہو رہی ہے، اگرچہ بہت سی جگہوں پر ایسی عمارت کو بھی لوگ اپنے عرف اور بول چال میں مسجد کا نام دیتے ہیں لیکن حقیقت میں ابھی تک وہ مسجد شرعی نہیں ہے۔

③ محض عیدین کے خاطر بڑے ہال یا کمرے عید کے دن کے لیے اجرتاً یا عاریتاً لے لیے جاتے ہیں، اور کبھی موسم سازگار ہو تو کھلی جگہ میں بھی عید کی نماز کا انتظام ہوتا ہے۔

ان تینوں صورتوں میں دو یا تین یا متعدد مرتبہ ایک ہی جگہ پر عید کی نماز قائم کرنے کا حکم تفصیل سے مرحمت فرمائیں۔

نوٹ: ہر جماعت میں الگ امام کا انتظام کیا جاتا ہے۔

**الجواب:** حامداً ومصلياً ومسلماً

ويكره تكرار الجماعة باذان واقامة في مسجد محلة، لا في مسجد طريق او مسجد لا امام له ولا مؤذن (الدر المختار على هامش رد المحتار ۱/ ۴۰۸، ۴۰۹)  
قال الشامي: (قوله: ويكره) اي تحريماً لقول الكافي لا يجوز والمجمع

لا يباح، وشرح الجامع الصغير انه بدعة كما في رسالة السندی، (قوله باذان واقامة الخ) عبارته في الخزائن: اجمع مما هنا ونصبها يكره تكرار الجماعة في مسجد محلة باذان واقامة الا اذا صلى بهما فيه اولاً غير اهله او اهله لكن بمخافتة الاذان ولو كرر اهله بدونهما او كان مسجد طريق جاز اجماعاً كما في مسجد ليس له امام ولا مؤذن ويصلى الناس فيه فوجاً فوجاً، فان الافضل ان يصلى كل فريق باذان واقامة على حدة كما في أمالي قاضيخان اه ونحوه في الدرر والمراد بمسجد المحلة ماله امام وجماعة معلومون كما في الدرر وغيرها، قال في المنيع: والتقييد بالمسجد المختص بالمحلة، احتراز من الشارع، وبالاذان الثاني، احتراز عما اذا صلى في مسجد المحلة جماعة بغير اذان حيث يباح اجماعاً اه ثم قال في الاستدلال على الامام الشافعي النافي للكراهة ما نصه ولنا انه عليه الصلوة والسلام كان خرج ليصلح بين قوم فعاد الى المسجد وقد صلى اهل المسجد فرجع الى منزله فجمع اهله وصلى ولو جاز ذلك لما اختار الصلوة في بيته على الجماعة في المسجد، ولان في الاطلاق هكذا تقليل الجماعة معنى فانهم لا يجتمعون اذا علموا انها لا تفوتهم واما مسجد الشارع فالناس فيه سواء لا اختصاص له بفريق دون فريق اه..... وقد مننا في باب الاذان عن آخر شرح المنية عن ابي يوسف انه اذا لم تكن الجماعة على الهيئة الاولى لا تكره والا تكره وهو الصحيح، وبالعدول عن المحراب تختلف الهيئة كذا في البزازية انتهى وفي التاتارخانية: عن الوالوجية وبه ناخذ (شامى ١/ ٤٠٨، ٤٠٩)

بل یکره فعلهما، وتکرار الجماعة الا فی مسجد علی طریق، فلا بأس بذلك جوهره ( الدر المختار علی هامش رد المحتار ۱/ ۲۹۱) قال الشامی: (قوله وتکرار الجماعة) لما روى عبد الرحمن بن ابی بکر عن ابيه ان رسول الله ﷺ خرج من بيته ليصلح بين الانصار، فرجع وقد صلى في المسجد بجماعة، فدخل رسول الله ﷺ في منزل بعض اهله، فجمع اهله فصلى بهم جماعة، ولو لم يكره تکرار الجماعة في المسجد لصلى فيه، وروى عن انس ان اصحاب رسول الله ﷺ كانوا اذا فاتتهم الجماعة في المسجد صلوا في المسجد فرادى، ولان التكرار يؤدي الى تقليل الجماعة، لان الناس اذا علموا انهم تفوتهم الجماعة يتعجلون فتكثر والا تأخروا ه بدائع وحينئذ فلو دخل جماعة المسجد بعد ما صلى اهله فيه فانهم يصلون وحدانا وهو ظاهر الرواية ظهيرية وفي آخر شرح المنية: وعن ابی حنيفة لو كانت الجماعة اكثر من ثلاثة يكره التكرار، والا فلا، وعن ابی يوسف اذا لم تكن على الهيئة الاولى لا تکره والا تکره، وهو الصحيح، وبالعدول عن المحراب تختلف الهيئة كذا في البزازیة اه وفي التاتارخانية عن الولوجية وبه نأخذ وسيأتی فی باب الامامة ان شاء الله تعالى لهذه المسئلة زيادة كلام (شامی ۱/ ۲۹۱)

عمدة الفقه میں ہے: محلہ کی مسجد میں دوسری جماعت مکروہ تحریمی ہے، یعنی اگر محلہ کی مسجد جس میں امام اور جماعت کے وہ لوگ جو ہمیشہ آنے والے اور مقرر ہیں، بلند آواز سے اذان اور اقامت کہہ کر نماز پڑھ چکے ہوں، تو اب وہاں اذان و اقامت کے ساتھ دوبارہ جماعت کرنا مکروہ تحریمی ہے، امام ابو یوسف رضی اللہ عنہ کے نزدیک اگر

بغیر اذان و اقامت کے ہو اور ہیئت بدل دی جائے تو مکروہ نہیں، اور محراب کے بدلنے سے یعنی جس جگہ پہلے امام نے نماز پڑھی ہے دوسرے امام کے اس جگہ سے ہٹ کر کھڑا ہو جانے سے ہیئت بدل جاتی ہے، اور اسی قول پر فتویٰ ہے، (پس اگر کبھی کبھی ایسا موقع پیش آئے تو اس پر عمل کر لیا جائے، اور التزام کے ساتھ دوسری جماعت نہ کی جائے؛ تاکہ پہلی جماعت میں کمی و سستی واقع نہ ہو جائے، ورنہ ہیئت بدلنے پر بھی مکروہ تحریمی ہی ہونی چاہیے، پہلی جماعت کا ثواب ہر حال میں زیادہ ہے، اور دوسری جماعت میں اختلاف بھی ہے، اس لیے اس کا اہتمام نہایت ضروری ہے، اور ہیئت بدل کر دوسری جماعت کر لینے کی اجازت ضرورہ کبھی کبھار کے لیے ہے۔ واللہ اعلم مؤلف) اگر محلہ کی مسجد میں پہلی جماعت بغیر اذان کے ہوئی یا آہستہ اذان ہوئی یا اس مسجد کے مقررہ امام اور نمازیوں کے علاوہ دوسرے لوگوں نے جماعت کی، تو ان صورتوں میں دوبارہ جماعت کی جائے، اور یہ جماعت پہلی جماعت کہلائے گی، جماعتِ ثانیہ نہیں کہلائے گی، جس مسجد کا امام اور مؤذن اور جماعت مقرر نہیں ہے، جیسے: عام راستے کی مسجد یا اسٹیشن یا سرائے کی مسجد، پس اس میں اذان اور جماعت کا تکرار بلا کراہت جائز ہے؛ بلکہ افضل یہ ہے کہ ہر گروہ جدا گانہ اذان و اقامت سے نماز پڑھے۔ (عمدة الفقہ ۲/۱۸۱)

کتب فقہ کی ان عبارتوں سے جو پیش کی گئیں چند باتیں مستفاد ہوتی ہیں:

- ① جماعتِ ثانیہ کی کراہت مسجد محلہ کے ساتھ مخصوص ہے، اس لیے وہ جگہ جہاں جماعتِ ثانیہ کی جارہی ہے مسجد شرعی ہی نہیں تو تکرار جماعت مکروہ نہیں۔
- ② نیز اگر وہ مسجد شرعی تو ہے لیکن مسجد محلہ نہیں ہے، تو اس صورت میں جماعت

ثانیہ مکروہ نہیں۔ مسجد محلہ کی تعریف یہ کی گئی ہے کہ جس میں امام اور جماعت کے لوگ ہمیشہ کے آنے والے اور مقرر ہوں، اس لیے اگر وہاں کا کوئی امام مقرر نہیں، اور وہاں کے نماز پڑھنے والے بھی متعین نہیں، جیسے: عام راستہ کی مسجد یا اسٹیشن یا سرائے کی مسجد جس میں غیر متعینہ اشخاص نماز پڑھتے ہیں، اس میں جماعت کا تکرار بالاتفاق مکروہ نہیں؛ بلکہ وہاں تو نماز کے لیے آنے والا ہر گروہ جداگانہ اذان و اقامت سے نماز پڑھے، اس کو افضل قرار دیا گیا۔

③ مسجد محلہ میں بھی بعض صورتیں مکروہ نہیں، مثلاً: محلہ کی مسجد میں پہلی جماعت بغیر اذان کے ہوئی یا اس مسجد کے مقرر امام اور نمازیوں کے علاوہ دوسرے لوگوں نے جماعت کی، تو ان صورتوں میں دوبارہ جماعت کرنے کا حکم ہے، اور یہ دوبارہ کی جانے والی جماعت ہی پہلی جماعت کہلائے گی، اس کو جماعت ثانیہ کہہ کر اس پر کراہت کا حکم نہیں لگے گا۔

④ نیز دوسری جماعت کی کراہت کی علت یہ بتلائی گئی ہے کہ اگر دوسری جماعت کی بلا کراہت اجازت دے دی گئی، تو یہ چیز پہلی جماعت میں تقلیل کا باعث ہوگی، اس لیے کہ اس صورت میں پہلی جماعت کے لیے حاضری کا اہتمام لوگ اس لیے نہیں کریں گے کہ ان کو اطمینان ہے کہ ہم جب بھی جائیں اپنی جماعت کر کے نماز پڑھ لیں گے، اس طرح ان کو جماعت کے فوت ہونے کا کوئی اندیشہ نہیں رہے گا، اور یہ چیز ان کے لیے پہلی جماعت میں حاضری سے سستی اور کاہلی کا سبب بنے گی، اس کے برخلاف جب ان کو یہ معلوم ہوگا کہ دوسری جماعت مکروہ ہے تو وہ لوگ اہتمام اور تاکید کے ساتھ پہلی جماعت میں حاضری کی کوشش کریں گے۔



مذکورہ علتِ کراہت کا تقاضا یہ ہے کہ جہاں یہ علت موجود نہ ہو کراہت کا حکم جاری نہیں ہوگا، چنانچہ مسجد سوق میں تعددِ جماعت کی اجازت؛ بلکہ افضلیت اسی لیے ہے کہ وہاں یہ علت موجود نہیں۔

مذکورہ بالا تفصیلات کو سامنے رکھ کر آپ کے سوال کا حل پیش کیا جا رہا ہے:

آپ نے عید الفطر اور عید الاضحیٰ کے موقعہ پر مجمع کے بڑا ہونے کی وجہ سے ایک ہی جگہ پر دو یا تین مرتبہ عید کی نماز اور خطبہ کا نظم کرنے کے سلسلہ میں حکم شرعی دریافت کیا ہے، اولاً تو یہ بات ذہن نشین رہے کہ جماعت ثانیہ کی کراہت والا حکم حضرات فقہاء نے جہاں بھی بیان کیا ہے وہاں فرائض پنج گانہ ہی کو پیش نظر رکھ کر ذکر کیا ہے، جس کا بڑا قرینہ یہ ہے کہ باب الامامت میں اس مسئلہ کو پیش کرنے سے پہلے باب الاذان میں بھی اس کا حکم بیان کیا گیا ہے، گویا یہ ایسی نماز کا حکم ہے جس کے لیے اذا ن واقامت مشروع ہو، اور یہ نماز پنج گانہ کی خصوصیت ہے ان کے علاوہ بعض نمازیں اور بھی ایسی ہیں جو جماعت کے ساتھ ادا کی جاتی ہیں؛ لیکن ان کے لیے اذان واقامت مشروع نہیں، (جیسے: نماز عید، نماز تراویح، نماز کسوف) ان کے لیے یہ حکم ہونا نہیں چاہیے؛ اگرچہ کسی کتاب فقہ میں اس کی صراحت نہیں ملی، حضرت حکیم الامت تھانوی نور اللہ مرقدہ نے ”امداد الفتاویٰ ۱/ ۴۶۹“ پر تراویح کی دو جماعتوں کی اجازت دی ہے؛ اگرچہ حضرت نے اس کی وجہ دوسری تحریر فرمائی ہے لیکن اس سے اتنا تو معلوم ہوا کہ کراہت جماعت ثانیہ والا حکم حضرت نے تراویح میں نہیں لگایا؛ نیز وہ نماز اگر ایسی ہے کہ اس کی ادائیگی مصلیٰ پر فرض یا واجب ہے، اور وہ تنہا اس کو ادا نہیں کر سکتا؛ بلکہ صحت ادا کے لیے جماعت شرط ہے، اور مسجد محلہ میں اس نماز کو جماعت کے ساتھ

ادا کر لیا گیا، اور کچھ لوگ وقت پر نہ پہنچ سکنے کی وجہ سے شریک ہونے سے رہ گئے، تو کیا ان کے لیے دوبارہ جماعت کرنا درست ہے؟ حضرت مولانا عبدالحی صاحب لکھنوی رحمۃ اللہ علیہ سے نماز جمعہ کے بارے میں اسی نوع کا سوال کیا گیا؛ حالاں کہ نماز جمعہ فرائض پنج گانہ میں سے ظہر کی جگہ پر پڑھی جاتی ہے، اور اس کے لیے اذان و اقامت بھی کہی جاتی ہے، پھر بھی حضرت مولانا عبدالحی صاحب رحمۃ اللہ علیہ اس کی اجازت دیتے ہیں۔ ملاحظہ ہو:

سوال: جمعہ کی جماعت ہو جانے کے بعد دس پندرہ آدمی آگئے، یہ لوگ اسی مسجد میں جمعہ مع خطبہ جماعت سے پڑھیں یا بجماعت ظہر ادا کریں؟  
جواب: چونکہ تعدد جماعت جمعہ بمذہب صحیح جائز ہے، اور بروز جمعہ جس شخص پر جمعہ فرض ہے اس کو ظہر پڑھنا درست نہیں، اس لیے ان لوگوں کو چاہیے کہ جمعہ بجماعت مع خطبہ ادا کریں، اگر اسی مسجد میں ہو تو کوئی حرج نہیں، اور اولیٰ یہ ہے کہ دوسری مسجد میں ہو۔ (مجموع الفتاویٰ لمولانا عبدالحی ۱/۲۹۲، ۲۹۳)

”خیر الفتاویٰ ۳/۹۵“ پر بھی مذکورہ صورت میں فتاویٰ عبدالحی ہی کے حوالہ سے جمعہ کی دوسری جماعت کی اجازت دی گئی ہے۔

امداد الاحکام ۶۹۱/۱ تا ۶۹۳ میں حضرت مولانا عبدالکریم صاحب گمتھلوی رحمۃ اللہ علیہ کا رجحان بھی مسئلہ مذکورہ میں جواز کا ہے۔

حضرت اقدس مولانا مفتی محمود حسن صاحب نور اللہ مرقدہ سے پوچھا گیا کہ جمعہ کے روز جگہ کی قلت کی وجہ سے تمام لوگ مسجد میں نہیں سما سکتے، تو کیا بقیہ لوگ دوسری مرتبہ جمعہ پڑھ سکتے ہیں؟ تو جواب میں ارشاد فرمایا کہ: یہ دوسرے لوگوں کی جماعت

جماعت ثانیہ نہیں۔ (ملفوظات فقیہ الامت ۷/ ۳۸)

مندرجہ بالا پہلے تین جوابات (مجموعہ فتاویٰ عبدالحی، خیر الفتاویٰ، امداد الاحکام) میں تو اس صورت میں جب کہ وہ دس پندرہ آدمی جمعہ کی جماعت میں بروقت پہنچ نہ سکنے کی وجہ سے شریک نہ ہو سکے، ان کو دوسری جماعت کی اجازت دی گئی حالانکہ صورت مسئلہ میں فی الجملہ ان کا قصور بھی ہے کہ وہ بروقت حاضر نہ ہوئے، اور آنے میں تاخیر کے مرتکب ہوئے، چاہیے تھا کہ ان کو جماعت کے ساتھ جمعہ ادا کرنے کی اجازت نہ دی جاتی اور تنہا ظہر پڑھنے کا حکم دیا جاتا لیکن صرف اس بنیاد پر کہ ان پر جمعہ فرض ہے اس لیے ان کا ظہر پڑھنا درست نہیں ان کو اسی مسجد میں جمعہ کی دوسری جماعت کرنے کی اجازت دی جا رہی ہے، آپ نے اپنے سوال میں جس نماز کے لیے دریافت کیا ہے وہ عید کی نماز ہے جو بقول راجح واجب ہونے کے ساتھ ساتھ اگر چھوٹ جائے تو اس کا کوئی بدل بھی نہیں، نیز آپ کے یہاں جو لوگ پہلی جماعت میں شریک نہیں ہو رہے ہیں اس کی وجہ یہ نہیں کہ ان کی طرف سے کوئی کوتاہی یا کاہلی پائی گئی جس کے نتیجہ میں ان کو پہلی جماعت میں شرکت کا موقعہ نہیں ملا بلکہ وہ حضرات بھی وہاں مجمع میں شروع سے موجود ہیں، لیکن جس جگہ پر عید کی نماز باجماعت ادا کی جا رہی ہے وہ جگہ محدود ہونے کی وجہ سے تمام حضرات جو موجود ہیں جماعت میں شرکت نہیں کر سکتے گویا جماعت میں عدم شرکت ان کی کسی کوتاہی کی وجہ سے نہیں، نیز یہاں پر یہ بھی نہیں کہا جاسکتا کہ دوسری جماعت کی اجازت دینے سے پہلی جماعت کی تقلیل لازم آئے گی، اس لیے کہ عید کی نماز کے سلسلہ میں لوگوں کا جو عام مزاج ہے وہ تو یہ ہے کہ جلد از جلد اس سے فارغ ہو جائیں اسی لیے دیکھا جاتا ہے کہ جن شہروں میں متعدد

جگہوں پر عید کی نماز ادا کی جاتی ہے اور بذریعہ اشتہار تمام جگہوں کے اوقات جماعت سے بھی شہر والوں کو آگاہ کر دیا جاتا ہے وہاں پر لوگ جس جگہ جلدی نماز ہو رہی ہو وہاں پہنچ کر نماز عید سے جلد فارغ ہونے کا اہتمام کرتے ہیں، مطلب کہ صورتِ مسئلہ میں دوسری جماعت کی اجازت کسی حال میں پہلی جماعت میں تقلیل کا باعث نہیں بلکہ دوسری جماعت کو جماعتِ ثانیہ کا نام دینا یہ بھی محلِ تاہل ہے، اسی لیے غالباً حضرت فقیہ الامت مولانا مفتی محمود حسن صاحب نور اللہ مرقدہ نے (جیسا کہ اوپر نقل کیا جا چکا) اپنے جواب میں یہ ارشاد فرمایا کہ دوسرے لوگوں کی جماعت جماعتِ ثانیہ نہیں یعنی یہ وہ جماعتِ ثانیہ نہیں جس پر کراہت کا حکم جاری ہوتا ہے اس لیے کہ اس میں اس کے شرائط موجود نہیں جیسے مسجد سوق میں ہونے والی متعدد جماعت کو جماعتِ ثانیہ نہیں کہا گیا، اس لیے آپ کے یہاں عید الفطر اور عید الاضحیٰ کے موقع پر مجمع کے بڑا ہونے کی وجہ سے دو یا تین مرتبہ عید کی نماز اور خطبہ کا نظم کرنا پڑتا ہے اگر یہ نظم کسی بڑے ہال یا میدان میں ہو یا کسی عبادت گاہ (جس کو شرعی مسجد قرار نہیں دیا گیا ہے اس) میں ہو تب تو اس میں کوئی کراہت ہے ہی نہیں لیکن اگر سوال میں مذکور ضرورت کے پیش نظر مسجد شرعی میں بھی ایسا کرنا پڑے تو اس کو مکروہ قرار نہیں دیں گے۔

یہ احقر کا رجحان ہے، اس سلسلہ میں دیگر اہل علم سے بھی دریافت کر لیا جائے اگر وہ اس سے اتفاق کریں تو عملی جامہ پہنا سکتے ہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

الملاہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۲۷/ صفر ۱۴۲۳ھ

الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ

## عیدین میں جماعتِ ثانیہ کا حکم

**سوال:** ہمارے کولہا پور میں کثرتِ ازدحام اور جگہ کی تنگی ہونے کی بناء پر ایک ہی مسجد میں دو عید کی نماز پڑھی جاتی ہیں، بسا اوقات تو ایک ہی خطبے سے اور بسا اوقات دونوں نمازوں کے لیے دو خطبے الگ الگ ہوتے ہیں، تو کیا اس طرح دوسری نماز صحیح ہے؟ اگر صحیح نہیں ہے، تو کونسی شکل ایسی ہو سکتی ہے جس میں صحیح ہو؟ بالتفصیل ہر ایک شکل پر روشنی ڈالتے ہوئے جواب عنایت فرمائیں۔

**نوٹ:** بسا اوقات تو ایک ہی مسجد میں تین تین چار مرتبہ بھی نماز پڑھی جاتی ہے۔

**الجواب:** حامداً ومصلياً ومسلماً

عید کی نماز عید گاہ میں ادا کرنا سنتِ مؤکدہ متوارثہ ہے، آلِ حضور ﷺ مسجد نبوی کی فضیلت کے باوجود علی سبیل المواظبت برسبیل عبادت عیدین کی نماز عید گاہ میں ادا فرماتے رہے، صرف ایک دفعہ بوجہ بارش آپ ﷺ نے مسجد میں پڑھی ہے۔  
(فتاویٰ رحیمیہ ۱/۲۷۵)

شہر، قصبہ اور وہ قریہ کبیرہ جو مثل قصبہ ہو، اور وہاں جمعہ و عیدین وغیرہ پڑھنے کی علماء نے اجازت دی ہو، وہاں آبادی سے باہر جنگل میں عید گاہ بنانا ضروری ہے۔  
(فتاویٰ رحیمیہ ۳/۷۵)

عید گاہ نہ ہو اور مسجد میں بھی گنجائش نہ ہو، تو جنگل میں کوئی میدان تجویز کر لیا جائے، اور وہاں نماز عید ادا کی جائے، اگر ایسا میدان میسر نہ ہو، تو شہر میں کسی محفوظ میدان میں یا بڑے ہال یا بڑے مکان میں نماز عید پڑھی جائے ایک ہال یا ایک مکان کافی نہ ہو تو

باقی نمازیوں کے لیے دوسری جگہ نماز کے لیے تجویز کر دی جائے۔ (فتاویٰ رحیمیہ ۵/۳۶)

باقی ایک ہی مسجد میں دو بارہ، سہ بارہ جماعت کرنا مکروہ ہے<sup>①</sup>۔

بل یکرہ فعلہما، وتکرار الجماعۃ الخ (درمختار علی هامش الشامی ۱/۲۹۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

## دس افراد کا عید کی نماز الگ پڑھنا مکروہ ہے

**سوال:** ہماری بستی میں عید گاہ بہت پرانی ہے اور کئی سالوں سے اس میں عید کی نماز پڑھی جاتی ہے حسب معمول امسال بھی نماز عید الفطرا د کی گئی لیکن قریباً دس افراد نے عید گاہ سے ایک کلومیٹر دور کے فاصلہ پر پڑھی تو ان دس افراد کی نماز کے بارے میں کیا حکم ہے؟ آیا ان کی نماز ہوئی یا نہیں؟

**الجواب:** حامداً ومصلياً ومسلماً

عید کی نماز شہر سے باہر جا کر عید گاہ میں پڑھنا مسنون ہے۔

الخروج إليها ای الجبابة لصلوة العيد سنة (درمختار علی هامش الشامی ۱/۶۱۲)

ضرورت سے زیادہ تعدد خلاف سنت اور مکروہ ہے۔ (کفایت المفتی ۳/۲۷۱)

اس لیے جن لوگوں نے الگ پڑھی ان کی نماز تو ہوگئی بناء علی ان صلوة العیدین فی موضعین جائز (شامی ۱/۶۱۳) البتہ ان کا یہ فعل بلا ضرورت ہونے کی

① ”محمود الفتاویٰ“ ہی میں عنوان: ”عیدین میں جماعت ثانیہ کا جواز“ کے ذیل میں متعدد بار عیدین کی نماز کا جواز لکھا ہے، اُس کا تعلق ایک مخصوص صورت کے ساتھ ہے۔ (مرتب)

وجہ سے مکروہ اور خلاف سنت ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد غنی عنہ خانپوری

## عید کی نماز تنہا پڑھنا

**سوال:** ایک شخص بخار کی وجہ سے نماز عید الفطر کے لیے مسجد میں تاخیر سے پہنچا جس کی بنا پر جماعت نہ مل سکی بعد میں تنہا عید الفطر کی نماز ادا کیا یہ نماز ادا ہوئی یا نہیں؟

**الجواب:** حامداً ومصلياً ومسلماً

عید کی نماز تنہا نہیں پڑھی جاسکتی اس کے صحیح ہونے کے لیے جماعت شرط ہے اس لیے اس آدمی نے عید کی نماز جو تنہا پڑھی وہ درست نہیں ہوئی۔ اگر بخار میں مبتلا ہونے کی وجہ سے وہ نماز عید میں شریک نہ ہو سکا تو وہ گنہگار نہ ہوگا۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد غنی عنہ خانپوری، ۲۴ / شوال المکرم ۱۴۱۳ھ

الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ غنی عنہ

## عیدین میں زائد تکبیر کہہ دی

**سوال:** عید کی نماز میں امام صاحب نے پہلی رکعت میں ہاتھ باندھ کر ثناء پڑھنے کے بعد تین بار تکبیر کہنے کے بعد ہاتھ چھوڑ دیا اور پھر چوتھی تکبیر کہنے کے بعد ہاتھ باندھ لیا، تو اس کا کیا حکم ہے شریعت میں؟

**الجواب:** حامداً ومصلياً ومسلماً

اس طرح ایک زائد تکبیر کہی، ایسا کرنے کے باوجود نماز درست ہوگی، سجدہ سہو

بھی واجب نہیں ہوا۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۱۸/ شوال المکرم ۱۴۰۹ھ  
الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

## نمازِ عید میں پانچ تکبیراتِ زوائد کھنا

**سوال:** عید کی نماز چھ زائد تکبیروں کے بجائے پانچ تکبیروں سے جائز ہے یا نہیں؟ اور وہ بھی دو عید سے مسلسل ایسا ہو رہا ہے؟

**الجواب:** حامداً ومصلياً ومسلماً

عید کی نماز میں تکبیراتِ زوائد واجب ہیں، ہر ہر تکبیر زائد واجب ہے۔  
وتکبیرات العیدین، وكذا أحدها (در مختار) (قوله كذا أحدها)  
أفاد أن كل تكبيرة واجب مستقل (شامی/۱/۳۶۶)  
صورتِ مسئلہ میں جب امام نے ایک زائد تکبیر نہیں کہی، تو واجب چھوٹا، جس  
پر سجدہ سہو واجب ہوا؛ البتہ نمازِ عیدین میں مجمع زیادہ ہوتا ہے تو امام کو چاہیے کہ سجدہ  
سہونہ کرے۔

ولا يأتي الإمام بسجود السهو في الجمعة والعیدین دفعا للفتنة  
بكثرة الجماعة (مراق الفلاح) دفعا للفتنة، أي افتتان الناس وكثرة  
الهرج (بكثرة الجماعة) الباء للسببية وهي متعلقة بقوله للفتنة،  
وأخذ العلامة الواني من هذه السببية أن عدم السجود مقيد بما إذا  
حضر جمع كثير، أما اذلم يحضروا فالظاهر السجود لعدم الداعي إلى  
الترك وهو التشويش (طحطاوي على المراق ۲۵۳، وكذا في الشامي ۱/۵۵۶)



مسلسل دو عید سے ہو رہا ہے، تو امام صاحب کو متنبہ کر دیا جائے، ممکن ہے، وہ غلط فہمی میں ہو۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عنفی عنہ خانپوری

## عیدین کی شرائط مفقود ہوں وہاں نماز عید جاری رکھنا

**سوال:** ہم لوگ دیہات کے رہنے والے ہیں، ہمارے وہاں ایک موضع میں عید گاہ واقع ہے، تقریباً دس گیارہ موضع کے لوگ وہاں پر جمع ہوتے ہیں اور نماز عیدین ادا کرتے ہیں، مدت مدیدہ سے اس طرح لوگ کرتے چلے آتے ہیں؛ نیز جہاں پر عید گاہ واقع ہے اس موضع میں نماز جمعہ بھی ہوتی ہے، اگرچہ حنفی المسلك کے اعتبار سے شرائط مفقود ہیں؛ البتہ جہاں پر عید گاہ واقع ہے اس سے صرف ایک فرلانگ کے اوپر ایک بازار ہے جہاں ضروریات زندگی کی سبھی چیزیں ملتی ہیں، پوسٹ آفس اور بنک بھی ہے، اب اگر نماز عیدین کو بند کرنے کی کوشش کی جاتی ہے تو شدید اختلاف رونما ہوتے ہیں اور پھر دین کی کوئی دوسری بات سننے کو عوام راضی نہیں ہوں گے، تو کیا نماز عیدین پڑھی جاسکتی ہے یا نہیں؟ اور اگر پڑھی گئی تو نماز ہو جائے گی یا نہیں؟ اس سلسلے کا ایک فتویٰ حضرت مولانا مفتی اعظم ہند کفایت اللہ رحمۃ اللہ علیہ کا درج کر رہا ہوں: کیا حضرت مفتی صاحب کے اس فتوے پر عمل ہو سکتا ہے یا نہیں؟ مفصل طور سے جواب عنایت فرما کر عند اللہ ماجور ہوں۔

**سوال:** تحصیل قلعہ گنگ ضلع کیمل پور میں موضع گٹال واقع ہے، جس میں تقریباً دو سو گھر کی آبادی ہے، عرصہ دراز یعنی چالیس سال سے زائد ہو چکے ہیں کہ عیدین کی

نماز وہاں پر پڑھائی جاتی ہے، جس میں وہاں کے باشندے اور گرد و نواح کے لوگ کثرت سے جمع ہو جاتے ہیں، جس میں اکثر اس طور پر مواعظِ حسنہ سے جہلاء کو نہایت فائدہ ہوتا ہے، اب گذشتہ سال سے ایک مولوی صاحب نے آ کر فرمایا کہ یہاں عید مبارک نہیں ہو سکتی، یہاں عید پڑھنا پڑھانا ناجائز ہے، لوگ پریشان اور حیران ہیں کہ اتنا عرصہ ہو گیا اور کسی مولوی نے ناجائز نہیں کہا حتیٰ کہ عید نہ پڑھی جائے تو نہ کسی اور شہر میں شوق کر کے جائیں گے، اور بہت خطرہ ہے کہ بہت جاہل نہ ہو جائیں، نہ ایسا کوئی معین وقت نظر آتا ہے کہ ان کو جمع کر کے وعظِ حسنہ سنایا جائے، مہربانی کر کے مطلع فرمایا جائے، عند الشرح ایسی جگہ عیدین کی نماز کو ممنوع کر دیا جائے یا کہ بطریق سابقہ نماز پڑھی جائے۔

جواب (۳۸۲): چالیس سال سے عید کی نماز اس موضع میں پڑھی جاتی ہے، تو اب اس کو بند کرنا جائز نہیں؛ کیوں کہ اس میں دینی فتنہ ہے، لہذا عیدین کی نماز وہاں حسب دستور قائم رکھنی چاہیے اور جمعہ کی نماز بھی وہاں ہو سکتی ہے۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ دہلی (کفایت الفتی ۳/۲۰۲)

الجواب: حامداً ومصلياً ومسلماً

حنفی مسلک کے مطابق جب وہاں صحت جمعہ کے شرائط مفقود ہیں تو وہاں جمعہ اور عیدین کی نماز درست نہیں ہے؛ لیکن چونکہ وہاں مدتِ مدیدہ سے عیدین کی نماز ہوتی چلی آئی ہے اور منع کرنے کی صورت میں فتنہ کا قوی اندیشہ ہے تو اگر کوئی عالم فتنہ کے اس قوی امکان کے پیش نظر منع نہیں کرتا ہے تو وہ عند اللہ معذور گردانا جائے گا؛ لیکن خود اس میں شرکت نہ کرے اور لوگوں کو مسائل سے واقف کر کے ان کی دینی

تربیت کرتا رہے تا آن کہ ان میں دین کے اس مسئلہ پر عمل کرنے کی بھی صلاحیت پیدا ہو جائے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۱۸/ رمضان المبارک ۱۴۱۶ھ

## مسابوق عید کی نماز کس طرح پڑھے؟

**سوال:** جب مسابوق کی عیدین کی نماز میں دونوں رکعتیں ترک ہو گئیں، فقط قعدہ اخیرہ میں شرکت ہوئی تو بقیہ نماز کس طرح پوری کرے؟ کیا تکبیرات واجبات کو قاعدہ میں شریک ہونے سے پہلے ادا کرے یا قاعدہ کے بعد قیام میں قبل القراءت؟

**الجواب:** حامداً ومصلياً ومسلماً

جو آدمی نماز عید میں امام کے ساتھ قعدہ اخیرہ میں شرکت کر رہا ہے، وہ امام کے سلام کے بعد اپنی فوت شدہ دونوں رکعات مع قراءت و تکبیرات ادا کرنے والا ہے، اس لیے وہ قعدہ میں امام کے ساتھ شریک ہونے سے پہلے تکبیرات ادا نہیں کرے گا۔  
كما قال الفقهاء في الركعة الأولى: "ولو ادرکه في قيام الركوع لا يقضيها فيه لأنه يقضى الركعة مع تكبيراتها فتح وبدائع (شامی ۱/ ۶۱۶) والعله متحققه في مسئلتنا. فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

## نماز عید کے بعد قبرستان جانا

**سوال:** عید کی نماز کے بعد قبرستان جانا کیسا ہے؟ اور درگاہ پر جا کر دعا کرنا ان کے لیے کیسا ہے؟

**الجواب:** حامداً ومصلياً ومسلماً

عید کا دن مسرت کا ہوتا ہے، بسا اوقات مسرت میں لگ کر آخرت سے غفلت ہو جاتی ہے اور زیارت قبور سے آخرت کی یاد آتی ہے اس لیے اگر کوئی شخص عید کے دن زیارت قبور کرے تو مناسب ہے کچھ مضائقہ نہیں؛ لیکن اس کا التزام خواہ عملاً ہی سہی جس سے دوسروں کو یہ شبہ ہو کہ یہ چیز لازمی اور ضروری ہے درست نہیں، نیز اگر کوئی شخص اس دن زیارت قبور نہ کرے تو اس پر طعن کرنا یا اس کو حقیر سمجھنا درست نہیں، اس کی احتیاط لازم ہے۔ (فتاویٰ محمودیہ ۲۷۷/۲) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عنی عنہ خانپوری، ۴، رذوالقعدۃ الحرام ۱۵۱۵ھ  
الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عنی عنہ

عید کے دن پورے سال انتقال ہونے والوں کے

گھر جا کر ان کی تعزیت کرنا

**سوال:** پورے سال میں جس کے گھر میں سے کسی کا انتقال ہو گیا ہو یا اس کے رشتہ دار میں لندن افریقہ وغیرہ میں انتقال ہو گیا ہو، ان کے گھر محلہ والے جاتے ہیں اور ان کے گھر میں یا ان کے صحن میں کھڑے رہ کر دعا کرتے ہیں، اور اس میں شریک ہونا کیسا ہے؟ اگر اپنے گھر آئے تو ان کو روکنا چاہیے یا نہیں ان کو کیا کہنا چاہیے؟

**الجواب:** حامداً ومصلياً ومسلماً

تعزیت بوقت موت میت ہو چکی ہے، اس لیے ایسا درست نہیں، یہ رسم ہے اور

بدعت بھی، اس سے خود بچنا اور دوسروں کو روکنا ضروری ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عنی عنہ خانپوری، ۴/۳۲ والقعدۃ الحرام ۱۵/۳۱۵

الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عنی عنہ

## عید کی دن تعزیت کرنا

**سوال:** عید کے دن تعزیت کے لیے جانا کیسا ہے، اور ساتھ میں کچھ کھانے کی

چیز لے کر جانا کیسا ہے؟ اگر لے آئے تو اس کا کھانا کیسا ہے؟

**الجواب:** حامداً ومصلياً ومسلماً

یہ ثابت نہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عنی عنہ خانپوری، ۴/۳۲ والقعدۃ الحرام ۱۵/۳۱۵

الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عنی عنہ

## عید کی نماز سے پہلے وعظ بیان کرنا

**سوال:** عید کی نماز جو عید گاہ میں ادا کی جاتی ہے یا شہر کی بڑی مسجدوں میں،

وہاں اکثر و بیشتر عید کی نماز سے قبل بیان کو بہت ہی اہمیت دی جا رہی ہے، خاص اس

کے واسطے مقررین کو دعوت دی جاتی ہے، شاید کوئی عید گاہ یا مسجد ہو جہاں عید کی نماز

ادا کی جاتی ہو اور وہاں بیان نہ ہو، یہ ناممکن سا معلوم ہوتا ہے، کیا اس کو اس طرح

اہمیت دینا جائز ہے؟ کوئی قباحت تو نہیں؟

**الجواب:** حامداً ومصلياً ومسلماً

عید کے موقعہ پر نماز عید کی غرض سے عید گاہ یا مسجد میں مسلمانوں کی ایک بڑی

تعداد حاضری دیتی ہے، ان میں بہت سے ایسے بھی ہوتے ہیں کہ عید کے علاوہ ان کو اس طرح کے مجموعوں میں حاضری کی نوبت نہیں آتی؛ اس لیے اس موقع کو غنیمت سمجھتے ہوئے دین کی ایسی باتیں اور احکام جن کی طرف سے عام طور پر غفلت برتی جا رہی ہے مختصراً بیان کروادیے جائیں تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے؛ بلکہ مستحب ہے۔ جمعہ کے دن بھی اس نوع کا موقع میسر ہوتا ہے اور اس موقع پر کچھ احادیث کا بیان کرنا حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم سے منقول ہے؛ البتہ اس کو فرض یا واجب کا درجہ نہ دیا جائے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

العبداحمد خانپوری، ۲/ صفر المظفر ۱۴۲۳ھ  
الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ

## غیر مجبّو دمقرر و واعظ کا عید کی نماز پڑھانا

**سوال:** اکثر و بیشتر جگہ وہی مقررین عید کی نماز پڑھاتے ہیں اور خطبہ بھی پڑھتے ہیں، اب عام طور پر اکثر و بیشتر حالت یہ ہوتی ہے کہ اکثر مقررین کی تجوید ٹھیک نہیں ہوتی؛ لہذا وہ نماز میں اور خطبہ میں بہت سی فاحش غلطیاں کرتے ہیں، تو ایسا لگتا ہے کہ بیان جو مقصود نہیں ہے اس کے واسطے مقصود چیز نماز عید و خطبہ کو برباد کیا جاتا ہے؛ لہذا بندہ کے خیال میں چاہیے یہ تھا کہ نماز عید اور خطبہ کے لیے کسی متبحر و آدمی کو دعوت دی جاتی؛ تاکہ مقصود بالذات کی اہمیت ہو، اور یہ اس وقت ممکن ہے کہ جب کہ متولیٰ ان عید گاہ میں کوئی سمجھ دار عالم باعمل شامل ہو جو اس کی اہمیت کو سمجھ سکیں۔ کیا یہ ضروری نہیں؟

**الجواب:** حامداً ومصلياً ومسلماً

یہ ضروری نہیں کہ جو آدمی عمدہ اور لچھے دار تقریر کر لیتا ہو وہ نماز اور خطبہ بھی عمدہ اور صحیح طریقہ سے پڑھ سکے؛ اس لیے جو حضرات عید سے پہلے تقریر یا بیان کرتے ہیں؛ لیکن تجوید و قرأت نہ ہونے کی وجہ سے قرأت اور خطبہ میں فحش غلطیاں کرتے ہیں ایسوں کو ہرگز امامت اور خطبہ نہ سوچنا چاہیے، نماز اور خطبہ تو مقصود ہیں، تقریر اور بیان کی خاطر مقصود میں اس طرح خلل پیدا کرنا درست نہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

العبد احمد خان پوری، ۲/ صفر المظفر ۱۴۲۳ھ

الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ

## واعظین کا عید گاہ میں وقت کی پابندی نہ کرنا

**سوال:** نیز عید گاہ میں جو نماز ادا کی جاتی ہے اس میں اکثر و بیشتر یہ ہوتا ہے کہ مثلاً ۴:۵۰:۷ کو نماز کا وقت طے کیا گیا ہے اور مقرر صاحب ۳۰:۷ کو تشریف لارہے ہیں اور پھر ایک گھنٹہ تقریر فرماتے ہیں اور اس کے بعد عید گاہ کے واسطے چندہ ہوتا ہے جس میں تقریباً ۱۵-۲۰ منٹ خرچ ہوتے ہیں، کیا قوم کو ایک مقررہ وقت کا وعدہ کر کے اس طرح بات کو کھینچنا اور لوگوں کی ضروریات کی فکر نہ کرنا خاص کر عید الاضحیٰ میں کیا مناسب ہے؟

**الجواب:** حامداً ومصلياً ومسلماً

نماز کے لیے پہلے سے جو وقت مقرر کیا گیا ہے اس کی پابندی اور اہتمام ضروری ہے، خصوصاً عید کی نماز میں جس میں شریک ہونے والا مجمع مختلف جگہوں سے اور دور

دور سے حاضری دیتا ہے۔ شریعتِ مطہرہ نے جماعت کی نماز میں امام کے لیے اتنا طول دینے کی اجازت نہیں دی جس سے مقتدی حرج میں مبتلا ہوں؛ بلکہ بعض فضلاء صحابہ کی طرف سے جب اس نوع کی بات پائی گئی تو نبی کریم ﷺ نے بہت سختی سے اس پر تنبیہ فرمائی، حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کا قصہ کتبِ احادیث میں موجود ہے؛ اس لیے ضروری ہے کہ نمازِ عید کے لیے جو وقت پہلے سے مقرر کیا گیا ہے اس کے مطابق نماز شروع کر دی جائے، اس کے خلاف کرنا شرعاً درست نہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد خانپوری، ۲/ صفر المظفر ۱۴۲۳ھ

الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ

## باب الجنائز

### نماز جنازہ کی تعجیل یا تاخیر کے متعلق چند سوالات

**سوال:** گجرات میں بھاؤنگر ضلع کے بعض شہروں میں چند سالوں سے یہ رواج سا ہو گیا ہے کہ میت کو مثلاً علی الصبح یا رات کے آخری حصہ میں انتقال کے بعد ظہر کی نماز تک یا کسی دوسری نماز تک روکے رکھتے ہیں، خصوصاً اگر کسی کا انتقال شب جمعہ میں ہو گیا تو اسے بعد نماز جمعہ ہی دفن کرتے ہیں تاکہ نماز جنازہ میں کافی لوگ شریک ہو سکے اور اس کی وجہ سے اس دن کی بعض نمازوں کے اوقات میں کبھی تبدیلی کر دی جاتی ہے یعنی جاری وقت کو پندرہ منٹ یا آدھ گھنٹہ موخر کر دیا جاتا ہے جس کا باقاعدہ اعلان مسجد کے اندرونی یا بیرونی حصہ میں لگے ہوئے تختہ سیاہ پر تحریر کر دیا جاتا ہے،



بعض مرتبہ روزانہ کے معمول کے مطابق آنے والے مصلیان کو عموماً اور کبھی کبھی آنے والے مصلیان کا خصوصاً حرج ہوتا ہے یا انھیں اپنے نظام بگڑنے سے الجھن ہوتی ہے، ایسی صورت میں چند سوالات پیش خدمت ہیں امید ہے کہ شریعت کی روشنی میں حل فرما کر عند اللہ ماجور ہوں گے:

① کون کون سے شرعی عذر کے سبب نماز جنازہ یا دفن کرنے کے لیے میت کو روکے رکھنا جائز ہے؟

② کسی شرعی عذر کے سبب میت کو وقت کی تعیین کے ساتھ کتنی دیر روکے رکھنا جائز ہوگا؟

③ میت کی تکفین و تدفین میں شرکت کے لیے میت کے بعض اعضاء اپنے ٹھکانے سے روانہ ہو گئے ہوں اور ان کا دباؤ میت کو خاص وقت تک روکے رکھنے کے لیے ہوتا شرعاً کیا حکم ہے؟

④ کیا نماز کے مستقل اوقات میں کسی خاص دن یا خاص موقع پر تبدیل (کمی بیشی) کرنا شرعاً جائز ہے؟

⑤ کیا میت کے والی یا اقرب رشتے دار یا کسی خاص شخص کے لیے میت کو روکے رکھنے کی شرعاً گنجائش ہے؟

⑥ محلہ میں کسی کے انتقال کی خبر یا میت کے نماز جنازہ کی اطلاع یا کسی مقررہ دن تعزیتی مجلس ہونے کی خبر مسجد کے آلہ مکبر الصوت کے ذریعہ کرنا یا مسجد کے اعلان والے بلیک بورڈ پر لکھ دینا یا دونوں باتوں کو کرنا شرعاً کیا حیثیت رکھتا ہے؟

⑦ اگر میت کے تمام بالغ ورثا اپنی اپنی رقم جمع کر کے بہ رضا و رغبت پوری

برادری والوں کو دوسرے یا تیسرے روز ایصالِ ثواب کے لیے یا محض ایک رواج و رسم کو پورا کرنے کی غرض سے کھانا کھلائے تو آیا یہ کھانا شرعاً حد جواز میں شمار ہوگا اور کیا اس کے کھانے پر کوئی قباحت نہیں ہوگی؟

۸) کیا کوئی غیر مناسب کام برادری میں رواج پذیر ہو جانے پر اپنی قباحت و شاعت کھودیتا ہے اور پھر وہ عرف کھلانے لگتا ہے اگر تشریح فرمادیں تو تبرع ہوگا۔

۹) اگر میت نے حالتِ صحت میں یہ وصیت کی ہے کہ میرے ثلث مال میں سے تمام برادری والوں کو کھانا کھلایا جائے جس میں مثلاً دو قسم کی مٹھائی اور ایک قسم کا نمکین ہو تو کیا شرعاً ایسی وصیت معتبر سمجھی جائے گی اور کیا اس کا نفاذ و رثا پر واجب ہوگا؟

۱۰) میت کے ترکہ کی تقسیم کو کتنے دنوں تک مؤخر کیا جاسکتا ہے اگر اس کی تقسیم میں فتنہ و فساد کا اندیشہ ہو یا محض برادری کے طعن کا خوف ہو؟

**الجواب:** حامداً و مصلياً و مسلماً

شریعت مطہرہ کا تا کیدی حکم یہ ہے کہ جب کسی مسلمان کی موت کا یقین ہو جائے تو اس کی تجہیز و تکفین اور نماز وغیرہ میں جلدی کی جائے۔

مراقی الفلاح میں ہے: واذن یقن موتہ (یعجل بتجهیزہ) إکراماً له لما فی الحدیث و عجلوا به فإنه لا ینبغی لجیفة مسلم أن تحبس بین ظہرانی أہلہ الخ یعنی جب موت کا یقین ہو جائے تو اس کی تجہیز و تکفین میں اس کے اعزاز کی وجہ سے جلدی کی جائے حدیث میں ہے اس کے کفن دفن میں جلدی کرو اس لیے کہ مناسب نہیں ہے کہ مسلمان کی نعش (لاش) اس کے گھر والوں کے درمیان روکی

جائے۔ (مراتی الفلاح مع مخطوطی ص: ۲۰۹) (در مختار مع شامی ۱/ ۷۹۹)

اور جب جنازہ لے کر چلیں تو اس وقت حکم یہ ہے کہ جنازہ کو اتنی جلدی لے کر چلیں کہ میت کو چار پائی پر اضطراب نہ ہو یعنی ادھر ادھر حرکت نہ کرے اور میت کو جھٹکے نہ لگیں حدیث میں ہے: اسرعوا بالجنائزۃ، فإن تک صالحۃ فخير تقدمونها، وإن یک سوی ذلک، فشر تضعونه عن رقابکم (متفق علیہ) (مشکوٰۃ، باب المشی بالجنائزۃ ص: ۱۴۴) یعنی جنازے کو جلدی لے جاؤ اگر جنازہ صالح ہے تو خیر ہے جسے تم لے جا رہے ہو اور اگر صالح نہیں ہے تو اپنی گردن پر سے جلدی سے شردور کرو گے۔

نیز حدیث میں ہے: إذا وضعت الجنائزۃ فاحتملها الرجال علی أعناقهم فإن كانت صالحۃ قالت: قدمونی وإن كانت غیر صالحۃ قالت لأهلها: یا ویلها أین یذهبون بها؟ یسمع صوتها کل شیء إلا الإنسان ولو سمع الإنسان لصعق. رواه البخاری (مشکوٰۃ شریف) یعنی جب لوگ جنازہ کو اپنی گردنوں پر لے کر چلتے ہیں اگر وہ نیک ہوتا ہے تو کہتا ہے مجھے آگے جلدی لے چلو اور اگر صالح نہیں ہے تو کہتا ہے کہ ہائے مجھے کہاں لے جا رہے ہو یہ آواز انسان کے سوا سب سنتے ہیں اور اگر یہ آواز انسان سن لے تو اس کے ہوش باقی نہ رہیں۔

مذکورہ احادیث سے ثابت ہوتا ہے کہ مردے کو جلد از جلد اس کے مقام پر پہنچا دینا چاہیے، فقہانے لکھا ہے کہ اس مقصد سے نماز جنازہ میں تاخیر کرنا کہ اگر جمعہ کی نماز کے بعد نماز جنازہ ہوگی تو لوگ زیادہ ہوں گے یہ مکروہ ہے۔

در مختار میں ہے: وکرہ تأخیر صلاتہ ودفنہ لیصلی علیہ جمع عظیم

بعد صلاة الجمعة (در مختار ۱/ ۸۳۳) (فتاویٰ رحیمیہ ۶/ ۳۶۷، ۳۶۸)

نماز جنازہ کے بعد حاضرین کو میت کا منہ دکھلانے سے متعلق ایک سوال کے جواب میں مفتی گجرات حضرت مفتی عبدالرحیم صاحب نور اللہ مرقدہ تحریر فرماتے ہیں کہ یہ رسم غیر ضروری اور مکروہ ہے کہ موجب تاخیر ہے حالاں کہ تعجیل مامور بہ ہے۔

(فتاویٰ رحیمیہ ۱۱۰/۵)

نماز جنازہ کے لیے جماعت مسجد کے انتظار کا جو عام رواج ہے اس کے متعلق دریافت کیے گئے ایک سوال کے جواب میں حضرت مولانا رشید احمد لدھیانوی نور اللہ مرقدہ تحریر فرماتے ہیں کہ یہ رسم خلاف شرع ہے نماز جنازہ میں اس لیے تاخیر کرنا کہ زیادہ لوگ شریک ہوں مکروہ ہے جنازہ میں تعجیل اس قدر مؤکد ہے کہ اوقات مکروہ میں بھی نماز جنازہ ادا کرنے کی اجازت دی گئی ہے یعنی مکروہ وقت میں جنازہ تیار ہوتو اس وقت میں بھی نماز پڑھ لی جائے مکروہ وقت گزرنے تک بھی انتظار نہ کیا جائے۔

(احسن الفتاویٰ ۲۳۲/۴)

①، ② انتقال کے بعد نماز جنازہ کے لیے اتنی تاخیر کی جائے کہ میت کی تجہیز و تکفین اور قبر سنت کے مطابق بہ آسانی تیار ہو جائے اس سے زیادہ میت کو روکنا اور تدفین میں دیر کرنا منشاء شرع کے خلاف اور مکروہ ہے۔

③ ان کے خاطر میت کو روکے رکھنے کا حکم شریعت میں موجود نہیں۔

④ اس تبدیلی کی وجہ سے روزانہ کے نمازیوں کو دشواری پیش آتی ہو تو یہ

مناسب نہیں۔

⑤ میت کی تجہیز و تکفین مکمل ہونے پر جو لوگ موجود ہیں اس کا اعتبار کیا جائے گا

جو غیر حاضر ہے اس کے لیے نماز و تدفین میں تاخیر کا کوئی حکم شریعت میں موجود نہیں ہے۔

⑥ مساجد میں جو آلہ مکبر الصوت لگایا جاتا ہے اس کا اصل مقصد تو اذان ہے مگر ضمناً دینی کام جو مفاد عامہ سے تعلق رکھتے ہیں ان کے اعلان کی بھی گنجائش ہے مثلاً کسی کی میت کا اعلان کرنا یا کسی اہم دینی پروگرام کی اطلاع دینا وغیرہ۔

رہے وہ کام جو دینی نہیں ہیں بلکہ دنیوی معاملات ہیں اور ان کا اعلان بلا معاوضہ کیا جاتا ہے یا مسجد کے مفاد کے لیے کوئی معاوضہ لے کر اعلان کیا جاتا ہے یا مسجد کے لیے موصول ہونے والے چندہ کا اعلان کیا جاتا ہے تو اس کے بارے میں ضابطہ یہ ہے کہ اگر اعلان کی جگہ مسجد کے اندر ہے یا لاؤڈ اسپیکر کے ہارن (Horn) مسجد پر یا مسجد کے مناروں پر فٹ ہیں تو یہ اعلان جائز نہیں ہے احادیث میں گم شدہ چیز کا مسجد میں اعلان کرنے کی ممانعت اس تعلیل کے ساتھ آئی ہے کہ مساجد اس مقصد کے لیے نہیں بنائی گئیں۔

البتہ اگر اعلان کرنے کا ٹانگ مسجد سے باہر کسی حجرہ میں ہو اور اس کے ہارن بھی مسجد سے علاحدہ فٹ شدہ ہوں تو پھر اس قسم کے اعلان کی گنجائش ہے۔ (آداب اذان و اقامت ص: ۱۵۳)

⑦ یہ ناجائز اور بدعت ہے تفصیل کے لیے فتاویٰ رحیمیہ ۲/۲۸۹ تا ۲۹۳ کا مطالعہ فرمائیں۔

⑧ شریعت کے خلاف جو رواج برادری میں پڑ چکا ہو وہ عرف کی بنیاد پر جائز نہیں ہوتا ایسا عرف جو شریعت کے خلاف ہو واجب الترتک ہے۔

⑨ جیسا کہ اوپر جواب نمبر ۷ میں گذرا یہ دعوت ناجائز اور بدعت ہے اس لیے اس کے لیے کی گئی وصیت پر بھی عمل نہیں ہوگا کسی وصیت پر عمل کے شرائط میں سے

ایک شرط یہ بھی ہے کہ خلاف شرع چیز کی وصیت نہ ہو۔

⑩ میت کے ترکہ کی تقسیم جتنا جلدی ممکن ہو مناسب ہے اس کے باوجود تمام ورثاء بہ رضا و رغبت بعد میں تقسیم کرنے پر اتفاق کر لیں تو اس کی بھی اجازت ہے ورثاء کے چاہنے کے باوجود برادری کے طعن و تشنیع کے خوف سے تاخیر کرنا درست نہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

آملآه: العبد احمد خانپوری، ۲۰ ر شوال ۱۴۲۳ھ  
الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ

## جماعت خانے میں جنازے کی نماز پڑھنا

سوال: جنازہ کی نماز ازدحام کثیر کی صورت میں جب کہ نماز جنازہ کی متعین جگہ میں سب کے سامنے کی گنجائش نہ ہو جماعت خانہ میں گنجائش ہے امید کہ جواب باصواب سے ممنون فرمائیں گے۔

الجواب: حامداً ومصلياً ومسلماً

جماعت خانہ کے علاوہ کوئی ایسی بڑی جگہ نہ ہو جہاں تمام لوگ سہا سکیں تو اجازت ہوگی۔

انما تکره في المسجد بلا عذر فان كان فلا (شامی ۱/ ۲۵۴) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد غنی عنہ خانپوری، ۲۵/ جمادی الاولیٰ ۱۴۱۴ھ  
الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ غنی عنہ

## نماز جنازہ میں سورۃ فاتحہ پڑھنا

**سوال:** صلوٰۃ جنازہ میں تکبیر اول میں ہمارے نزدیک تو صرف ثناء ہے، مگر وہ حضرات (غیر مقلدین) سورۃ فاتحہ پڑھتے ہیں، تو کیا ثناء اور سورۃ فاتحہ کو جمع کر لیا جائے تو عند الاحناف اس کی گنجائش ہے؟

**الجواب:** حامداً ومصلياً ومسلماً

جنازہ میں اصل مقصود اللہ تعالیٰ کی حمد و ثناء، حضور اکرم ﷺ پر درود اور میت کے لیے دعا ہے، اس لیے اگر سورۃ فاتحہ بہ نیت حمد و ثناء و دعا پڑھی جائے تو درست ہے، بہ نیت تلاوت نہ پڑھی جائے۔ (احسن الفتاویٰ ۴/۲۳۵) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

## جنازہ کی نماز میں ثناء کا ثبوت

**سوال:** احناف کے یہاں جنازے کی نماز میں پہلی تکبیر کے بعد ثناء پڑھی جاتی ہے، کیا اس کا کہیں حدیث میں ثبوت ملتا ہے؟ حدیث میں آتا ہے ”لا صلاة لمن لم يقرأ بفاتحة الكتاب“ الخ۔

**الجواب:** حامداً ومصلياً ومسلماً

نماز جنازہ درحقیقت میت کی دعا کے لیے موضوع ہے، اور دعا میں پہلے حمد و ثناء اور نبی کریم ﷺ پر درود ہونا چاہیے، نماز جنازہ حقیقی نماز نہیں ہے، اسی لیے جن ارکان سے نماز مرکب ہے، وہ اس میں نہیں ہیں، مثلاً: رکوع، سجدہ وغیرہ چوں کہ اس میں دعا

ہوتی ہے اور عربی میں لفظ ”صلوٰۃ“ کا اطلاق دعا پر بھی ہوتا ہے، اس لیے اس کو صلوة جنازہ کہتے ہیں۔

”مؤطا امام مالک“ میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے:

مالك عن سعيد بن ابى سعيد المقبري عن أبيه أنه سأل أبا هريرة كيف تصلي على الجنائز؟ فقال أبو هريرة: أنا لعمر الله أخبرك أتبعها من أهلها، فإذا وضعت كبرت وحمدت الله، وصليت على نبيه ثم أقول الخ (أوجز المسالك ٤، ٢٣١، ٢٣٠) اسی طرح حضرت عمر، حضرت علی، حضرت عبداللہ بن عمر، حضرت عبدالرحمن بن عوف، حضرت عبداللہ بن مسعود وغیرہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اس میں قرأت نہیں کرتے تھے۔

جن حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم (مثلاً حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ اور حضرت جابر رضی اللہ عنہ) سے سورۃ الحمد کا پڑھنا منقول ہے، اس کو بھی حمد پر ہی محمول کیا جاوے گا، چنانچہ احناف کے یہاں بھی اگر کوئی آدمی پہلی تکبیر کے بعد سورۃ الحمد شریف بطریق حمد وثناء پڑھنا چاہے تو پڑھ سکتا ہے۔ (ایضاً)

جب صلوة جنازہ حقیقۃً صلوة ہی نہیں ہے تو ”لا صلوة إلا بفاتحة الكتاب“ والی حدیث کا مصداق نہیں ہے۔ (بدائع الصنائع ١/٣١٣) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

## امام جنازہ کی نماز میں کہاں کھڑا رہے؟

سوال: ① اگر جنازہ کی نماز پڑھائے تو امام، میت بالغ عورت ہو تو کہاں کھڑا



رہے گا، سینہ پر یاد درمیان جنازہ؟ اور مرد ہو تو کہاں کھڑا رہے گا؟ بچہ اور بچی ہو تو کہاں؟

## جنازہ کی صفوں کا فاصلہ

سوال: (۲) جنازہ کی نماز کے وقت دو صفوں میں کتنا فاصلہ رہے گا؟

الجواب: حامداً ومصلياً ومسلماً

① میت کے سینہ کے سامنے امام کھڑا رہے چاہے میت بالغ ہو یا بچہ، مرد ہو یا

عورت۔

② متصل رہیں گی۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

## صفوفِ نمازِ جنازہ کی درستگی کے درمیان کلمہ شہادت پڑھنا

سوال: ہمارے یہاں جنازہ کو رکھ کر صف درست کرتے ہیں، بعض آتے رہتے

ہیں، اسی درمیان سب لوگ بلند آواز سے کلمہ شہادت بار بار دہراتے ہیں یہ صحیح ہے؟

الجواب: حامداً ومصلياً ومسلماً

کلمہ پڑھ سکتے ہیں؛ لیکن بلند آواز سے نہ پڑھیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۴ رجب ۱۴۱۶ھ

الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

## نمازِ جنازہ اور تراویح وغیرہ کی نیت

سوال: جنازہ کی نماز کی نیت کیا ہے؟ اور سفر کی نماز کی نیت کس طرح کرے؟

اور تراویح کی ۲۰ / رکعت کی ساتھ میں کیسے نیت کرے؟

**الجواب:** حامداً ومصلياً ومسلماً

نیت عزم قلب کا نام ہے، زبان سے کہنا مستحب ہے، جنازہ کی نیت کا طریقہ یہ ہے: أصلى لله تعالى داعياً للميت (كذا في الدر) سفر اور حضر کی نیت میں کوئی فرق نہیں ہے، تراویح کے لیے شروع میں بیس رکعت کی نیت کافی ہے، ہر دو رکعت پر نیت کرنا شرط نہیں؛ مگر بہتر ہے۔ (فتاویٰ رحیمیہ ۱/ ۳۵۴) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

## ائمہ حرم کی اقتدا میں نمازِ جنازہ

### دوسلام سے پڑھنے پر اشکال کا جواب

**سوال:** حرمین شریفین میں جنازہ کی نماز میں امام ایک طرف سلام پھیرتے ہیں اور حنفی دو طرف، کیا یہ طریقہ صحیح ہے؟ اس مسئلہ میں فقہاء کی کوئی عبارت ہے؟ جب امام کی اقتداء میں نماز پڑھی گئی اور امام نے ایک طرف سلام پھیر کر نماز مکمل کر لی تو مقتدی کا یہ عمل فضول نہیں؟ بعض حضرات کو احناف کے اس عمل پر اشکال ہے، امید ہے کہ اس مسئلہ کی وضاحت بھی باحوالہ فرمائیں گے۔

**الجواب:** حامداً ومصلياً ومسلماً

صریح جزیئہ باوجود تلاش کے نہ ملا، فضول عمل تو اس کو کہا جاتا ہے جس عمل کا نماز سے تعلق نہ ہو، حنفی مقتدی اپنے مسلک کے مطابق دوسلام سے نمازِ جنازہ پڑھتا ہے تو

سلامِ ثنانی فضول کیسے ہوا؟ یہ تو اس کی نماز کا جزء ہے۔ جو حضرات اشکال کرتے ہیں ان کا منشاء غالباً یہ ہے کہ حنفی مقتدی بھی حنبلی المسکک امام کی اتباع کرے، ان سے پوچھ لیا جائے کہ کیا حنفی نمازِ جنازہ کے دیگر اعمال میں بھی اس کی اتباع کرے گا؟ حنابلہ کے یہاں نمازِ جنازہ میں تعوذ، تسمیہ، قراءت فاتحہ ہے؛ کیا ان اعمال میں بھی اتباع کرے گا؟ جواب یقیناً نفی میں ہوگا۔

ایک مرتبہ مفتی رضاء الحق صاحب مدظلہ (دارالعلوم زکریا فریقہ) نے حضرت اقدس مفتی محمود حسن صاحب گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ سے دریافت کیا کہ ”حضرت! امام حنفی ہے، مقتدی شافعی ہے تو کیا امام ان کی رعایت میں دعائے قنوت وتر میں رکوع کے بعد پڑھ سکتا ہے؟“ ارشاد فرمایا: کس کس چیز میں رعایت کرو گے؟ کل کو رفع یدین بھی ان کی رعایت میں کریں گے؛ الحمد پڑھنے کا موقع بھی ان کو دیں گے۔ (یعنی ان چیزوں میں رعایت نہیں کریں گے جن سے خود اپنے مذہب کی مخالفت لازم آئے۔)

(افریقہ اور خدمات فقہ الامت ۲/۳۰۷)

شرح کنز میں ہے: لا يتابع المؤتم الامام القانت في الفجر في القنوت و هذا عند ابی حنیفة و محمد و قال ابو یوسف يتابعه لانه تبع للامام (الی قولہ) ولهما انه منسوخ علی ما تقدم فصار كما كبر خمساً في الجنائزہ حيث لا يتابعه في الخامسة لكونه منسوخاً (تبیین الحقائق ۱/۱۷۱)

جس مسئلہ میں اجتہاد کی گنجائش ہو اس میں دیگر مذاہب والوں کی اتباع نہیں۔

(شامی ۳/۱۰۹)

زیر بحث مسئلہ میں تو امام کی مخالفت بھی لازم نہیں آتی؛ اس لیے کہ امام اپنی نماز

سے فارغ ہو چکا ہے۔ دیگر اہل علم سے بھی معلوم کر لیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔  
کتبہ: العبد احمد عنی عنہ خانپوری

## نماز جنازہ مکرر پڑھنا

**سوال:** یہاں ماپوت میں بعض مرتبہ میت پر دو مرتبہ نماز پڑھتے ہیں، یعنی جو لوگ نماز ہو چکنے کے بعد پہنچتے ہیں وہ دوسری مرتبہ جنازہ کی نماز پڑھتے ہیں، کبھی ایسا ہوتا ہے کہ جنازہ کی نماز کسی مسجد میں پڑھ لیتے ہیں، اب جو لوگ پہلے سے قبرستان پہنچ چکے ہوں وہ وہاں قبرستان میں جو لوگ جنازہ کی نماز پڑھنے کے لیے جگہ ہوتی ہے وہ وہاں یا پھر دوسری مرتبہ جنازہ کی نماز پڑھتے ہیں؛ کیوں کہ یہاں قبرستان دور ہے، اس لیے میت کو کسی سواری وغیرہ میں لے جاتے ہیں، اس لیے بعض لوگ میت کے مکان کے بجائے قبرستان ہی پہنچ جاتے ہیں تو کیا ایک میت پر دو مرتبہ نماز پڑھ سکتے ہیں؟ بعض لوگ کہتے ہیں کہ رئیس التبلیغ حضرت مولانا محمد یوسف صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے جنازہ کی نماز دو تین مرتبہ پڑھی گئی تھی، پہلی مرتبہ بعد نماز عشاء حضرت مولانا انعام الحسن صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے پڑھائی، اس کے بعد دوسری نماز رات ساڑھے دس بجے دوبارہ حضرت اقدس جانشین برحق حضرت مولانا عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ نے رہے سہے لوگوں کے ساتھ نماز پڑھی، اگر ناجائز ہوتا تو یہ لوگ حضرت جی کے جنازہ پر دو مرتبہ نہیں پڑھتے۔

**الجواب:** حامداً ومصلياً ومسلماً

اگر جنازہ پر نماز پڑھی گئی اور جنازہ کا ولی بھی اس میں شریک ہے تو اب اس جنازہ پر دوبارہ نماز نہیں پڑھی جائے گی، اور اگر اس نماز میں جنازہ کا ولی شریک نہیں

ہوا تھا تو اس ولی کو دوبارہ نماز پڑھنے کا حق ہے، اور اس وقت دوسرے وہ حضرات جو پہلی نماز میں شریک نہیں ہوئے تھے وہ بھی شریک ہونا چاہیں تو ہو سکتے ہیں۔

وإن صلی هو أي ولی بحق بان لم یحضر من یقدم علیہ، لا یصلی غیرہ بعدہ الخ (درمختار) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد غنی عنہ خانپوری

## شافعی امام کے پیچھے غائبانہ میت کی نماز جنازہ پڑھنا

**سوال:** کیا غائب میت پر بھی نماز جنازہ پڑھ سکتے ہیں؟ یہاں کے بعض عالم کہتے ہیں کہ اگر کوئی شافعی یا حنبلی پڑھائے تو اس کے پیچھے پڑھ سکتے ہیں۔

**الجواب:** حامداً ومصلياً ومسلماً

احناف کے نزدیک میت غائب پر نماز جنازہ نہیں پڑھ سکتے، پڑھانے والا شافعی یا حنبلی ہونے سے مسئلہ میں کوئی فرق نہیں پڑتا۔

وکونه هو أو أكثره أمام المصلی وکونه للقبلة، فلا تصح علی غائب (درمختار) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد غنی عنہ خانپوری

## عورت اگر نماز جنازہ پڑھے تو کیا حکم ہے؟

**سوال:** ایام حج میں جب کوئی میت ہوتی ہے تو عورتیں بھی جنازہ پڑھتی ہیں تو

کیا یہ درست ہے؟

**الجواب:** حامداً ومصلياً ومسلماً

عورت اگر نمازِ جنازہ پڑھے تو وہ درست ہے۔

الصلوة على الجنائز فرض كفاية اذا قام به البعض واحداً كان أو جماعة ذكراً كان أو أنثى سقط عن الباقيين (فتاویٰ عالمگیری ۱/۱۶۲) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

**کیا جلی ہوئی میت کو غسل دیا جائے گا؟**

**سوال:** اگر کسی کی میت جل گئی ہو اور اس کے اعضاء بھی کٹ گئے ہوں، تو کیا ایسی میت کو بھی غسل دینا ضروری ہے؟

**الجواب:** حامداً ومصلياً ومسلماً

اگر میت کے بدن کا اکثر حصہ موجود ہو یا نصف حصہ سر کے ساتھ موجود ہو تو اس کو غسل دے کر نمازِ جنازہ بھی پڑھی جائے۔

فأما اذا وجد اكثر البدن أو النصف و معه الرأس يصلى عليه الخ (المبسوط للسرخسی ۲/۵۴) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

**پوسٹ مارٹم کئے ہوئے شخص کی تجہیز و تکفین اور نمازِ جنازہ**

**سوال:** ایک انسان ایکسڈنٹ کی وجہ سے فوت ہو گیا، اور اس انسان کا پوسٹ مارٹم کر لیا گیا اور اس انسان کی نعش پوسٹ مارٹم کے تین دن بعد اس کے گھر پہنچائی گئی،

کیوں کہ گھر اس کا دور تھا اور تاخیر کی وجہ سے نعش میں بدبو پیدا ہوگئی، اس انسان کو بغیر غسل اور بغیر کفن کے صلوة جنازہ کے بعد دفن کر دیا گیا تو آیا اس کی صلوة جنازہ صحیح ہے یا نہیں؟ اور پوسٹ مارٹم کی صورت میں غسل کی کیا شکل ہو سکتی ہے جب کہ اس کے اعضاء الگ الگ ہو چکے ہوتے ہیں؟

**الجواب:** حامداً ومصلياً ومسلماً

نمازہ جنازہ کے صحیح ہونے کے شرائط میں سے میت کا پاک ہونا بھی ہے، اس لیے جس کو غسل نہیں دیا گیا اس پر نماز جنازہ صحیح نہیں ہے۔

(وشرائطها) ستة (و) الثاني (الطهارة) عن نجاسة حكمية وحقيقية  
 في البدن فلا تصح على من لم يغسل (طحطاوى على مرقا الفلاح)  
 اب اگر کسی میت کو غسل دیئے بغیر اس پر بھول یا جہالت کی وجہ سے نماز جنازہ پڑھ کر دفن کر دیا گیا تو اس کی قبر پر نماز جنازہ کا اعادہ کر لیا جائے بشرطیکہ دفن کو اتنا وقت نہ گزرا ہو کہ جس میں نعش پھول پھٹ کر ریزہ ریزہ ہو جائے۔

ولوصلی علیہ بلاغسل جہلا او نسیانا ثم دفن ولا یخرج الا بالنبش  
 اعيدت على قبره استحسانا لفساد الاولى. (ایضاً ۳۱۸)

(وان دفن) واهیل علیہ التراب (بلاصلوة) (صلی علی قبره وان لم یغسل) لسقوط شرط طهارته لحرمة نبشه (مالم یتفسخ) (ایضاً ۳۲۴)  
 پوسٹ مارٹم میں اعضاء الگ الگ نہیں کئے جاتے بلکہ صرف بدن چیر پھاڑ کر اس میں سے کچھ اجزاء نکال لیتے ہیں اور پھری لیتے ہیں، غسل کے لیے پورے جسم پر پانی بہا دینا کافی ہوتا ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

## میت پلاسٹک میں سہل پیک کردہ ہو تو غسل کیسے دیا جائے؟

**سوال:** ہمارے یہاں ایک آدمی کا انتقال ہوا اور وہ ایڈز کا مریض تھا، ہسپتال والوں نے اس کو سہل پیک کر دیا پلاسٹک سے، اور ان کا قاعدہ یہ ہے جب تک میت دفن نہیں ہوتی اس کو کھولنے نہیں دیتے تو اس صورت میں میت کے غسل کے لیے کیا کریں؟ کیا بغیر غسل دفن کر سکتے ہیں؟

**الجواب:** حامداً ومصلياً ومسلماً

میت پلاسٹک میں سہل پیک ہے تو غسل کا پانی اس کے جسم کو نہیں لگے گا اور غسل درست نہ ہوگا، ان کو بتلایا جائے کہ شریعت اسلامی میں میت کو غسل دینا زندوں پر فرض ہے، اس لیے ہم اس کو غسل دیدیں، اس کے بعد آپ اس کو پیک کر دیں؛ تاکہ ہم اور آپ دونوں اپنی ذمہ داری پوری کر سکیں، ان کے پیک کرنے کے بعد کفن پہنا کر دفنایا جائے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

## بعد وفات زوجین کا ایک کا دوسرے کو دیکھنا اور غسل دینا

**سوال:** ① کیا زوجہ اپنے مردہ خاوند کا منہ دیکھ سکتی ہے؟

② کیا شوہر اپنی مردہ زوجہ کا منہ دیکھ سکتا ہے؟

③ کیا عورت اپنے مردہ خاوند کو غسل دے سکتی ہے؟

④ کیا مرد اپنی مردہ عورت کو غسل دے سکتا ہے؟



**الجواب:** حامداً ومصلياً ومسلماً

(۴۳۱) احسن الفتاویٰ میں سے ایک سوال وجواب نقل کیا جاتا ہے:

سوال: اگر شوہر یا بیوی میں سے کسی ایک فرد کا انتقال ہو جاوے تو دوسرا فرد اسے دیکھ سکتا ہے یا چھو سکتا ہے؟ یا اس کا جنازہ اٹھا سکتا ہے یا قبر میں اتار سکتا ہے؟  
الجواب: بیوی سب کچھ کر سکتی ہے؛ مگر شوہر دیکھ سکتا ہے، نہلا نہیں سکتا اور بلا حامل چھو نہیں سکتا، جنازہ اٹھا سکتا ہے، اور قبر میں بھی اتار سکتا ہے۔

قال في التنوير: ويمنع زوجها من غسلها ومسها لا من النظر إليها على الأصح، وهي لا تمنع من ذلك. در مختار (مقول از احسن الفتاویٰ ۳/۲۱۵) فقط والله تعالى اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

**مرنے کے بعد بیوی کا چہرہ دیکھنا**

**سوال:** شوہر اپنی بیوی کے مرجانے کے بعد اس کا چہرہ دیکھ سکتا ہے؟ اور اس کو قبر میں اتار سکتا ہے؟

**الجواب:** حامداً ومصلياً ومسلماً

عورت کے مرنے کے بعد شوہر اس کے حق میں اجنبی کے حکم میں ہے؛ لیکن منہ دیکھ سکتا ہے، اور محرم کے ساتھ اٹھا کر جنازہ میں لٹا سکتا ہے، قبر میں بھی اتار سکتا ہے۔ فقط والله تعالى اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۷ اشعبان ۱۴۱۶ھ

بہت چھوٹے بچے کو عورت غسل دے سکتی ہے

**سوال:** نابالغ لڑکے کا جنازہ (میت) کو عورت غسل دے سکتی ہے یا نہیں؟

**الجواب:** حامداً ومصلياً ومسلماً

اگر وہ بہت چھوٹا ہے تو دے سکتی ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عنی عنہ خانپوری ۲۸ رذوالحجۃ الحرام ۱۹۳۹ھ

بے نمازی کی نماز جنازہ نہ پڑھنے کی تجویز درست نہیں

**سوال:** گاؤں والے مل کر یہ طے کریں کہ اپنے گاؤں میں بے نمازی زیادہ

ہیں، تو ایک ایسی بات طے ہو جائے کہ جس سے تمام کو نماز پڑھنی پڑے؛ لہذا یہ بات طے ہوئی کہ جو پنج وقتہ نماز نہ پڑھے اس کی نماز جنازہ نہ پڑھی جائے، اور کفن دفن میں شریک نہ ہونا چاہیے، اور اس بات پر تمام کا اتفاق ہے، اور اس گاؤں میں فتنہ برپا ہونے کا اندیشہ بھی نہیں ہے، امید ہے کہ سب مسجد میں آنے والے ہو جائیں گے تو کیا یہ جائز ہے اور اس میں کوئی حرج ہے؟

**الجواب:** حامداً ومصلياً ومسلماً

ہر وہ آدمی جو مسلمان ہو کر مر اس کی نماز جنازہ مسلمانوں پر فرض ہے؛ البتہ اس سے چار قسم کے آدمیوں کو فقہاء نے مستثنیٰ کیا ہے، ان چار میں بے نمازی نہیں ہے۔ (در مختار ۱/۶۳۲) اس لیے کوئی ایسی تجویز طے نہ کی جائے اور اگر طے کر لی ہے تو اس پر عمل نہ فرمائیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عنی عنہ خانپوری

## فاسق وگنہگار مسلمان کی نماز جنازہ پڑھنا کیسا ہے؟

سوال: فاسق وگنہگار مسلمان کی نماز جنازہ پڑھنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب: حامداً ومصلياً ومسلماً

مسلمان اگرچہ فاسق اور گنہگار ہو اس کی نماز جنازہ فرض کفایہ ہے، اگر بعض لوگ اس کو ادا کر لیں تو باقی لوگ بری الذمہ ہو جائیں گے، اور اگر کسی نے نہ پڑھی تو سب گنہگار ہوں گے، فقہاء نے تصریح کی ہے کہ مرنے والا مسلمان فاسق و فاجر اور گنہگار ہو تب بھی اس کی نماز جنازہ پڑھی جائے گی، البتہ باغیوں، لٹیروں کی نماز جنازہ اگر وہ اسی حالت میں مارے گئے ہوں تو نہ پڑھی جائے۔

بدائع الصنائع میں ہے: ”وأما بيان من يصلي عليه فكل مسلم مات بعد الولادة يصلي عليه صغيرا كان او كبيراً ذكراً كان او انثى حراً كان او عبداً الا البغاة وقطاع الطريق ومن بمثل حالهم لقول النبي ﷺ صلوا على برو فاجر وقوله للمسلم على المسلم ست حقوق وذكر من جملة اهل ان يصل على جنازته من غير فصل الا ما خص بدليل والبغاة ومن بمثل حالهم مخصوصون بما ذكرنا (بدائع الصنائع ۱/۳۱۱)

اہل سنت والجماعت کا اجماعی عقیدہ ہے کہ ہر نیک و بد کی نماز جنازہ (بشرطیکہ ظاہری اعتبار سے اس کی موت ایمان پر واقع ہوئی ہو) پڑھی جائے۔ شرح عقائد کی شرح ”النبر اس“ میں ہے:

ويصلى (بلفظ المجهول) اى صلاة الجنائز على كل برو فاجر اذا مات الفاجر على الايمان بحسب الظاهر للاجماع فان السلف لم يزلوا

یصلون علی الفساق ولقوله علیه الصلوة والسلام لاتدعوا الصلوة ای لاتترکوا من الودع وهو الترتک وزعم النحاة ان ماضی هذا الباب لا يستعمله العرب علی من مات من اهل القبلة لم یجد القاری الهروی هذا الحدیث تخریجاً من لفظه، وعن ابن عمر عن النبی ﷺ قال: صلوا علی من قال لا اله الا الله رواه الطبرانی بسند ضعیف جدا وقد تقدم حدیث ابوهريرة یرفعه صلوا علی کل بر وفاجر رواه البیهقی وانت تعرف ضعف الحدیث فمدارا المسئلة علی الاجماع (النیراس ۵۰)

اس لیے منسلکہ مضمون جو آپ نے ارسال فرمایا ہے اہل سنت والجماعت کے اجماعی عقیدہ کے خلاف ہے، صاحب مضمون دینی مدرسہ کے فاضل ہونے کے باوجود ایک ایسے مسئلہ سے جو مدارس کے نصاب میں پڑھائی جانے والی کتاب ”شرح عقائد“ میں صراحتاً موجود ہے، بے خبر ہیں، فیما للعجب! اور بایں ہمہ دانی تمام علماء کو چیلنج فرما رہے ہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

الماہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۱۲/۱۷/۲۰۲۲ھ

الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ

## خودکشی کرنے والے کی نماز جنازہ

**سوال:** کیا خودکشی کرنے والے کی نماز جنازہ پڑھ سکتے ہیں؟ اگر ہاں تو کیا اس کے لیے استغفار کر سکتے ہیں؟

**الجواب:** حامداً ومصلياً ومسلماً

خودکشی کرنے والے پر نماز جنازہ پڑھی جائے گی، اور اس کے لیے دعائے

استغفار بھی کی جائے۔ (شامی) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد غنی عنہ خانپوری

## قبر پر نماز جنازہ کب تک پڑھ سکتے ہیں؟

**سوال:** یہاں (مورسی) پر ایک آدمی کا خون ہو گیا، اس کی شناخت بھی ہو گئی کہ وہ مسلمان ہے؛ لیکن حکومت نے کسی وجہ سے اس کی لاش مسلمانوں کو نہیں دی، اس کو قبرستان کے باہر دفن دیا گیا، اس کی نماز جنازہ بھی نہیں پڑھائی گئی، نماز جنازہ کے متعلق بتائیں، کیا مسئلہ ہے؟

**الجواب:** حامداً ومصلياً ومسلماً

جب تک اس کی لاش کے پھولنے پھٹنے کا غالب گمان نہ ہو، وہاں تک اس کی قبر پر نماز جنازہ پڑھی جاسکتی ہے اور اگر اتنی مدت دفن کرنے پر بیت چکی ہے کہ اس کی لاش کے متعلق خیال ہو کہ وہ پھول پھٹ گئی ہوگی، تو اس کی نماز اب نہ پڑھی جائے۔  
(در مختار مع الشامی ۱/ ۶۵۲) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد غنی عنہ خانپوری، ۱۸/ شوال المکرم ۱۴۰۹ھ

الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ غنی عنہ

## رضا خانی سے مقابلہ میں مر گیا وہ شہید ہے؟

**سوال:** اگر بدعتی (رضا خانی) ہماری مسجد پر زبردستی قبضہ کرنا چاہتے ہیں، لڑتے جھگڑتے ہیں، امام اور ٹرسٹیوں کو ہتھیار دکھاتے ہیں؛ حالاں کہ قلیل ہیں، کیا ان سے ہم مقابلہ کر سکتے ہیں؟ اگر اسی حالت میں کوئی مر گیا، کیا وہ شہید نہیں ہے؟

**الجواب:** حامداً ومصلياً ومسلماً

جو آدمی آپ پر حملہ آور ہو اور آپ اپنی جان کی حفاظت میں اس سے مقابلہ کرتے ہوئے ہلاک ہو جائیں، تو شہید ہیں۔ ”من قتل دون نفسه فهو شهيد“۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۲۸/ ذوالحجۃ ۱۴۱۰ھ

**پیٹ کے کینسر سے مرنے والا شہید ہے**

**سوال:** کینسر کے مرض میں انتقال ہونے والا شہید ہے یا نہیں؟ اگر شہید ہے تو کونسی شہادت ملے گی؟

**الجواب:** حامداً ومصلياً ومسلماً

اگر پیٹ کا کینسر ہے تب تو پیٹ کی بیماری کی بنیاد پر وہ شہید کہلائے گا، جس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تبارک و تعالیٰ اس کو شہید کا اجر و ثواب عطا فرمائیں گے، باقی فقہاء جس پر شہید کا حکم جاری کرتے ہیں وہ مراد نہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

املاء: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۲۶/ رمضان ۱۴۲۱ھ

الجواب صحیح: عباس داود بسم اللہ

**فسادات میں مقتول شہید ہے**

**سوال:** کلمہ گو مسلمان جس کی ڈاڑھی نہ ہو اور نماز نہ پڑھتا ہو، ایسا مسلمان عام فسادات میں بے گناہ قتل کر دیا جائے، دوسری بات یہ کہ اس کا ایمان کمزور ہو، تو یہ

مرنے والا مسلمان شریعت کی نظر میں شہید کہا جائے گا؟

**الجواب:** حامداً ومصلياً ومسلماً

بد عملی اور گناہوں کی وجہ سے آدمی ایمان سے نہیں نکلتا۔ (البتہ کوئی شخص کسی کفریہ حرکت کا ارتکاب کرے تو یہ مسلمان نہ رہا) بہر حال فساد کے موقعہ پر جو شخص محض مسلمان ہونے کی وجہ سے بے گناہ قتل کر دیا جاتا ہے وہ شہید ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

## لا وارث میت کا حکم

**سوال:** ایک عورت ہے جس کی میت ہوگئی اس کا کوئی وارث نہیں، جس جگہ اور جس علاقہ میں یہ عورت مرگئی ہے وہاں کوئی علاقہ مسلمانوں کا نہیں ہے، اس عورت کی شناخت مشکل ہوگئی، مسلم برادران کہتے ہیں کہ یہ عورت مسلم ہے، اس کی تکفین و تدفین کریں گے، غیر مسلم حضرات کہتے ہیں کہ یہ عورت ہندو ہے اس کو ہم جلائیں گے، دونوں فریقوں میں فیصلہ کن بات کیا ہو سکتی ہے؟

**الجواب:** حامداً ومصلياً ومسلماً

اگر کوئی علامت کفر و اسلام کی موجود نہیں ہے تو علاقہ کا اعتبار ہوگا۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۱۹ / ذوالقعدة الحرام ۱۴۱۶ھ

الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

## دفن کے بعد مستحب اعمال

**سوال:** ہمارے رشتے میں ایک نوجوان شادی شدہ مرد کا انتقال ہوا، اس کو دفن کیا گیا مگر اکثر لوگوں کو دفن کرنے کے بعد قبر پر دعا کرنے کا طریقہ نہ معلوم ہونے کی وجہ سے کچھ کر نہیں پاتے۔ آپ سے گزارش ہے کہ دفن کے بعد سے لے کر چالیس قدم آنے تک اور اس کے بعد میت کے گھر پر جا کر کیا کرنا چاہیے۔ اس کا شریعت میں کیا طریقہ ہے؟ قرآن اور سنت کی روشنی میں تفصیل سے لکھ دیں تاکہ لوگوں کو معلوم ہو جائے۔

**الجواب:** حامداً ومصلياً ومسلماً

دفن کے بعد قبر کے سرہانے سورہ بقرہ کی ابتدائی آیات یعنی آلم سے لے کر ہم المفلحون تک، اور پانہتی کی طرف سورہ بقرہ کی آخری آیات آمن الرسول سے ختم سورہ تک پڑھنا مستحب ہے۔ (بیہقی شعب الایمان، معارف الحدیث ۳/۳۸۵)

دفن کے بعد تھوڑی دیر قبر پر ٹھہرنا، اور میت کیلئے دعائے مغفرت کرنا، یا قرآن شریف پڑھ کر ثواب پہنچانا مستحب ہے۔ (شامی دہشتی گوہر)

دفن کے بعد یہ دعا بھی پڑھے تو بہتر ہے:

اللهم اغفر له وارحمه وعافه واعف عنه واكرم نزله ووسع مدخله  
اغسله بالماء والثلج والبرد ونقه من الخطايا كما نقيت الثوب الأبيض  
الذنس، وأبدله داراً خيراً من داره واهلاً خيراً من اهله و زوجاً خيراً  
من زوجته وأدخله الجنة وأعذه من عذاب القبر وعذاب النار اللهم  
انت ربها وانت خلقتها وانت هديتها للإسلام وانت قبضت روحها



وانت اعلم بسرہا وعلانیہتا جئنا شفعاء فاغفر لها۔

(معارف الحدیث) (ماخوذ از احکام میت ص ۸۸ تا ص ۹۰)

چالیس قدم آنے کے بعد کچھ پڑھنے کا حکم نہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

املاہ: العبد احمد خانپوری، ۲۳/ جمادی الثانی ۱۴۲۵ھ

الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ

## بعد تدفین مستحب عمل

**سوال:** میت کو دفن کرنے کے بعد امام صاحب سب لوگوں کو جمع کر کے تین مرتبہ قل ہو اللہ احد اور ایک ایک مرتبہ قل اعوذ برب الفلق اور بالناس اور الحمد للہ اور سر پر سورہ بقرہ کی شروع آیتیں اور پاؤں کی جانب آخری آیتیں اور پھر ہاتھ اٹھا کر دعا کرتے ہیں کیا یہ صحیح ہے؟

**الجواب:** حامداً ومصلياً ومسلماً

تدفین کے بعد میت کی قبر کے سرہانے سورہ بقرہ کا شروع تا لمفلحون اور اس کی پانچویں (پَر) سورہ بقرہ کا آخر آامن الرسول تا ختم پڑھنا مستحب ہے، قل ہو اللہ اور معوذتین پڑھنے کا ثبوت نہیں ہے؛ البتہ دعا ثابت ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد غنی عنہ خانپوری، ۱۳/ شوال المکرم ۱۴۱۶ھ

جنازہ کے ساتھ میلاد پڑھنا، بعد دفن اذان دینا

**سوال:** ہمارے یہاں یہ طریقہ رائج ہو چکا ہے کہ جب جنازہ کو قبرستان لے جایا جاتا ہے، تو میلاد شریف باواز بلند پڑھا جاتا ہے، اور لوگ اسے مستحب و سنت

و ثواب کی نیت سے پڑھتے ہیں، کیا جنازہ کے ساتھ باواز بلند میلاد شریف شرعاً جائز و درست ہے؟ کیا یہ بدعت ہے؟ علاوہ ازیں قبرستان میں پہنچ کر مردہ کو دفنانے کے بعد مزار پر اذان دی جاتی ہے، اور لوگ اسے سنت و مستحب و ثواب سمجھ کر عمل کرتے چلے آ رہے ہیں، براہ کرام ان دونوں مسئلوں کا جواب قرآن و حدیث کی روشنی میں دے کر ہماری اصلاح فرمائیں۔

**الجواب:** حامداً و مصلياً و مسلماً

جنازہ کے ساتھ چلنے والوں کا بلند آواز سے میلاد پڑھنا بدعت ہے، اس موقعہ پر ذکر اللہ یا تلاوت بھی بلند آواز سے کرنا حضرات فقہاء نے ممنوع لکھا ہے، ان کو چاہیے کہ خاموش چلتے رہیں، اور ذکر اللہ کرنا چاہتے ہیں تو دل میں کریں۔  
 کرہ فیہا رفع صوت بذكر أو قراءة فتح (در مختار) قوله (كما کرہ فیہا الخ) قيل: تحريماً وقيل: تنزيهاً، كما في البحر عن العناية، وفيه عنها وينبغي لمن تبع الجنائز أن يطيل الصمت، وفيه عن الظهيرية فإن أراد أن يذكر الله تعالى يذكره في نفسه الخ (شامی ۱/ ۶۵۸)  
 مردے کو دفن کرنے کے بعد قبر پر اذان دینا بدعت ہے، اس سے بچنا نہایت ضروری ہے۔

شامی میں ہے: لا یسن الأذان عند ادخال الميت في قبره، كما هو المعتاد الآن، وقد صرح ابن حجر في فتاويه بأنه بدعة الخ (شامی ۱/ ۶۶۰) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۲۳/ شوال المکرم ۱۴۱۱ھ  
 الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

## قبر پر اذان دینا

**سوال:** ہمارے یہاں بریلوی علماء اپنے مسلک کی کتابوں اور رسائل کے حوالہ جات کے ساتھ زور شور سے اذان علی القبر کے جواز کو ثابت کرتے ہیں۔ اس لیے آل حضرت سے گزارش ہے کہ معتبر کتابوں کے حوالہ جات کے ساتھ یہ بات ثابت فرمادیں کہ اذان علی القبر دفن کے بعد کیسا ہے؟ نیز بریلوی حضرات کے دلائل کا جواب کیا ہے؟

**نوٹ:**۔ کیا شیطان کا گذر قبر میں ہوتا ہے؟

**الجواب:** حامداً ومصلياً ومسلماً

قبر پر اذان دینا بے اصل ہے۔ آل حضرت رضی اللہ عنہم سے اور آپ کے جاں نشین خلفائے راشدین و صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین اور تابعین اور تبع تابعین اور ائمہ مجتہدین (امام رضی اللہ عنہ ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ، امام مالک رضی اللہ عنہ، امام شافعی رضی اللہ عنہ، امام احمد رضی اللہ عنہ) وغیرہم سے ثابت نہیں۔ بدعت مخترعہ اور واجب الترتک ہے۔ علامہ شامی رضی اللہ عنہ نے ابن حجر رضی اللہ عنہ کے حوالہ سے اس کے بدعت ہونے کی تصریح فرمائی ہے۔ (شامی ۱/۸۳)

درر الجار میں ہے من البدع التي شاعت في الهند الاذان على القبر بعد الدفن (من جملہ بدعات میں سے ایک بدعت جو ہندوستان میں شائع ہے دفن کے بعد قبر پر اذان دینا ہے۔ (بہ حوالہ المنہاج الواضح ص ۲۱۲)

حضرت شاہ محمد اسحاق دہلوی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں اذان دادن بر قبر بعد دفن مکروہ است کہ معہود از سنت نیست (۱۰۰ مسائل ص ۵۵) قبر پر اذان دینا مکروہ ہے کہ یہ سنت

سے ثابت نہیں۔ (ماخوذ از فتاویٰ رحیمیہ ۶/۱۹۷، ۲۰۶)

نوٹ: اس سلسلہ میں ایک تفصیلی جواب فتاویٰ رحیمیہ اردو جلد ۶ صفحہ ۱۹۷ سے صفحہ ۲۳۵ تک موجود ہے۔ اس کو ضرور ملاحظہ فرمائیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔  
کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۴/ربیع الثانی ۱۴۱۴ھ  
الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

## زیارت قبور کا مسنون طریقہ

**سوال:** زیارت قبر کا صحیح طریقہ کیا ہے؟ یہاں یہ طریقہ رائج ہے کہ لوگ قرآن شریف کی کچھ سورتیں پڑھتے ہیں، اس کے بعد درود تاج بھی پڑھتے ہیں، پھر دعا مانگتے ہیں، علاوہ ازیں وسیلہ بھی مانگتے ہیں، پھر سجدہ تعظیمی بھی کرتے ہیں؟ کیا یہ طریقہ صحیح ہے؟ کیا سجدہ تعظیمی کرنا جائز ہے؟ کیا وسیلہ مانگنا جائز ہے؟

**الجواب:** حامداً ومصلياً ومسلماً

ہفتہ میں ایک روز قبرستان جانا چاہیے، جمعرات، جمعہ، ہفتہ اور پیر کا دن افضل ہے، قبرستان میں داخل ہو کر یوں سلام کرے: السلام علیکم دار قوم مؤمنین! وانا انشاء اللہ بکم لاحقون ونسئل اللہ لنا ولكم العافیة۔ پھر میت کے پاؤں کی طرف سے چہرے کے سامنے آکر کھڑا ہو کر دیر تک دعا کرے۔ (اگر ہاتھ اٹھا کر دعا کرنا ہے تو منہ قبلہ کی طرف اور پشت قبر کی طرف کرے) اور بیٹھنا چاہے تو زندگی میں میت کے ساتھ تعلق کے مطابق قریب یا دور بیٹھے، جس قدر میسر ہو تلاوت کرے؛ بالخصوص سورہ بقرہ کا اول مفلحون تک، آیت

الکرسى، آمن الرسول، سورۃ لیس، سورۃ ملک، سورۃ تکوین اور سورۃ اخلاص بارہ یا گیارہ یا سات یا تین بار پڑھ کر ایصالِ ثواب کرے۔ (شامی ۱/۲۶۵، ۲۶۶)  
 درود شریف کے جو صیغے احادیث میں آئے ہیں ان کا پڑھنا افضل ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۱۶/ محرم الحرام ۱۳۱۲ھ

## زیارت قبور اور میت کی روح کے متعلق

**سوال:** قبر پر سرھانے بیٹھیں یا پیر کی جانب؟ کیا مردے دیکھتے بھی ہیں؟ اگر سرھانے بیٹھا جائے تو مردے کو تکلیف ہوگی؟ کیا روح دفن ہونے کے بعد گھر پھر واپس آتی ہے؟

**الجواب:** حامداً ومصلياً ومسلماً

زیارت کا مسنون طریقہ یہ ہے کہ کھڑے کھڑے زیارت کرے۔ اگر چہ بیٹھنا بھی جائز ہے، ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ نے شرح لباب میں لکھا ہے کہ زیارت کرنے والے کو چاہیے کہ میت کے سرھانے سے نہیں؛ بلکہ پاؤں کی طرف سے زیارت کرے۔

قال في الفتح والسنة زیارتها قائماً والدعا عندها قائماً كما كان يفعلہ ﷺ في الخروج الى البقيع ويقول السلام عليكم الخ وفي شرح اللباب لملا علی القاری ثم من أداب الزيارة ما قالوا من انه يأتي الزائر من قبل رجلى المتوفى لامن قبل راسه لأنه اتعب لبصر الميت بخلاف الاول لانه يكون مقابل لبصره لكن هذا اذا امكنه الخ

(شامی ۱/۶۶۵)

روحوں کا گھر پر آنا کسی صحیح حدیث سے ثابت نہیں ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔  
 کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۱۵ رجب ۱۳۱۳ھ  
 الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

## انتقال کے بعد سونے کا دانت نکالنا

سوال: انتقال کے وقت کیا سونے کا دانت نکالنا ضروری ہے؟

الجواب: حامداً ومصلياً ومسلماً

اگر باسانی نکالا جاسکتا ہے تو نکال لیا جائے، اور اگر نکالنا مشکل ہو اور زیادہ محنت کرنے میں میت کی بے حرمتی ہوتی ہو تو اندر ہی چھوڑ دیا جائے۔ (در مختار شامی ۶۶۳/۱، احسن الفتاویٰ ۴/۲۴۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۲۴/ ذوالحجہ الحرام ۱۴۱۱ھ  
 الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

## ایصالِ ثواب میں امام ومؤذن کی شرکت

سوال: دوکان یا مکان یا مسجد میں قرآن خوانی کی اطلاع بہ ذریعہ اعلان اور بورڈ پر لکھ کر دی جاتی ہے، اور امام اور مؤذن کو بھی اس میں شرکت کے لیے مجبور کرتے ہیں، تو امام اور مؤذن کو اس مروجہ اور رسمی قرآن خوانی میں شرکت کرنا کیسا ہے؟

الجواب: حامداً ومصلياً ومسلماً

ایصالِ ثواب، نماز، قرآن شریف، تسبیح پڑھ کر، روزہ رکھ کر، حج کر کے، غریبوں کو کھانا، کپڑا وغیرہ ضرورت کی چیزیں دے کر، غرض ہر نیک کام کر کے جب بھی توفیق

ہو درست اور نفع بخش ہے، نہ اس میں تاریخ کی قید ہے، نہ دنوں کا حساب ہے، نہ اس میں کسی مخصوص چیز کی قید ہے، نہ ہیئات کی قید ہے، نہ سورتوں اور آیتوں کی قید ہے، نہ اور کسی قسم کی قید ہے، یہ تمام قیود شرعاً بے اصل ہیں، التزام کے بغیر اگر کچھ حضرات مل کر قرآن خوانی کر لیں تو اس کی اجازت ہے؛ لیکن اگر کوئی آدمی اس میں شریک نہ ہو اس پر طعن و تشنیع نہ کی جائے اور نہ ہی اس کو برا سمجھا جائے۔ امام صاحب اور مؤذن کو اس پر مجبور کرنا درست نہیں ہے، ان کو چاہیے کہ لوگوں کو صحیح مسئلہ بتلا کر شرکت سے معذوری ظاہر کر دیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عنی عنہ خانپوری، ۸/ شعبان المعظم ۱۴۱۲ھ  
الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عنی عنہ

## قومی ایکتا کے لیے کافر کی میت کا اعزاز و اکرام کرنا

**سوال:** کافر ہندو مسلمانوں کی ایکتا کے لیے کافر ہندو سنت سادھوگری راج بامن کی لاش پر مسلمان لیڈروں نے بچوں سے قرآن مجید کی تلاوت کرائی، وہ بھی کس طرح کہ لاش چار پائی پر اور قرآن مجید نیچے کی جانب، اور لیڈر مسلمانوں نے اس کی لاش پر جوشِ محبت کے ساتھ بہت سارے کثیر تعداد میں جمع ہو کر پھولوں کی چادر اور ہار وغیرہ ڈالے، اور اس کے مرگٹ یعنی سادھی پر بھی پھول کے ہار ڈالے گئے اور کافروں کی رسم کے مطابق بارھواں کرتے ہیں۔ تو بارھواں کے لڈو وغیرہ وغیرہ جو جو پکا ہوا تھا اس میں شریک ہو کر کھایا پیا۔ تو کافر کی لاش کے پاس قرآن مجید پڑھنا اور پھول ہار کرنا اور مرگٹ پر چادر چڑھانا اور بارھواں وغیرہ میں شریک ہو کر لڈو وغیرہ

کھانا یہ سب کفری کام ہیں یا نہیں؟ اور ایسے مسلمان کے لیے کیا حکم ہے؟ کیا ان کی مسلمانیت میں خرابی ہوگی یا نہیں؟ یا توبہ کرنا لازم ہوگا یا نہیں؟

**الجواب:** حامداً ومصلياً ومسلماً

قرآن پاک میں باری تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿ولا تصل على أحد منهم مات أبداً ولا تقم على قبره﴾ (التوبة: ۸۱) (ترجمہ) اور ان میں سے کوئی مر جاوے تو اس کے (جنازہ) پر کبھی نماز نہ پڑھئے اور نہ (دفن وغیرہ کے واسطے) اس کی قبر پر کھڑے ہو جئے۔ اس آیت سے یہ ثابت ہوا کہ کسی کافر کے اعزاز و اکرام کے لیے اس کی قبر پر کھڑا ہونا یا اس کی زیارت کے لیے جانا حرام ہے۔ (معارف القرآن ۴/۳۳۷) کافر کے لیے ایصالِ ثواب مفید اور جائز نہیں، یہ تمام امور جو ان مسلمانوں نے کئے حرام ہیں، اور ان پر توبہ لازم ہے، قومی بچہتی (قومی ایکتا) کا مطلب یہ نہیں کہ مسلمان اپنے مذہبی احکام کی پابندی اور مذہبی شعائر کی عزت و حرمت کا خیال نہ کریں؛ بلکہ مذہبی احکام کی پابندی اور مذہبی شعائر کی عزت و حرمت کا خیال کرتے ہوئے سیاست، تجارت، صنعت، زراعت وغیرہ امور میں اشتراک عمل کا نام قومی بچہتی ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد غنی عنہ خانپوری

دیوانہ لڑکے کی نمازِ جنازہ وغیرہ

**سوال:** ایک دیوانہ لڑکا ہے وہ مذہب کے بارے میں کچھ نہیں جانتا اور ہمیں

بھی معلوم نہیں کہ اس کا مذہب کیا ہے؟ جب وہ قبروں پر جاتا ہے تو وہ ویسا ہی عمل



کرنے لگتا ہے جیسا غیر مسلم کرتے ہیں؛ مگر اس لڑکے کی پرورش ایک مسلم گھر میں ہو رہی ہے، اگر اس کی موت واقع ہو جائے تو اس کے کفن، دفن، نماز جنازہ کے بارے میں کیا عمل ہو؟

**الجواب:** حامداً ومصلياً ومسلماً

اس کے ماں باپ میں سے کوئی مسلمان ہے تو اس کو بھی مسلمان قرار دے کر اس کی تجہیز و تکفین اور نماز جنازہ پڑھی جائے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد غنی عنہ خانپوری

**بیٹھ کر قبر میں مٹی رکھنا**

**سوال:** میت کو مٹی جھک کر یا بیٹھ کر دے سکتے ہیں یا نہیں؟ بعض لوگ سختی سے منع کرتے ہیں کہ مٹی بیٹھ کر قبر پر نہ رکھیں؛ بلکہ جھک کر میت کو مٹی دیں۔

**الجواب:** حامداً ومصلياً ومسلماً

جس طرح سہولت ہو دے سکتے ہیں، بیٹھ کر بھی مٹی دینا درست ہے۔

كما يفهم من عبارة الدر والشامية: كما كره لمتبعها جلوس قبل وضعها، وقيام بعده قال العلامة الشامي ابن عابدين: (قوله وقيام بعدها) يكره القيام بعد وضعها عن الأعناق كما في الخانية والعناية وفي المحيط خلافه حيث قال: والأفضل أن لا يجلسوا حتى يسوا عليه التراب قال في البحر: والأول أولى لما في البدائع لا بأس بالجلوس بعد الوضع. (الدر مع الشامية ١/٦٥٨) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد غنی عنہ خانپوری

## میت کا منہ دکھانے کی رسم

**سوال:** ہم عوام میں زیارت میت کی عمومیت بشمولیت مردوزن ہے، اس میں محرم وغیر محرم کی کوئی تمیز نہیں کی جاتی، تو صورتِ مسئلہ کے متعلق مفتی بہ قول جواب ارشاد فرمائیں؛ نیز زیارت میت عند الشرع مشروع ہے یا نہیں؟ اگر ہے تو کس حد تک؟ اور نیز مسلم میت کی زیارت غیر مسلم کے لیے؛ اس کا حکم ارشاد فرمائیں اور اس کے برعکس کا بھی حکم ارشاد فرمائیں؟

**الجواب:** حامداً ومصلياً ومسلماً

میت کا منہ دکھلانے کی جو رسم ہمارے یہاں مروج ہے وہ بے شمار مفاسد کی بناء پر واجب الترتک ہے۔ (حسن الفتاویٰ ۴/۲۱۹) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: العبد احمد غنی عنہ خانپوری

## جنازہ میں غیر مسلم کی شرکت

**سوال:** بعض جگہ دیکھا گیا ہے اور سننے میں آیا کہ قبرستان تک غیر مسلم افراد جنازہ کی معیت میں جاتے ہیں تو ان کا وہاں تک مسلم میت کے ساتھ جانا موجب عذاب و لعنت ہے یا نہیں؟

**الجواب:** حامداً ومصلياً ومسلماً

کسی غیر مسلم کا مسلمان کے جنازہ میں قبرستان جانا جائز نہیں۔

(ایضاً ۴/۲۳۳، فتاویٰ محمودیہ ۱۵/۳۳۵)

اسی طرح مسلم کا غیر مسلم کے جنازے میں جانا درست و جائز نہیں ہے۔ (ایضاً) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۲۶ / صفر ۱۴۱۹ھ  
الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ

## میت کے ساتھ کافر کا شریک ہونا

**سوال:** کافروں کا قبرستان جانا اور میت کے ساتھ آنا قبرستان میں کیسا ہے؟ اور میت کے ساتھ چلنا کیسا ہے؟

**الجواب:** حامداً ومصلياً ومسلماً

جائز نہیں۔ (احسن الفتاویٰ ۳/ ۲۳۳) روکنے میں اگر شرفتنہ کا اندیشہ ہو تو خاموش رہنے کی گنجائش ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

## بعد دفن ہاتھ اٹھا کر دعا کرنا

**سوال:** بعد تدفین میت قبر کے پاس دعا کی جاتی ہے اور دونوں ہاتھوں کو دیگر بوقت ادعیہ کی طرح دراز کیا جاتا ہے تو عند الشرح یہ عمل درست ہے یا نہیں؟ بعد تدفین میت یہ عمل اگر درست ہے تو کس درجہ کا؟ واجب سنت یا مستحب؟ اور ترک عمل مذکورہ پر قابل ملامت ہو سکتا ہے یا نہیں؟ بہت سے لوگ ایسے لوگوں پر جو اس عمل میں شریک نہیں ہوتے لعن و طعن کرتے ہیں، اگر مذکورہ عمل مشروع ہوں، تو حضرت والا ذرا مہربانی فرما کر اس کی اصلیت کی طرف اس بندہ کی رہنمائی فرمائیں، آیا وہ عمل مذکور

احادیث و آثار صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے ثابت ہے یا کسی صاحبِ مذہب مجتہدِ مطلق کا قول ہے؟

**الجواب:** حامداً ومصلياً ومسلماً

میت کو قبر میں دفن کرنے کے بعد دعا کرنا کہ: ”اللہ پاک سوالِ قبر کے جواب میں اس کو ثابت قدم رکھے اور اس کی مغفرت فرمائے“۔ حدیث شریف سے ثابت ہے، مشکوٰۃ شریف میں یہ حدیث موجود ہے۔ (فتاویٰ محمودیہ ۱۶/۴۷۸)

قبر پر دعا کے لیے ہاتھ نہ اٹھانا بہتر ہے اور جہاں کہیں کسی غلط فہمی کا اندیشہ نہ ہو ہاتھ اٹھا کر دعا کرنے میں مضائقہ بھی نہیں؛ لیکن اس صورت میں رخ قبلہ کی طرف کرے۔ (فتاویٰ محمودیہ ۱۳/۳۰۹) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۲۶/ صفر ۱۴۱۹ھ

الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ

**دفن کے وقت ہاتھ اٹھا کر دعا کرنا، اکابر دیوبند کا معمول**

**سوال:** تبعین اہل سنت والجماعت بوقتِ دفن ویسے ہی دعا کیا کرتے تھے میت کے لیے یعنی بغیر ہاتھ اٹھا کر اور بہت عرصے سے یہی طریق ان کا رہا اور اسے علمائے دیوبند و اکابر امت کا معمول بہ سمجھ کر کرتے تھے اور ویسے تو اکابر امت حضرت شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا رحمۃ اللہ علیہ، فقیہ الامت حضرت مفتی محمود حسن صاحب رحمۃ اللہ علیہ اور مسیح الامت حضرت مولانا محمد مسیح اللہ خاں صاحب رحمۃ اللہ علیہ سب کا عمل یہ دیکھا گیا کہ قبر کے پاس بغیر ہاتھ اٹھا کر میت کے لیے دعا فرماتے تھے۔

اب کچھ دنوں سے جنوبی افریقہ کے بعض علاقے میں علمائے دیوبند کی طرف منسوب بعض علماء و شیوخ قبر پر ہاتھ اٹھا کر دعا کرنے کے سلسلہ میں یہ عمل رائج کرنے لگے کہ سب حاضرین قبلہ کی طرف منہ کر کے ہاتھ اٹھائے ہوئے دعا کریں، اور استدلال میں صحیح ابی عوانہ اور تخریج حافظ فی الفتح کی حدیث پیش کرنے لگے؛ یہاں تک کہ اس سلسلہ میں ان حضرات کی طرف سے ایک کتاب چھپ چکی ہے کہ جس میں اس بات کو ثابت کرنے کی کوشش کی گئی ہے کہ یہ جو طریقہ انھوں نے اختیار کیا ہے سنت ہے اور حدیث پاک سے مؤید ہے۔ اب دریافت طلب یہ امر ہے کہ بزرگان دین متین اور علمائے اکابر نے اس حدیث پر عمل کیوں نہیں کیا آیا وہ اس حدیث سے نا آشنا تھے (العیاذ باللہ) یا یہ کہ کوئی وجہ تھی جسکی بنا پر انھوں نے رفع یدین عند القبر اگرچہ استقبالا للقبلة ہو ترک فرما دیا ہے؟ کیا یہ نوپید علماء و شیوخ حدیث کا عمل و مستدل اصح اور قابل اتباع ہے یا ماضی کے علمائے اعیان و مشائخ عظام کا تعامل و طریق زیادہ قابل اتباع اور لائق عمل ہے؟ افتونا ماجورین و ادخلوا الجنة مسرورین۔

الجواب: حامداً و مصلياً و مسلماً

عام زیارت قبور کے موقع پر میں نے بھی اپنے اکابر کو ہاتھ اٹھا کر دعا مانگتے نہیں دیکھا، رہا دفن میت کے بعد ہاتھ اٹھا کر دعا کرنا، اس سلسلہ میں احقر نے رائدیر کے اکابر کا عمل ہاتھ اٹھا کر دعا مانگنے کا دیکھا ہے، آپ نے اپنے سوال میں شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا صاحب رحمۃ اللہ علیہ، فقیہ الامت حضرت مفتی محمود حسن صاحب رحمۃ اللہ علیہ اور مسیح الامت حضرت مولانا محمد مسیح اللہ خاں صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا جو عمل بغیر ہاتھ اٹھا کر دعا کرنے

کا لکھا ہے وہ اگر زیارت قبور کے موقعہ کا ہے تو تسلیم ہے، اور اگر دفن کے بعد کا ہے تو کیا یہ عمل آپ نے اپنی آنکھوں سے دیکھا؟ یا کسی ثقہ راوی سے سنا؟ سوال میں اس کی کوئی تصریح نہیں، رہا نفس مسئلہ، تو جب ایک صحیح روایت سے اس کا ثبوت موجود ہے تو اب اس کا انکار سمجھ میں نہیں آتا۔

احسن الفتاویٰ (۲۲۴/۴) کا مضمون آپ کی نگاہوں سے ضرور گزرا ہوگا، جس میں انہوں نے صاف لکھا ہے کہ ”مگر اکابر کے تعامل عدم رفع کے پیش نظر رفع یدین کے قول و عمل کی ہمت نہ ہوتی تھی الخ“ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت مفتی رشید احمد صاحب لدھیانوی رحمۃ اللہ علیہ بھی آپ کی طرح اکابر کے عمل کی وجہ سے قائل نہیں تھے بلکہ زمانہ سابق میں رفع یدین کے بدعت ہونے کا فتویٰ بھی دے چکے تھے؛ لیکن جب ان کے سامنے روایت پیش کی گئی، تو بایں ہمہ وجوہ اس کے قائل ہو کر اپنے سابقہ فتویٰ سے رجوع کر لیا، باقی آپ نے سوال کے آخر میں جو یہ جملہ لکھا ہے کہ ”بزرگان دین متین اور علمائے اکابر نے اس حدیث پر کیوں عمل نہیں کیا، آیا وہ اس حدیث سے نا آشنا تھے العیاذ باللہ الخ“

ہمارے ان اکابر کا اپنے وفور علم کے باوجود کسی حدیث سے نا آشنا ہونا ان کی شان کے خلاف نہیں، اور آپ کا محض اسی بنیاد پر حدیث کا ثبوت ہونے کے باوجود اس پر عمل کو قابل تعجب قرار دینا خود قابل تعجب ہے۔

بخاری شریف تو آپ نے پڑھی ہی ہوگی، جہاں امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ جیسی جلیل القدر شخصیت کا استیذان کے لیے تین مرتبہ سلام کرنے کے بعد اجازت نہ ملنے پر واپس جانے والی روایت سے ناواقف ہونا مستقل باب قائم کر کے یہ ثابت

کرنے کے لیے پیش کیا ہے کہ کسی بڑے سے بڑی شخصیت کا بھی تمام احادیث اور نصوص سے واقف ہونا نہ تو ضروری ہے، نہ ہی ناواقفیت ان کی شان کے خلاف۔ اب اخیر میں حضرت مفتی کفایت اللہ صاحب کا ایک فتویٰ پڑھ لیجیے تحریر فرماتے ہیں: ”دفن کے بعد میت کے لیے دعائے مغفرت کرنی جائز ہے مگر ہاتھ اٹھا کر کرنی لازم نہیں، خواہ ہاتھ اٹھائے یا نہ اٹھائے، دونوں جائز ہیں۔ (کفایت المفتی ۴/۳۸) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔“

املاہ: العبد احمد خان پوری، ۸/ ربیع الاول ۱۴۲۵ھ  
الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ

## دفن کے بعد ہاتھ اٹھا کر دعا کرنا

**سوال:** ہمارے یہاں قبرستان میں بعد تدفین ہاتھ اٹھا کر بلند آواز سے دعا ہوتی ہے، بعض لوگ ہاتھ اٹھائے بغیر بلند آواز سے دعا کرتے ہیں، مجھے دو تین مرتبہ اتفاق ہوا، میں نے لوگوں سے کہہ دیا کہ: دل میں میت کے لیے ثابت قدمی و مغفرت کی دعا کیجیے اور پڑھ کر دل میں اس کا ثواب ایصال کر دیجیے، گجرات میں تو کسی چیز کا اہتمام دیکھنے میں نہیں آیا۔ اس سلسلے میں حضرت والا مسنون طریقہ تحریر فرما کر ممنون فرمائیں۔

**الجواب:** حامداً ومصلياً ومسلماً

میت کو دفن کرنے کے بعد قبر پر کچھ دیر ٹھہرنا اور دعا کرنا ثابت ہے، اس دعا میں رفع یدین بھی ثابت ہے۔

حافظ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ نے صحیح ابوعوانہ کے حوالہ سے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی روایت فتح الباری میں نقل فرمائی ہے، جس میں حضرت عبداللہ ذوالجنادین رضی اللہ عنہ کی تدفین سے فارغ ہو کر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ہاتھ اٹھا کر دعا کرنا مذکور ہے، بہ وقت دعا چہرہ قبلہ کی طرف کر لیا جائے؛ البتہ حضرت مفتی محمود حسن صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے اس کو غلط فہمی کا اندیشہ نہ ہونے کی حالت سے مقید فرمایا ہے۔ گجرات میں رفع یدین کے ساتھ اجتماعی دعا کا طریقہ رائج ہے۔

احسن الفتاویٰ (۳/۲۲۳) اور فتاویٰ محمودیہ (۱۳/۳۰۹) اور فتاویٰ رحیمیہ (۵/۱۲۶ تا ۱۲۹) کا مطالعہ فرمائیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۱۶ جمادی الاولیٰ ۱۴۲۱ھ  
الجواب صحیح: عباس داود بسم اللہ

## میت کو خوشبو لگانے کا طریقہ

**سوال:** مردہ کے کفن میں ایک پاؤڈر بادامی رنگ کا ہوتا ہے اسے خوشبو کہتے ہیں، اور پورے کفن میں اسے بھر دیتے ہیں کہ کیڑے نہیں لگتے، تو کیا اسے لگانا درست ہے؟ اور اس کے ساتھ پانی کی بوتل ہوتی ہے، غالباً گلاب کا پانی ہوتا ہے، اس میں وہ خوشبو بھگو کر پیشانی پر، گھٹنے پر بھی لگاتے ہیں۔

**الجواب:** حامداً ومصلياً ومسلماً

فتاویٰ رحیمیہ میں ہے: حنوط جو پاک چند خوشبودار عطر وغیرہ اشیاء کا مرکب ہوتا ہے وہ عورت کے سر کے بالوں میں اور مرد کے سر اور ڈاڑھی کے بالوں میں لگایا جائے،



اور کا فوراً اعضاء سجدہ پر یعنی پیشانی، ناک، ہتھیلیاں، گھٹنوں اور قدموں پر جو بوقت سجدہ زمین سے لگتے ہیں ملا جائے، یہ حکم مرد اور عورت دونوں کو شامل ہے، مرد کے لیے حنوط میں زعفران وغیرہ رنگین خوشبو کو شامل نہ کیا جائے، عورت کے لیے اجازت ہے، بعض کتب فقہ میں پورے جسم پر خوشبو لگانے کی اجازت ہے؛ مگر ستر کو دیکھنے اور ہاتھ لگانے سے احتراز ضروری ہے، غالباً اسی لیے اپنے یہاں دستور ہے کہ کفن پھیلا کر اس پر حنوط (مرکب خوشبو) چھڑک دیا جاتا ہے، اور اس پر میت کو لٹا کر کفن لپیٹ دیا جاتا ہے؛ تاکہ سارا جسم معطر ہو جاوے، اس طرح ستر کو ہاتھ لگنے سے اور نظر پڑنے سے حفاظت رہتی ہے۔ (۳۴۷/۶) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

املاہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۶/ربیع الآخر ۱۴۲۹ھ

الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ الجواب صحیح: عبدالقیوم راجکوٹی

## میت کے سرہانے ٹہنی رکھنا

سوال: میت کو دفن کرنے کے بعد میت کے سرہانے ٹہنی رکھتے ہیں، یہ ٹہنی رکھنا صحیح ہے یا نہیں؟

الجواب: حامداً ومصلياً ومسلماً

فقہ کی کتاب میں اس کو نہیں دیکھا، اگر یہ چیز ثابت ہوتی تو فقہا ضرور لکھتے، فتاویٰ رشیدیہ میں اس کو رد و افض کا شعار لکھا ہے، لہذا اس سے بچنا چاہیے۔ (فتاویٰ محمودیہ ۲/۳۹۹) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۲۷/محرم الحرام ۱۴۱۸ھ

الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

## تدفین سے پہلے ایصالِ ثواب کا حکم

**سوال:** زید کے انتقال کے موقع پر کچھ لوگ زید کے گھر تعزیت کی غرض سے جمع ہوئے تھے اور آپس میں دنیاوی باتوں میں مشغول تھے، کسی صاحب نے ان سے کہا کہ اس سے بہتر تو قرآن شریف پڑھ کر میت کو ایصالِ ثواب کیا جائے تو ان حضرات نے کہا کہ آج تو انتقال کا دن ہے اور انتقال کے دن قرآن نہیں پڑھا جاسکتا بلکہ آئندہ کل پڑھا جائے گا تو اصل پوچھنا یہ ہے کہ انتقال کے روز یا دفن سے پہلے قرآن پاک میت کے ایصالِ ثواب کی غرض سے پڑھا جاسکتا ہے یا نہیں؟

**الجواب:** حامداً ومصلياً ومسلماً

نماز روزہ صدقہ قرآن پاک کی تلاوت وغیرہ نیکی کے کام کا ثواب میت کو یا زندہ آدمی کو بخشا جاسکتا ہے، اور یہ ثواب جس کو بخشا گیا اس کو پہنچ جاتا ہے، جس آدمی کو ثواب پہنچایا جا رہا ہے اس کا میت ہونا بھی ضروری نہیں، بلکہ اگر وہ زندہ ہو تب بھی اس کو ثواب پہنچتا ہے اس لیے دفن سے پہلے یا بعد کی قید ضروری سمجھنا درست نہیں ہے۔ شامی میں بحر الرائق سے لکھا ہے:

وفي البحر من صام أو صلى أو تصدق وجعل ثوابه لغيره من الاموات والاحياء جاز ويصل ثوابها اليهم عند أهل سنة والجماعة كذا في البدائع (شامی ۱/۶۶۶) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۵ جمادی الاولیٰ ۱۳۱۳ھ

الجواب صحیح: عباس داؤد۔ بسم اللہ عفی عنہ

## قبل از غسل میت قرآن پڑھ کر ایصالِ ثواب کرنا

**سوال:** کسی کے انتقال کے فوراً بعد غسل دیئے بغیر ایصالِ ثواب کے لیے قرآن پڑھوانا جائز ہے یا نہیں؟ اسی طرح اگر کسی دور جگہ سے انتقال کی خبر بذریعہ ٹیلیفون پہنچی اور یہ یقین ہو کہ اتنی دیر میں میت کو غسل نہیں دیا گیا ہوگا پھر بھی قرآن پڑھوانا کیسا ہے؟ سوال کا خلاصہ یہ کہ قرآن پڑھوانے کے لیے غسل کی شرط صرف اسی وقت ہے جب کہ جنازہ پڑھنے والوں کے سامنے ہو یا ہر وقت، چاہے جنازہ پاس ہو یا دور ہو غسل کے بغیر قرآن نہیں پڑھ سکتے؟

**الجواب:** حامداً ومصلياً ومسلماً

اگر میت قرآن پڑھنے والوں کے سامنے موجود نہیں ہے اس صورت میں تو بغیر غسل دیئے بھی بلا کراہت درست ہے، اسی طرح اگر میت سامنے موجود ہے، لیکن اس پر اس طرح کپڑا ڈال دیا گیا کہ پوری میت مستور ہے، کوئی عضو کھلا ہوا نہیں ہے تو اس صورت میں بھی کراہت نہیں ہے اور اگر وہ پورے طور پر مستور نہیں ہے لیکن تلاوت سرّاً کی جارہی ہے تب بھی کراہت نہیں ہے، البتہ اس آخری صورت میں جبراً تلاوت کرنا مکروہ ہے۔ (شامی ۱/۶۳۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

## جنازے میں عدم شرکت کی وصیت معتبر نہیں

**سوال:** ایک شخص نے اپنے قریبی رشتے دار کو غصہ میں آکر کہا کہ میرے

جنازے میں اس کو نہیں آنے دینا جس کو کہا گیا اس نے سنا نہیں ہے، اگر وہ آجائے تو کیا جو حضرات ان کی گفتگو سنے ہیں وہ گنہگار ہوں گے یا نہیں؟

**الجواب:** حامداً ومصلياً ومسلماً

مسلمان کے جنازہ میں شریک ہونے کی حدیث میں تاکید اور ترغیب آئی ہے کسی کو یہ حق نہیں پہنچتا کہ اپنے جنازہ میں شرکت سے کسی کو منع کرے اگر کسی نے کسی کے متعلق یہ کہا کہ فلاں کو میرے جنازہ میں آنے نہ دیا جائے تو اس کی بات پر عمل نہیں کیا جائے گا لاطاعة لمخلوق في معصية الخالق اس لیے صورت مسؤلہ میں اس رشتے دار کو چاہیے کہ جنازہ میں شرکت کرے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

الجواب صحیح: عباس داود بسم اللہ  
 أملاه: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

## جنازے کی ایک رسم

**سوال:** ہمارے یہاں یہ رواج ہے کہ میت کے کفن کے کپڑوں کے علاوہ چارپائی پر ایک کپڑا ڈالا جاتا ہے جو میت کے رشتے داروں میں سے کوئی ڈالتا ہے، دفنانے کے بعد فقیر کو دے دیا جاتا ہے تو شرعاً اس کا ڈالنا کیسا ہے؟ اگر جائز ہے تو بعض لوگ مسجد کے کام میں اس کو استعمال کرتے ہیں ان کا کیا حکم ہے؟

**الجواب:** حامداً ومصلياً ومسلماً

یہ بے اصل چیز ہے اس کی اجازت نہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

أملاه: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

الجواب صحیح: عباس داود بسم اللہ

## قبر کے پاس تلاوت قرآن کا حکم

**سوال:** کسی قبر پر جا کر قرآن یا سورہ یسین وغیرہ پڑھنا کیسا ہے نیز اگر جانے کا اہتمام کریں اور قبر کے پاس بیٹھ کر پڑھیں تو اس میں کوئی قباحت ہے یا نہیں؟

**الجواب:** حامداً ومصلياً ومسلماً

قبر پر جا کر قرآن شریف یا سورہ یس شریف پڑھنا جائز اور مباح ہے، اس کا التزام منع ہے، زیارت قبر کو مستحب سمجھتے ہوئے جانے کا اہتمام کرنا درست ہے، التزام نہ ہو۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۱۵ رجب ۱۳۱۳ھ  
الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

## قبر پر قرآن شریف میں دیکھ کر تلاوت

**سوال:** اگر کوئی قبرستان میں قرآن شریف یا سورہ یسین لے جا کر والدین کے سرہانے تلاوت کرتا ہے، تو کیا یہ طریقہ صحیح ہے؟

**الجواب:** حامداً ومصلياً ومسلماً

درست ہے، کذا فی الدر المختار؛ مگر بہتر یہ ہے کہ قرآن پاک وہاں نہ لے جائے؛ بلکہ حفظ پڑھے۔ (فتاویٰ محمودیہ ۱۳/۳۰۲) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۹ جمادی الاخریٰ ۱۳۱۹ھ  
الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ

## میت کو قبر میں کس طرح اتارے؟

**سوال:** میت کو قبر میں کس طرح سے اتارے؟ سنا ہوں کہ قبلہ کی طرف سے، تو سوال یہ ہے کہ جنازہ کو مغرب کی جانب رکھے اور اس طرح سے اتارے یا اور کوئی طریقہ سنت ہے؟

**الجواب:** حامداً ومصلياً ومسلماً

جنازہ کو قبر سے مغرب (یعنی قبلہ) کی طرف رکھے اور وہاں سے اتارے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۴ رجب ۱۶۱۶ھ  
الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

## میت کو قبر میں لٹانے کا طریقہ

**سوال:** دفن کے بعد میت کو قبلہ کی طرف کروٹ دینا سنت ہے یا چت لٹا کر منہ جانب قبلہ کر دے؟

**الجواب:** حامداً ومصلياً ومسلماً

میت کو قبر میں رکھ کر دائیں کروٹ پر قبلہ کی طرف لٹایا جائے، چت لٹا کر صرف منہ قبلہ کی طرف کرنا کافی نہیں ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۴ رجب ۱۶۱۶ھ  
الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

## قبر کتنی اونچی کر سکتے ہیں؟

**سوال:** قبر کو کتنی اونچی کر سکتے ہیں، بعض مرتبہ مٹی ڈالنے کے بعد دو یا ڈیڑھ ہاتھ اونچی ہو جاتی ہے۔ اسی طرح پرانی قبر تو منہدم ہو گئی اس پر مٹی ڈال کر نئی قبر کی طرح لوگ از سر نو بنا دیتے ہیں یہ کیسا ہے؟ حالاں کہ سنا ہوں کہ قبر جتنی جلد مٹ جائے یہ مغفرت ہونے کی نشانی ہے؟

**الجواب:** حامداً ومصلياً ومسلماً

مستحب یہ ہے کہ قبر اونٹ کے کوہان کے مثل بنائی جائے، اس کی بلندی ایک بالشت یا اس سے کچھ زیادہ ہونی چاہیے۔ اگر قبر بیٹھ جائے تو اس پر دوبارہ مٹی ڈالنا جائز ہے، آپ نے مغفرت کی جو نشانی لکھی ہے وہ میرے علم میں نہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عنی عنہ خانپوری، ۴ رجب ۱۴۱۶ھ

الجواب صحیح: عباس داؤد۔ بسم اللہ عنی عنہ

## جنازہ کے ساتھ بہ آواز بلند کلمہ پڑھنا

کیا میت لے جاتے وقت باواز بلند لا الہ الا اللہ کا ذکر کرتے ہوئے لے جانا درست ہے؟

**الجواب:** حامداً ومصلياً ومسلماً

جنازہ کے ساتھ باواز بلند کلمہ پڑھنا بدعت ہے۔

کرہ فیہا رفع صوت بذكر او قرأه فتح (در مختار) قیل تحریماً وقیل تنزیہاً کما فی البحر عن الغایة وفیہ عنہا وینبغی لمن تبع الجنایة ان یتطیل الصمت الخ (شامی ۶۵۸/۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۲۱/ رجب ۱۴۱۵ھ

## شب براءت اور عیدین میں زیارت قبور کا حکم

**سوال:** زیارت قبور شعبان کی پندرہویں شب میں بعد نماز مغرب و عشاء قبل فجر و بعد نماز عیدین خصوصی طور سے احادیث سے ثابت ہے یا عام حالات میں حکم یکساں ہے؟

**الجواب:** حامداً ومصلياً ومسلماً

شب براءت میں بعد العشاء کسی بھی وقت مزار پر جانا کافی ہے۔  
ومما ثبت من فعله ﷺ انه اتى المقبرة ليلة النصف من شعبان يستغفر للمؤمنين والمومنات والشهداء عن عائشة الخ. (فتاویٰ محمودیہ ۱۳/۳۱۳)  
بعد نماز عیدین خصوصیت سے زیارت قبور ثابت نہیں؛ البتہ عید کا دن مسرت کا دن ہوتا ہے، بسا اوقات مسرت میں لگ کر آخرت سے غفلت ہو جاتی ہے اور زیارت قبور سے آخرت یاد آتی ہے؛ اس لیے اگر کوئی شخص عید کے دن زیارت قبور کرے تو مناسب ہے کچھ مضا لفقہ نہیں؛ لیکن اس کا التزام خواہ عملاً ہی سہی جس سے دوسروں کو یہ شبہ ہو کہ یہ چیز لازمی اور ضروری ہے، درست نہیں، نیز اگر کوئی شخص اس دن زیارت قبور نہ کرے، تو اس پر طعن کرنا یا اس کو حقیر سمجھنا درست نہیں، اس کی احتیاط لازم



ہے۔ (فتاویٰ محمودیہ ۲۷۶/۲، ۲۷۷) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۲۳ رجب ۱۴۱۵ھ  
الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

## شوہر کے مرض الموت میں مہر معاف کروانا

**سوال:** خاوند کی جاگنی کے وقت بیوی کا مہر معاف کرنا کیسا ہے، اس طرح سے معافی ہوگی یا نہیں؟

**الجواب:** حامداً ومصلياً ومسلماً

حضرت حکیم الامت رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں: زوج کے مرض الموت میں عورت مہر معاف کر دیتی ہے، اس میں تفصیل یہ ہے کہ اگر خوشی سے معاف کر دے تو معاف ہو جاتا ہے، اور اگر عورتوں کے زبردستی گھیرا گھیری معاف کرے عند اللہ (اللہ تعالیٰ کے نزدیک) معاف نہیں ہوتا، اوپر والوں کو ایسے موقع پر اس طرح مجبور نہ کرنا چاہیے۔ (اصلاح انقلاب امت حصہ دوم ۱۳۷، ۱۳۸) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۲۳ رجب ۱۴۱۵ھ  
الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

## انتقال اور غسل کے وقت میت کو کس طرح سلائے؟

**سوال:** انتقال کے وقت میت کو کس طرح سے سلانا چاہیے؟ اسی طرح غسل کے وقت بھی؟

الجواب: حامداً ومصلياً ومسلماً

حالت زندگی میں سونے کا جو مسنون طریقہ ہے اس کے مطابق، صرف کروٹ نہ دے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد غنی عنہ خانپوری، ۲۶/۲۷ ذوالقعدہ ۱۴۱۵ھ

غیر مسلم میت کو کندھا دینا اور اگنی سنسکار کرنا

سوال: یہاں پر ایک مسلم بھائی کے گھر میں کافر غیر مسلم عورت رہتی تھی، حال یہ ہوا کہ بروز اتوار اس کا انتقال ہو گیا، اور مسلم بھائی نے مل کر اس کو کندھا دیا، اور اگنی سنسکار کیا۔ تو ہمارے والد صاحب کے مامو جان قطب الدین بھائی یہ بات بالتفصیل جاننا چاہتے ہیں کہ: آیا کیا یہ صحیح ہے؟ اور ان حضرات کے ایمان کا کیا حال ہوگا؟ وہ وضاحت کے ساتھ تحریر فرمائیں۔

الجواب: حامداً ومصلياً ومسلماً

کسی مسلمان کا غیر مسلم کے جنازہ میں شرکت کرنا، اس کو کندھا دینا جائز نہیں ہے، گناہ ہے، تو بہ کریں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد غنی عنہ خانپوری، ۲۶/۲۷ ذوالقعدہ ۱۴۱۵ھ

## باب المکروہات والمفسدات

### کل صلاة أدیت إلخ کا محل

(ہر وہ نماز جو مکروہ کے ارتکاب کے ساتھ پڑھی گئی اس کا لوٹانا مستحب ہے یا واجب؟)

**سوال:** فقہ کا اصول ”کل صلاة ادیت مع کراهية وجبت اعادتها“ کا محل کیا وقت کے ساتھ خاص ہے، کہ وقت کے بعد بھی اعادہ ضروری ہے جب کہ فتاویٰ محمودیہ ۲/۱۳۳، تحفۃ اللمعی ۲/۱۰۱، ۶۰ پر لکھا ہوا ہے کہ وقت میں اعادہ واجب ہے اور وقت کے بعد مستحب ہے، برخلاف عمدۃ الفقہ ۲/۳۴۱، مسائل امامت مدلل ”مفتی حبیب الرحمن خیر آبادی کی“ ۲۸۳، شامی مکتبہ دارالکتب ۲/۴۵۵ سے ۲/۴۵۸ تک کے خلاصہ سے یہ بات راجح سمجھ میں آتی ہے کہ وقت اور بعد الوقت اعادہ کرنا واجب ہے؛ تو حضرت سے گزارش ہے کہ برائے کرم اس تعارض کو دور کر کے شکریہ کا موقع عنایت فرمائیں۔

**الجواب:** حامداً ومصلياً ومسلماً

احسن الفتاویٰ کی چوتھی جلد میں ایک مستقل رسالہ ”نبیل السعادة بالاعتداء فی الصلاة المعادة“ نامی شامل ہے، اس کے اخیر میں صاحب فتاویٰ تحریر فرماتے ہیں: بارہویں صدی ہجری کے مشہور فقیہ النفس حضرت مخدوم محمد ہاشم ٹھٹویؒ کی شخصیت کسی تعارف کی محتاج نہیں، مگر حقیقت یہ ہے کہ آپ کے فتاویٰ اور تحقیقات فقہیہ میں آپ کے تجر و تعمق کے مشاہدہ کے بعد واضح ہوتا ہے کہ آپ کی تحقیقات کا

مطالعہ کئے بغیر آپ کا تعارف بہت ناقص بلکہ کالعدم ہے، مسئلہ زیر بحث سے متعلق آپ کے دو فتوے نقل کئے جاتے ہیں:

سوال: بعد از خروج وقت جبر نقصان مستحب است یا واجب؟

جواب: ہر دو روایت است، والاصح الوجوب کما فی مسائل شتی من

شرح المنیة.

سوال: در جبر نقصان نماز مغرب و وتر اگر سہواً برسہ رکعت نہ نشست، چہ کند؟ سہو

وہد یا جبر باز گرداند۔ الجواب: باز گرداند۔ (بیاض ہاشمی قلمی جلد اول باب قضاء الفتاویٰ ص ۱۳۰، احسن الفتاویٰ ۳/۳۵۲) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

املاء: احمد خانپوری، ۱۵ / رجب المرجب ۱۴۲۸ھ

الجواب صحیح: عباس داد بسم اللہ الجواب صحیح: عبدالقیوم راجکوٹی

## نماز میں فساد آئے تو اسی وقت ختم کر دے

سوال: امام صاحب سے فرض چار رکعات کی دوسری رکعت میں قرأت میں فاحش غلطی ہوگئی جس کی وجہ سے نماز فاسد ہوگئی تو کیا چار رکعات پوری کریں گے یا جس وقت غلطی ہوئی اسی وقت بیٹھ کر سلام پھیر کر نماز کا اعادہ کریں گے؟

الجواب: حامداً ومصلياً ومسلماً

نماز میں جب فساد آ گیا تو اب اس کو پورا کرنے کی ضرورت نہیں ہے بلکہ اسی وقت ختم کر کے اعادہ کر لے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

## رکوع سجدے میں قراءت کرنا

**سوال:** تراویح میں حفاظ کرام تراویح کی فکر میں رکوع اور سجدہ میں بھی قرآن کریم پڑھتے ہیں، تو کیا یہ درست ہے؟ نماز کی صحت اور عدم صحت کا کیا حکم ہے؟

**الجواب:** حامداً ومصلياً ومسلماً

رکوع اور سجدہ کی حالت میں قرآۃ کی حدیث میں ممانعت آئی ہے، اس لیے اس حالت میں قرآن کریم پڑھنا درست نہیں ہے، نماز کراہت تنزیہی کے ساتھ ادا ہوگی۔ (مسائل تراویح: ۹۷) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۱۱/شوال ۱۳۱۳ھ  
الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

## نماز قرآن مجید سے دیکھ کر پڑھنا

**سوال:** نماز تراویح میں عمل کثیر سے بچتے ہوئے مصحف سے دیکھ کر قرآن مجید پڑھنا کیسا ہے؟ بخاری میں ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا غلام ذکوان رضی اللہ عنہ ان کو نماز میں امامت کراتا تھا، اور وہ مصحف سے دیکھ کر قرآن مجید پڑھتا تھا۔

**الجواب:** حامداً ومصلياً ومسلماً

حالت نماز میں قرآن مجید سے دیکھ کر پڑھنا مفسد نماز ہے۔

وقراءته من مصحف أي ما فيه قرآن مطلقاً؛ لأنه تعلم (در مختار)  
في الشامية: (قوله مطلقاً) أي قليلاً أو كثيراً، إماماً أو منفرداً، أمياً لا

يمكنه القراءة إلا منه أو لا (رد المحتار ۱/۶۱۷) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

نماز میں دیکھ کر قرآن شریف پڑھنے والے کی اقتداء کرنا

**سوال:** ایک حنفی عالم نے بتلایا کہ شافعی مسلک میں قرآن مجید میں دیکھ کر بھی پڑھ سکتے ہیں، اس لیے شافعی حضرات کی نماز ہو جاتی ہے، اور اگر حنفی مقتدی ہو تو ان کی نماز اس شافعی امام کے پیچھے ہو جائے گی؟

**الجواب:** حامداً ومصلياً ومسلماً  
حنفی مقتدی کی نماز نہیں ہوگی۔

ويصح الاقتداء فيه، ففي غيره أولى إن لم يتحقق منه ما يفسدها  
في اعتقاده في الأصح (در مختار، والتفصيل في الشامية ۱/۶۹۳) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

عورت کے محاذات میں نماز پڑھنے کا حکم

**سوال:** اگر کسی گھر میں کوئی عورت آگے نماز پڑھے اور مرد پیچھے تو مرد کی نماز ہوگی یا نہیں؟ چاہے نماز فرض ہو یا نفل ہو، اگر سب کا الگ الگ حکم ہو تو تمام کو بیان کریں، اگر نماز ہو جاتی ہو تو اس میں کراہت ہے یا نہیں؟ واضح کیجیے۔

**الجواب:** حامداً ومصلياً ومسلماً

اگر مرد اور عورت ایک جگہ نماز پڑھے ہیں اور دونوں الگ الگ اپنی اپنی نماز ادا کر رہے ہیں اور وہ بھی اس طرح کہ عورت آگے ہے اور مرد بالکل اس کی سیدھ میں

پیچھے ہے تو ایسا کرنا مکروہ ہے؛ لیکن نماز فاسد نہیں ہوتی اور یہ کراہت بعد میں آنے والے پر ہے۔

فمحاذاة المصلية لمصل ليس في صلاتها مكروهة لا مفسد فتح (درالمختار) (قوله: ليس في صلوتها) بأن صلياً منفردين أو مقتدياً أحدهما بإمام لم يقتد به الآخر شرح المنية (قوله: مكروهة) الظاهر أنها تحريمية؛ لأنها مظنة الشهوة والكراهة على الطارى، قلت: وفي معراج الدراية وذكر شيخ الاسلام مكان الكراهة الاساءة، والكراهة افحش. (شامی ۱/۴۲۵) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۵/ شوال ۱۳۱۷ھ

امام کا محراب میں کھڑے ہو کر نماز پڑھانے کی وجہ کراہت

**سوال:** جماعتِ اسلامی (اہل حدیث) میں سے ایک شخص کا سوال یہ ہے کہ امام کے لیے محراب میں کھڑا ہو کر نماز پڑھنا مکروہ کیوں ہے؟ حوالہ کے ساتھ جواب مطلوب ہے؟

**الجواب:** حامداً ومصلیاً ومسلماً

امام پاؤں محراب سے باہر رکھتا ہے تو کوئی کراہت نہیں ہے؛ البتہ بلا عذر محراب میں پاؤں رکھ کر کھڑا ہونا مکروہ تنزیہی (یعنی خلافِ اولیٰ) ہے، وجہ کراہت میں دو قول ہیں: پہلا: محراب میں کھڑے ہونے سے دونوں طرف کے مقتدیوں پر امام کی حالت مشتبه رہتی ہے، اس بناء پر اشتباہ نہ ہونے کی صورت میں کوئی کراہت نہیں۔

وہو مختار ابن الہمام وصاحب الحلیۃ.

دوسرا: اہل کتاب سے تشبہ، اس بناء پر جانبین میں مقتدیوں کے لیے کوئی اشتباہ نہ ہونے کے باوجود امام کا محراب میں قیام مکروہ تنزیہی ہے، وھو قول الأكثر۔ البتہ جگہ کی تنگی وغیرہ کسی عذر کی وجہ سے ہو تو بالاتفاق کسی قسم کی کوئی کراہت نہیں ہے۔

وقیام الإمام فی المحراب لا سجودہ فیہ، وقدماء خارجہ؛ لأن العبرۃ للقدم مطلقاً وإن لم یشتبہ حال الإمام إن علل بالتشبه، وإن بالاشتباہ ولا اشتباہ فلا اشتباہ فی نفی الکراہۃ (در مختار) قال الشامی: صرح محمد فی الجامع الصغیر بالکراہۃ ولم یفصل فاختلف المشائخ فی سببها الخ (در مختار مع الشامی ۱/ ۷۷) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

## محراب کے مقابل قرآن رکھنا

**سوال:** امام جہاں کھڑا ہو کر نماز پڑھاتا ہے اس کے سامنے محراب میں بالکل سینے کے مقابل قرآن رکھا رہتا ہے تو کیا اس میں اللہ کے غیر کے ساتھ مشابہت تو نہیں ہے؟

**الجواب:** حامداً ومصلياً ومسلماً

اس میں کوئی کراہت نہیں۔

ولا یکرہ صلوة الی ظھر قاعد او قائم ولو یتحدث الا اذا خیف الغلط بحدیثہ ولا الی مصحف او سیف مطلقاً (در مختار)

وفی شرح المنیۃ وجہ عدم الکراہۃ ان کراہۃ استقبال بعض الاشیاء باعتبار التشبه بعبادها والمصحف والسیف لم یعبدهما احد (در مختار)



مع الشامی ۱/ ۴۸۲) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۹/ رجب المرجب ۱۴۱۳ھ  
الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

لنگی یا پاپا عجمہ ٹخنوں سے نیچے ہو تو نماز مکروہ تحریمی ہوگی

**سوال:** ٹخنے سے نیچے لنگی یا پاپا عجمہ لٹک رہا ہے اور اس حالت میں نماز ادا کی گئی، امام نے پڑھائی ہو یا مقتدی نے پڑھی ہو تو نماز پر کیا اثر انداز ہوگا؟

**الجواب:** حامداً ومصلياً ومسلماً

”ابوداؤد شریف“ میں روایت ہے کہ ایک شخص لنگی ٹخنے سے نیچے کتے ہوئے نماز پڑھ رہا تھا تو نبی کریم ﷺ نے اس سے فرمایا کہ جاؤ وضو کرو، وہ گیا، اور وضو کر کے آیا تو پھر آپ ﷺ نے فرمایا کہ جاؤ وضو کرو، وہ گیا اور وضو کر کے آیا، تو پھر آپ ﷺ نے فرمایا: جاؤ وضو کرو، وہ گیا اور وضو کر کے آیا، تو ایک آدمی نے نبی کریم ﷺ سے عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول! آپ نے اس کو وضو کرنے کا حکم کیوں دیا؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ وہ ٹخنوں سے نیچے لنگی کتے ہوئے نماز پڑھ رہا تھا، اور اللہ تبارک و تعالیٰ ایسے آدمی کی نماز قبول نہیں فرماتے جو ٹخنے سے نیچے لنگی (یا پاپا عجمہ) باندھے ہوئے ہو۔ (ابوداؤد/ ۱/ ۹۳)

حدیث پاک میں بحالت نماز سدل کی ممانعت آئی ہے۔ (ترمذی، ابوداؤد)

سدل کا اطلاق اسباب ازار پر بھی ہوتا ہے، اور سدل کے متعلق فقہاء نے تصریح فرمائی ہے کہ مکروہ تحریمی ہے۔

وکرہ (سدل) تحریماً للذہی (ثوبہ) (در مختار علی هامش الشامی ۱/ ۴۷۲)

وقد يطلق السدل على اسبال الازار ايضاً وهو ظاهر عبارات الفقهاء  
رحمهم الله ولهذا لم يذكر اسبال الازار مستقلاً في المكروهات.

(معارف السنن ۳ / ۳۶۱)

اس لیے اگر کسی نے ایسی حالت میں نماز پڑھی یا پڑھائی کہ لنگی یا پاجامہ ٹخنے  
سے نیچے لٹک رہا ہے تو وہ نماز مکروہ تحریمی ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

## جیب میں تصویر رکھ کر نماز پڑھنا

**سوال:** تصویر ذی روح کو موڑ کر جیب میں رکھنے سے نماز میں خرابی آئے گی؟  
اور کیا وہ حدیث میں مذکورہ وعید میں داخل ہوگا کہ فرشتے ایسی جگہ داخل نہیں ہوتے؟

**الجواب:** حامداً ومصلياً ومسلماً

نماز میں کراہت نہیں آئے گی۔ لا المستتر بکیس أو ثوب الخ (درمختار)  
اگر بطور تعظیم رکھی ہے، تو وعید میں شامل ہوگی۔ کما يستفاد من الشامي (۱/ ۴۷۹)  
فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

## تصویر والی گھڑی پہن کر کیا نماز ہوگی؟

**سوال:** اکثر ہاتھ کی گھڑیوں میں کسی پرند کی شکل بنی رہتی ہے، ایسی گھڑی ہاتھ  
میں ہو تو نماز ہوگی یا نہیں؟

**الجواب:** حامداً ومصلياً ومسلماً

نماز بہر حال صحیح ہو جائے گی، اب اگر تصویر اتنی چھوٹی ہے کہ زمین پر رکھ دو تو کھڑے ہو کر نہ دکھائی دے تو مکروہ بھی نہیں ہے۔ (عموماً گھڑیوں میں ایسی ہی چھوٹی ہوتی ہے) ورنہ مکروہ ہے۔ (در مختار مع الشامی ۱/۳۷۹) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

## چین والی گھڑی پہن کر نماز پڑھنا

**سوال:** چین والی گھڑی پہن کر نماز پڑھنا کیسا ہے؟ چین والی گھڑی پہن کر نماز مکروہ ہوتی ہے یا نہیں؟

**الجواب:** حامداً ومصلياً ومسلماً

اگر چین (پٹہ) سونے یا چاندی کا نہیں ہے، تو نماز مکروہ نہ ہوگی۔ (فتاویٰ محمودیہ کراچی ۱۹/۳۶۳) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

## نماز میں گھڑی دیکھنا

**سوال:** حالت نماز میں گھڑی دیکھنے سے نماز ہوگی یا نہیں؟

**الجواب:** حامداً ومصلياً ومسلماً

اگر حالت نماز میں گھڑی دیکھنے سے فعل کثیر کا مرتکب نہیں ہوا ہے، تو نماز فاسد نہیں ہوتی؛ البتہ مکروہ ہے۔ (کما یفہم من شرح المہذب للنووی ۴/۹۳، ۹۴)

ولونظر إلى مكتوب وفهمه فالصحيح أنه لا تفسد صلاته بالإجماع.  
(هدایہ اولین ۱۳۸) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عنی عنہ خانپوری

## نماز میں ستر کا حصہ کھلنے پر ناظر و منظور کی نماز کا حکم

**سوال:** زید ایک نمازی آدمی ہے، اس سے اگلی صف میں عمر نماز پڑھ رہا ہے، عمر کا حالتِ صلوة میں ستر کا حصہ کھل جاتا ہے، تو زید کی نگاہ حالتِ صلوة میں عمر کے ستر کے اس مخصوص جگہ پر اچانک پڑ گئی، یا وہ خود عمداً اپنی نگاہ ڈالتا ہے، تو صورت مذکورہ میں زید کی نماز ہوئی یا نہیں ہوئی؟ اور عمر کی نماز کا کیا حکم رہے گا؟

**الجواب:** حامداً ومصلياً ومسلماً

حالتِ نماز میں دوسرے نمازی یا غیر نمازی کے ستر پر نگاہ پڑ جانے سے، یا ڈالنے سے نماز فاسد نہیں ہوگی؛ اگرچہ قصداً نگاہ ڈالنا گناہ ہے، رہا عمر جس کا ستر نماز میں کھل گیا تھا، اگر وہ کھلنا غیر اختیاری تھا اور تین تسیجات پڑھ سکیں اس سے کم وقت کے لیے کھلا رہا، تو اس کی نماز بھی فاسد نہیں ہوئی، ورنہ فاسد ہوگئی۔ (شامی ۱/۳۰۰) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عنی عنہ خانپوری، ۱۷/ شوال المکرم ۱۴۰۹ھ

الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عنی عنہ

## ایک رکن میں بار بار کھجلانا

**سوال:** ایک ہی رکن میں تین سے زائد مرتبہ ہاتھ چھوڑ کر کھجلانا یا کپڑے کو کھینچنا، کیا ان چیزوں سے نماز فاسد ہو جاتی ہے؟

**الجواب:** حامداً ومصلياً ومسلماً

تین دفعہ کھجلائے سے مطلقاً نماز فاسد نہیں ہوتی؛ بلکہ یہ اس وقت مفسد ہے کہ ہر دفعہ ہاتھ اٹھائے، اگر ہر دفعہ علیحدہ ہاتھ نہ اٹھائے؛ بلکہ ایک ہی دفعہ ہاتھ اٹھا کر تین دفعہ کھجلا یا تو نماز فاسد نہ ہوگی؛ نیز اگر ایک بار کھجلائے کے بعد بقدر رکن، یعنی: تین بار ”سبحان ربی الأعلى“ کی مقدار تک توقف کے بعد کھجلا یا، تو اس طرح تین بار کھجلا نا بھی مفسد نہیں۔ (احسن الفتاویٰ ۳/۴۱۷)

بلا ضرورت ایک بار بھی کھجلا نا مکروہ تحریمی ہے اور نماز واجب الاعداد ہے، اگر کوئی ایسی ضرورت پیش آجائے کہ بدون کھجلائے نماز میں یکسوئی نہ ہو، تو ایک یا دو بار کھجلا نا بلا کراہت جائز ہے اور تین بار اس طرح کھجلا نا کہ درمیان میں بقدر رکن توقف نہ ہو؛ بہر حال مفسد نماز ہے، اگرچہ ضرورت ہی سے ہو۔ (ایضاً ۳/۴۱۶) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

**نماز میں بوقت ختم قرآن دعائے ماثورہ پڑھنے کا حکم**

**سوال:** اگر امام نے تراویح میں ختم قرآن کے وقت اخیر رکعت میں سورۃ الناس پڑھنے کے بعد متصلاً دعائے ماثورہ جو سورۃ الناس کے بعد لکھی ہوئی ہوتی ہے، یعنی اللهم انس وحشتی فی قبری الخ کو پڑھا پھر اس کے بعد متصلاً ﴿الم ذلك الكتاب﴾ سے دوسری مرتبہ قرآن شروع کر کے پہلا رکوع پورا کر کے رکوع میں گیا تو کیا اس طرح پڑھنے سے نماز فاسد ہوگی یا نہیں ہوگی؟

**الجواب:** حامداً ومصلياً ومسلماً

ختم قرآن کی جو صورت دریافت فرمائی ہے اس میں نماز فاسد نہیں ہوگی، اس لیے اللہم اُنس وحشتی الخ والی دعا ماثور ہے؛ البتہ نماز میں حالت قیام میں اس کو نہ پڑھنا چاہیے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عنی عنہ خانپوری

**خانہ کعبہ وغیرہ کی تصویر والے مصلیٰ پر نماز پڑھنا**

**سوال:** ایسے جائے نماز جس میں کعبۃ اللہ یا مدینۃ المنورہ یا بیت المقدس یا بزرگان دین کے مزارات کی تصویر، یا عکس بنی ہوئی ہو، اس پر نماز پڑھنا کیسا ہے؟ جواز کا عدم جواز کا؟ زید کہتا ہے جواز و عدم جواز کا مسئلہ معلوم نہیں؛ البتہ بے ادبی اور بے حرمتی ہوتی ہے؛ کیوں کہ پاؤں کے نیچے ہوتی ہے، یہ تصویر یا عکس جو جائے نماز میں بنایا گیا ہے یہ یہود و نصاریٰ کی سازش ہے، اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ اس پر نماز پڑھنا جائز ہے یا ناجائز؟ اور بے ادبی اور بے حرمتی ہوتی ہے یا نہیں؟ جواب شافی سے مدلل سمجھائیں، اگر بے حرمتی ہوتی ہے تو اس کی وجہ کیا ہے؟

**الجواب:** حامداً ومصلياً ومسلماً

اس قسم کی جائے نماز پر نماز پڑھنے میں شرعاً کوئی حرج نہیں۔

في غنية المستملي: وأما صورة غير ذي روح، فلا خلاف في عدم كراهة الصلوة عليها، أو إليها (۳۱۴)

اور اس تصویر سے خانہ کعبہ کی تعظیم میں کوئی فرق نہیں آتا؛ کیوں کہ تصویر کا حکم

عین شئی کا نہیں ہوتا، دوسرے خود خانہ کعبہ میں جب نماز پڑھی جاتی ہے، تو وہاں بھی زمین پیروں کے نیچے ہوتی ہے، جب وہ تعظیم کے منافی نہیں تو تصویر کا پیروں کے نیچے ہونا بطریق اولیٰ تعظیم کے منافی نہ ہوگا۔ (فتاویٰ محمودیہ ۷/۱۱۱ بحذف سیر) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

## گرم ٹوپي میں پیشانی چھپا کر نماز پڑھنا

**سوال:** عام طور پر سردی کی موسم میں لوگ سر پر گرم ٹوپي پہنتے ہیں، جس سے پیشانی بھی چھپ جاتی ہے تو کیا نماز کے لیے پیشانی کو کھولنا ضروری ہے یا نہیں؟ اگر بغیر پیشانی کھولے نماز پڑھ لی تو نماز ہوگی یا نہیں؟

**الجواب:** حامداً ومصلياً ومسلماً

اس طرح نماز پڑھنا مکروہ تنزیہی ہے؛ البتہ اگر سخت سردی کی وجہ سے ایسا کیا ہو تو کوئی حرج نہیں ہے۔

ويكراه السجود على كور عمامته من غير ضرورة حر أو برد الخ (مراقی الفلاح) الظاهر أن الكراهة تنزيهية الخ (طحطاوی علی مراقی الفلاح ۱۹۰) كما يكره تنزيها بكون عمامته إلا بعدد (در مختار) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۲۸/ رجب المرجب ۱۴۲۲ھ

الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

## کسی آنے والے کی خاطر رکوع یا سجدہ کو طویل کرنا

**سوال:** امام صاحب نماز کے دوران کسی آنے والے کی آہٹ سن کر یا کسی کے

جماعت خانہ کا دروازہ کھولنے کی آواز سن کر قرأت، رکوع یا قعدہ اخیرہ کو لمبا کرے تو اس کے لیے کیا حکم ہے؟ یہاں ایک امام صاحب نے بتایا کہ اس طرح کرنے سے نماز فاسد ہو جاتی ہے۔

**الجواب:** حامداً ومصلياً ومسلماً

کسی آنے والے کی خاطر رکوع یا قرأت یا قعدہ اخیرہ کو طویل کرنا اس صورت میں مکروہ تحریمی ہے جب کہ امام اس کو پہچان کر تعلق کے لحاظ سے ایسا کرے، نماز پھر بھی فاسد نہ ہوگی؛ لیکن اگر امام نے اس کو پہچانا نہیں ہے؛ بلکہ محض اس لیے ایسا کیا کہ آنے والے نمازی کو رکعت یا نماز ملنے میں اعانت ہو تو کوئی حرج نہیں بلکہ باعث اجر ہے۔ درمختار میں ہے: وکره تحريماً إطالة ركوع أو قراءة لا ادراك الجائ الخ (شامی ۱/۳۶۶، ۳۶۷) البتہ اس بات کا خیال رہے کہ یہ طویل کرنا ایک دو تسبیح کی مقدار سے زیادہ نہ ہو۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

دوسرے سلام کے بغیر نماز ختم کرنا

**سوال:** نماز پوری کرتے وقت دونوں سلام کہنے کی جگہ ایک سلام کر کے نماز پوری کرے تو نماز میں کوئی خرابی ہوگی؟

**الجواب:** حامداً ومصلياً ومسلماً

دوسرا سلام بھی واجب ہے، اس لیے صورتِ مسئلہ میں نماز لوٹانا واجب ہے۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔



قطرہ روکنے کی غرض سے عضوِ مخصوص کو باندھ کر نماز پڑھنا

**سوال:** بیوی سے بوس و کنار کی وجہ سے (شہوتِ رفع ہو جانے کے بعد بھی اور پیشاب کرنے کے بعد بھی) مذی کا قطرہ نکل جانے کا خوف ہونے کی وجہ سے عضو کو کپڑے وغیرہ سے باندھ دیا؛ تاکہ قطرہ نہ نکلے، تو اس صورت میں نماز باجماعت پڑھ سکتا ہے یا نہیں؟ یہی صورت اگر امام کو پیش آئے، تو وہ یہ تدبیر کر کے نماز پڑھا سکتا ہے نہیں؟ سلسلِ البول والا اس تدبیر کو اختیار کرنے کے بعد بے عذروں کو نماز پڑھا سکتا ہے یا نہیں؟

**الجواب:** حامداً ومصلياً ومسلماً

اگر ایسا کرنے سے قطرہ باہر نہیں نکلتا، تو نماز درست ہو جاوے گی اور اندیشہ ہونے کی صورت میں ایسا کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے، ایسا آدمی نماز پڑھا سکتا ہے؛ البتہ عمومی حالت اس قسم کی ہوگئی ہے، تو امامت کی ذمہ داری دوسرے کے حوالہ کر دے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۱۵/ شوال المکرم ۱۴۰۹ھ

الجواب صحیح: عباس داد بسم اللہ عفی عنہ

مذی کو روک کر نماز پڑھنا

**سوال:** زید نے اپنی بیوی سے بوس و کنار کی، جس کے نتیجے میں مذی کا اخراج شروع ہوا، اتنے میں ظہر کی اذان ہوگئی، زید جماعت کی نماز کے لیے جانا چاہتا ہے؛ لیکن اسے یقین ہے کہ مذی کا اخراج نماز میں بھی جاری رہے گا (باوجودیکہ استنجاء بھی

کر لے) اگر زید نے کپڑے وغیرہ سے عضو کو باندھ کر مذی کا اخراج روک دیا، تو اب وہ نماز پڑھ سکتا ہے یا نہیں؟ اور اگر نماز قضاء ہونے کا یقین ہو تو اس ترکیب سے مذی کو روک کر نماز پڑھ سکتا ہے یا نہیں؟

**الجواب:** حامداً ومصلياً ومسلماً

اگر زید نے کسی تدبیر سے مذی کا نکلنا روک دیا ہے، تو اس کی نماز درست ہو جائے گی۔ وإن خرج البول إلى قصبه الذكر لا ينتقض (السعاية ۱/۲۰۳)  
اگر نماز قضاء ہو جانے کا یقین ہے تو اس تدبیر کو اختیار کرنے میں حرج نہیں ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۲۹/ ذوالحجۃ الحرام ۱۴۰۸ھ  
الجواب صحیح: عباس داؤد۔ بسم اللہ عفی عنہ

امام نے صرف ایک سجدہ کیا تو نماز کا اعادہ ہے

**سوال:** گجرات کے ایک امام ہیں اور انہوں نے جمعہ کی دو رکعت نماز میں پہلی رکعت میں ایک سجدہ کیا، اور بعد میں ہم نے ان کو لقمہ دیا؛ مگر انہوں نے دوسرا سجدہ نہیں کیا، اب وہ بول رہے ہیں کہ نماز صحیح ہوئی اور ہم لوگ کہہ رہے ہیں کہ نماز کو دہرانا پڑے گا، تو اب ان دونوں صورتوں میں کونسی صورت صحیح ہے اور کونسی غلط؟

**الجواب:** حامداً ومصلياً ومسلماً

اگر امام کو اس بات کا یقین ہے کہ اس نے دونوں سجدے کئے ہیں تو نماز لوٹانے کی ضرورت نہیں ہے، اور اگر ایسا نہیں ہے تو نماز لوٹائی جائے، چوں کہ نماز جمعہ تھی

جس کا وقت اب نہیں رہا، اس لیے اگر لوٹنا پڑے تو ظہر پڑھی جائے گی۔

واختلف الإمام والقوم فلو الإمام على يقين لم يعد وإلا أعاد بقولهم. (در مختار) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۷ / شوال ۱۴۱۱ھ

الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

## حالت سجدہ میں بوجہ عذر انگلیوں کا بطن زمین پر نہ رکھنا

**سوال:** زید ایک معمر شخص ہے، برسوں پہلے ٹرک حادثہ میں دونوں پاؤں میں سخت ایذاء ہوئی تھی، ہڈیاں ٹوٹ گئی تھیں، اس حادثہ سے شفا یاب ہوا؛ لیکن حادثہ کے بعد نماز پڑھنے کی حالت بدل گئی، کبھی تراویح میں دراز نمازیں بیٹھ کر پڑھتا ہے، حالت مرض کی ایک عادت یہ بھی رہ گئی ہے کہ ہر رکعت میں پہلے سجدہ میں دونوں پاؤں کی انگلیاں زمین سے مس ہوتی ہیں اور کبھی ایک پاؤں کی انگلیوں کا بطن زمین سے لگتا ہے اور دوسرے پاؤں کی انگلیوں کی پشت زمین سے لگتی ہے، اگر وہ چاہے تو دونوں پاؤں کی انگلیوں میں سے ہو سکے اتنی انگلیوں کا بطن زمین سے لگا سکتا ہے، اور دوسرے سجدہ میں دونوں پاؤں کی انگلیوں کی پشت زمین پر ہوتی ہے ہر حالت میں چاہے زمین پر باطن انگشتان لگے یا پشت انگشتان لگے دونوں پیروں میں سے ایک بھی زمین سے مرتفع نہیں ہوتا، یعنی زمین سے اونچا نہیں ہوتا، اب جو انگلیاں برابر رکھنے کی کوشش کرتا ہے تو تعداد رکعت فراموش ہو جاتی ہے، مسئلہ کی لاعلمی کی وجہ سے اٹھائیس سال سے اسی طرح نماز پڑھتا ہے، المختصر یہ کہ: حالت سجدہ میں دونوں

پیروں یا ایک پیر کی انگلیوں کا بطن گا ہے زمین پر ہوتا ہے گا ہے نہیں ہوتا؛ بلکہ انگلیوں کی پشت زمین پر ہوتی ہے، تو اس صورت میں قیام ترک ہوتا ہے یا نہیں؟ اب زید کی نمازیں صحیح ہوئیں یا نہیں؟ اگر خدا نہ کرے صحیح نہیں ہوئیں تو کیا قضا کرنا پڑے گی؟ جواب تشفی بخش تحریر فرمائیے جس سے دل کو تسلی ہو اور امید نہ ٹوٹے۔

الجواب: حامداً ومصلياً ومسلماً

حالت سجود میں پاؤں کی انگلیوں کا بطن زمین پر رکھتے ہوئے ان کے سروں کو قبلہ کی طرف کرنا سنت ہے، اور بلا عذر پشت قدم کو رکھنا مکروہ ہے؛ لیکن اگر عذر کی وجہ سے ایسا ہوتا ہے (جیسا کہ سوال میں مذکور ہے) تو کراہت بھی نہیں ہے۔

ويستقبل باطراف أصابع رجليه القبلة، ويكره إن لم يفعل ذلك كما يكره لو وضع قدماً ورفع أخرى بلا عذر (در مختار) (قوله ويكره إن لم يفعل ذلك) كذا في التجنيس لصاحب الهداية، وقال الرملي في حاشية البحر: ظاهره أنه سنة وبه صرح في زاد الفقير اه قلت: ونقل الشيخ اسماعيل التصريح بأنه سنة عن البرجندی والحاوی ومثله في الضياء المعنوی والقهستانی عن الجلابی، وقال في الحلية: ومن سنن السجود أن يوجه أصابعه نحو القبلة الخ (شامی ۱/۳۷۲) فهذا صريح في اعتبار وضع ظاهر القدم، وانما الكلام في الكراهة بغير عذر الخ (شامی ۱/۳۶۹)

لہذا زید کی تمام نمازیں درست ہو گئیں اور کراہت بھی نہیں آئی۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عنی عنہ خانپوری، ۱۷/ رجب ۱۴۱۱ھ

## بعد نماز منی کا دھبہ دیکھنا

**سوال:** ایک صاحب نے نماز فجر پڑھ لی بعدہ پیشاب کے لیے گیا اس وقت کپڑے پر منی کا دھبہ دیکھا لیکن احتلام کا ہونا یا انہیں تو نماز کا اعادہ کرنا چاہیے یا نہیں؟

**الجواب:** حامداً ومصلياً ومسلماً

غسل کر کے نماز کا اعادہ کرے کپڑے بھی پاک کر لے۔ (در مختار شامی ۱/۱۲۰) فقط  
واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عنی عنہ خانپوری، ۷/ جمادی الاول ۱۳۱۳ھ  
الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عنی عنہ

## باب الوتر

### ائمہ حرم کی اقتدا میں وتر پڑھنا

**سوال:** ائمہ حرم کے پیچھے وتر کی جماعت میں شریک ہونا کیسا ہے؟ اکثر اکابر کے متعلق تحقیق سے پتہ چلا کہ وہ حضرات شرکت نہیں فرماتے تھے، فقہائے احناف کی چند عبارات سے شبہ ہوا کہ جب خود احناف کے بڑے حضرات اس کی اجازت دیتے ہیں تو حرم کی جماعت سے محروم کیوں رہا جائے! وہ عبارات درج ذیل ہیں:

قال الامام ابوبکر الجصاص الرازی: يجوز اقتداء الحنفی بمن یسلم علی الرکعتین فی الوتر و یصلی معہ بقیة الوتر؛ لان امامہ لا یخرج بسلامہ عنده؛ لانه مجتهد فیہ (البنایة شرح الہدایة ۳/ ۴۱، باب صلوة الوتر)

قال العلامة محمد أنور شاه الكشميري: نعم لو اقتدى خلف الشافعي على الركعة الثانية كما هو مذهبهم ثم أتم الوتر الحنفي عند أبي بكر الرازي وابن وهبان الخ (عرف الشذی، باب ماجاء في فصل الوتر ۱/ ۱۰۴)

قال الشيخ محمد يوسف بنوري: نعم لو اقتدى حنفي بشافعي في الوتر وسلم ذلك الشافعي الامام على الشفع الاول على وفق مذهبه ثم اتم الوتر صح وتر الحنفي عند ابى بكر الرازي وابن وهبان.

(معارف السنن ۱/ ۱۷، باب ماجاء في الوتر)

فتاویٰ حقانیہ میں ہے: ”اسی طرح اگر وتر بالتسلیمتین یعنی دو رکعت کے بعد سلام پھیر کر وتر پورا کرے، تو امام ابو بکر الجصاص اور متاخرین فقہاء کے ہاں اقتداء درست ہے اور یہی ترجیح حالات کی مقتضی ہے۔ (فتاویٰ حقانیہ ۳/ ۲۴۲)

حضرت مولانا مفتی عاشق الہی صاحب بلند شہری رحمۃ اللہ علیہ کا فتویٰ ان کے صاحبزادے مولانا عبدالرحمن کوثر صاحب مدظلہ نے نقل فرمایا ہے کہ والد صاحب سے جب کوئی استفتاء کرتا تھا کہ حرمین شریفین میں تراویح کے بعد جو وتر کی نماز پڑھائی جاتی ہے وہ دو سلام کے ساتھ ہوتی ہے، کیا ان کے ساتھ پڑھ لی جائے یا اپنی الگ اکیلے پڑھ لیں؟ تو فرماتے تھے: ”پڑھ لی جائے، حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما اسی طرح پڑھتے تھے۔ حضرت والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ اس معاملہ میں اعتدال کے قائل تھے، فرمایا کرتے تھے: وتر کی نماز کا طریقہ احادیث میں کئی طریقہ سے وارد ہوا ہے۔

(ماہنامہ ”البلاغ“، خصوصی اشاعت بیاد حضرت رحمۃ اللہ علیہ، ص ۳۵)

اس سلسلہ میں تفصیلی بحث فرما کر مسئلہ کی وضاحت فرمائیے کہ اب یہ مسئلہ لاکھوں حنفیوں کی ضرورت بن گئی ہے، اگر آپ کا فتویٰ جواز کا ہے تو مزید چند امور کی

وضاحت ضروری ہے:

(الف) کیا حنفی مقتدی دو رکعت پر سلام پھیر دے یا بغیر ہاتھ کے تین رکعت پوری کرے؟

(ب) دعائے قنوت میں ہاتھ اٹھا کر آمین کہے یا بغیر ہاتھ اٹھائے؟

اگر آپ کا فتویٰ عدم جواز کا ہو تو کیا دو رکعت کی نفل نیت سے امام وتر کی اقتداء صحیح ہے؟ بعض حضرات دو رکعت نفل کی نیت سے پڑھ کر سلام پھیر دیتے ہیں، پھر بیٹھے رہتے ہیں اور دعا میں شامل ہو جاتے ہیں؛ مگر بعض حضرات کی رائے ہے کہ دو رکعت کی نفل نیت سے اقتداء صحیح نہیں ہونی چاہیے؛ کیوں کہ امام تین رکعت کی نیت کرتا ہے اور نفل کی تین رکعتیں نہیں، اسی لیے مغرب کی نماز میں امام کے پیچھے وہ مقتدی جو فرض سے فارغ ہو نفل کی نیت سے اقتداء نہیں کر سکتا، کونسی رائے صحیح ہے؟

(الجواب): حامداً ومصلياً ومسلماً

فتاویٰ رحیمیہ میں ہے: ”صحیح قول یہ ہے کہ اگر شافعی امام وتر دو سلام سے ادا کرے تو حنفی مقتدی اس کی اقتداء نہ کرے، اسی میں احتیاط ہے۔ وان لا یقطع وترہ بسلام علی الصحیح (طحطاوی باب الوتر ص ۱۲۰) (فتاویٰ رحیمیہ قدیم ۶/۲۱۵)

خیر الفتاویٰ میں ہے: جو ائمہ دو رکعت پر سلام پھیر کر ایک رکعت الگ پڑھتے ہوں ان کی اقتداء میں وتر نہ پڑھا کریں، ایسی صورت میں اگر اپنے ساتھی موجود ہوں اور کسی طرح نامناسب نہ ہو تو الگ جماعت کر لیا کریں؛ ورنہ اکیلے اکیلے حسب معمول وتر پڑھ لیا کریں۔ (خیر الفتاویٰ ۲/۵۱۷، ۵۱۸)

عمدة الفقہ ۲ / ۲۹۵ میں یہی لکھا ہے جو اوپر گزرا۔

آپ نے سوال میں جو عبارتیں بنائیہ، عرف الشذی اور معارف السنن کے حوالے سے نقل فرمائی ہیں، ان پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ امام ابو بکر جصاص رازی رحمۃ اللہ علیہ اور ابن وہبان رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک اقتداء درست ہے؛ مگر احناف کے بڑوں نے سوائے ”صاحب رسائل الارکان“ اس قول کو اصح قرارے کر اس پر فتویٰ نہیں دیا؛ بلکہ اس کے خلاف قول یعنی ایسے امام کی اقتداء درست نہ ہونے کی تصحیح کی ہے، کتب فقہ سے چند عبارتیں نقل کی جاتی ہیں:

ودلت المسئلة على جواز اقتداء بالشافعية اذا كان يحتاط في موضع الخلاف بان كان (الى قوله) لا يقطع وتره بالسلام هو الصحيح.  
(البحر الرائق ۱ / ۱۷۱)

فتح القدير میں ہے: و ما ذكر في الارشاد لا يجوز الاقتداء في الوتر باجماع اصحابنا؛ لانه اقتداء المفترض بالمتنفل يخالفه ماتقدم من اشتراط المشايخ في الاقتداء بشافعي في الوتر ان لا يفصله بانه يقتضى صحة الاقتداء عند عدم فصله (فتح القدير ۱ / ۴۲۷)

تنوير الابصار کی عبارت ”و صح الاقتداء فيه بشافعي لم يفصله بسلام على الاصح“ کے ذیل میں علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں: خلافاً لما قاله الرازي من أنه يصح و أن فصله ويصلى معه بقية الوتر (شامی ۲ / ۴۴۱)

علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ نے ”خلافاً“ کہہ کر امام ابو بکر جصاص رازی رحمۃ اللہ علیہ کے قول کو نقل فرمایا، تصحیح نہیں فرمائی۔

”طحطاوی علی الدر المختار“ میں ”تنوير الابصار“ کی مذکورہ عبارت کے ذیل میں



لکھا ہے:

وقد اشار الشارح الى رد قول الرازي بقوله سابقاً في اعتقاده في الاصح فان كلام الرازي مبني على ان المعتبر رأى الامام وهو ضعيف.  
(طحطاوى على الدر المختار/ ١/ ٤٤٤)

مذکورہ عبارتوں میں حضرات فقہاء کا امام ابو بکر جصاص رازی رحمۃ اللہ علیہ کے قول کی تصحیح نہ کرنا اور اس کے خلاف قول کی تصحیح کو برقرار رکھنے کا تقاضہ بھی یہی ہے کہ اقتداء نہ کی جائے۔ کسی مسئلہ میں فقہاء کے دو قول ہوں ایک کی تصحیح کی گئی ہو، دوسرے کے بارے میں فقہاء ساکت ہوں تو تصحیح شدہ قول کو ترجیح ہوا کرتی ہے۔

علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: وحیث ما وجدت قولین وقد صحح واحد فذاك المعتمد (شرح عقود رسم المفتی ص: ١٥٨)

متی اختلف في المسئلة فالعبرة بما قاله الاكثر "بیری" من قاعدة الاصل الحقيقة (العقود الدرية ١/ ٤)

رہا ابن وہبان کا حوالہ! واضح ہو کہ "منظومہ ابن وہبان" کے شارح خود اس مسئلہ میں ماتن کے خلاف ہیں جیسا کہ علامہ طرسوسی رحمۃ اللہ علیہ کے نقد کرنے سے معلوم ہوتا ہے، منظومہ ابن وہبان میں ہے:

ولو حنفی قام خلف مسلم	بشفع ولم يتبع و ثم فموتر
-----------------------	--------------------------

ابن الشحمانے اس شعر کی شرح بایں الفاظ کی ہے:

الاولی لو اقتدی حنفی فی الوتر بشافعی او بغیر ممن یسلم علی رأس الركعتین صح اقتدائه؛ و لكن اذا سلم امامه علی رأس الركعتین لا یسلم الحنفی معه ویصلی معه بقية الوتر؛ لان امامه لم یخرج بالسلام

عن صلاته عنده لانه مجتهد فيه كما لو اقتدى بامام قد عرف و يرى الامام انه لا ينتقض وضوئه صح اقتدائه به؛ لانه مجتهد فيه، فطهارته صحيحة، ذكر ذلك الرازي في شرحه.

اس کے بعد علامہ طرسوسی رحمۃ اللہ علیہ کا نقد بیان کیا ہے، ملاحظہ ہو:

وقال الطرسوسى فيه نظر، فان القاطع للتحريم وجد وهو السلام بين الركعتين والثالثة وصلاة المأموم مبنية على صلاة الامام فكيف يحسن ان يقال انها تامة وقال انقطعت بالسلام وايضاً فالوتر عند الشافعي الثالثة وعندنا بالثلاث، وقال: انه لم ير من الاصحاب من اشفى الصدر بالكلام على هذا الموضع، وقال غيره: لا يصح الاقتداء في فصل الرعاف قيل وبه قال الاكثر (شرح منظومة ابن وهبان ص/ ٦٣)

آپ نے سوال میں علامہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ کی تقریر ترمذی ”العرف الشذی“ اور حضرت بنوری رحمۃ اللہ علیہ کی شرح ترمذی ”معارف السنن“ کا حوالہ تحریر فرمایا ہے، ان دونوں حضرات نے بھی اس مسئلہ میں منظومہ ابن وهبان کے مذکورہ شعر کو استدلال میں پیش فرمایا ہے، ملاحظہ کیجیے: جامع الترمذی مع العرف الشذی ص/ ١٠٣، معارف السنن شرح سنن الترمذی ٣/ ١٤٠۔

حضرت بنوری رحمۃ اللہ علیہ نے اگرچہ اپنی کتاب میں اقتداء کا جواز بحوالہ امام ابو بکر جصاص رازی رحمۃ اللہ علیہ و ابن وهبان تحریر فرمایا ہے؛ مگر حضرت بنوری رحمۃ اللہ علیہ کا عمل اس پر نہیں، یعنی حضرت بنوری رحمۃ اللہ علیہ ائمہ حرم کی اقتداء میں وتر پڑھنے پر اصرار نہیں کرتے تھے جیسا کہ حضرت اقدس مفتی محمود حسن گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ مفتی اعظم ہند کے ایک ملفوظ سے معلوم ہوتا ہے، ملفوظ گرامی من وعن نقل کر رہا ہوں؛ تاکہ دیگر اکابر کا عمل (در باب

وتر ائمہ حرم کی اقتداء میں) معلوم ہو، ارشاد فرمایا:

ایک سال حضرت شیخ الحدیث (مولانا محمد زکریا صاحب نور اللہ مرقدہ) کی معیت میں رمضان شریف مکہ مکرمہ میں گزارا، وہاں ہم لوگ تراویح تو حرم شریف میں امام کے پیچھے جماعت سے پڑھ لیتے کہ تراویح تمام ائمہ کے نزدیک ایک ہی طرح پڑھی جاتی ہے؛ مگر وتر کی جماعت اپنی حرم شریف ہی میں الگ کرتے تھے؛ اس لیے کہ اہل حرم وتر دو سلام سے پڑھتے تھے اور ہم ایک سلام سے۔ کچھ دن بعد ہم لوگوں کو حرم شریف میں وتر کی جماعت الگ کرنے سے منع کر دیا گیا، اب حضرت شیخ تو تراویح پڑھ کر حرم سے باہر تشریف لے جاتے اور قیام گاہ پر وتر جماعت سے ادا فرماتے اور میں حرم شریف ہی میں تنہا وتر بغیر جماعت کے پڑھ لیتا، ایک روز میری موجودگی میں حضرت شیخ نے مولانا یوسف صاحب بنوری رحمۃ اللہ علیہ سے فرمایا کہ مولانا آپ کا کیا ذوق ہے؟ وتر کی نماز تنہا حرم شریف میں پڑھنا پسندیدہ ہے یا حرم سے باہر جماعت سے پڑھنا پسندیدہ ہے؟ انہوں نے فرمایا کہ جماعت سے پڑھنا پسندیدہ ہے گو حرم سے باہر ہی ہو، اس پر حضرت شیخ نے فرمایا کہ ہمارے ساتھ کچھ ایسے لوگ بھی ہیں جو حرم شریف میں تنہا وتر پڑھنا پسند کرتے ہیں، اس کے بعد حضرت دام مجدہ نے فرمایا کہ میں پھر بھی تنہا حرم شریف ہی میں وتر پڑھتا رہا، اس لیے کہ حرم شریف کی فضیلت بہت بڑی ہے؛ مگر حضرت مولانا یوسف صاحب بنوری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ وتر کی جماعت صرف رمضان میں ہوتی ہے، غیر رمضان میں وتر جماعت سے نہیں پڑھی جاتی، اس لیے جماعت سے پڑھنا افضل ہے گو حرم سے باہر ہی ہو۔ (ملفوظات فقہ الامت، قسط ۱/۱۳۸)

حرم کی جماعت تراویح کے بعد وتر پڑھنے کے لیے باہر جانے میں بھیڑ بھاڑ کی

وجہ سے دقت یا تہمت کا اندیشہ ہے یا صفوف کی ترتیب میں خلل ہوتا ہے اور حرم شریف کی جماعت میں شرکت کا شوق ہی ہے جیسا کہ آپ کے الفاظ ”حرم کی جماعت سے محروم کیوں رہا جائے“ سے ظاہر ہوتا ہے، تو حضرت اقدس مفتی نظام الدین صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے فتویٰ پر عمل کر لیجئے، فرماتے ہیں: ”اگر ان کے ساتھ وتر میں (دو رکعت پر سلام پھیرنے والے حضرات کی) جماعت میں شریک ہونا ہی پڑے تو دو رکعت نفل کی نیت کر کے شریک ہوں اور دوسری رکعت کے سلام پر اپنی یہ نماز ختم کر دیں اور پھر مستقل دو رکعت نفل کی نیت کر کے شریک جماعت ہو جائیں اور جب امام سلام پھیرے تو اپنی ایک رکعت مثل مسبوق کے پوری کر لیں۔“ (نظام الفتاویٰ، جدید ترتیب، جلد ۵، ۱۶ء/ ۲۱۷) یہ چار رکعت نفل شمار ہوگی، وتر بعد میں پڑھنی ہوگی۔

الحاصل مسئلہ وتر عبادات سے متعلق ہے، عبادات میں احتیاط کا پہلو ملحوظ رکھا جاتا ہے؛ اس لیے احتیاط اسی میں ہے کہ وتر میں دو رکعت پر سلام پھیرنے والے امام کی اقتداء نہ کی جائے جیسا کہ فتاویٰ رحیمیہ کے حوالہ میں گذرا؛ لیکن اگر کوئی ایسے امام کی اقتداء کرے تو اس کے ساتھ تشدد نہ برتے؛ اس لیے کہ بعض علماء نے وتر میں اقتداء کے جواز کا بھی فتویٰ دیا ہے جیسا کہ آپ نے سوال میں تحریر فرمایا ہے؛ نیز صاحب رسائل الارکان مولانا عبدالعلی محمد بحر العلوم نے امام ابو بکر رازی کے قول کو ”وهو المختار“ تحریر فرمایا ہے۔ دیکھئے: رسائل الارکان ص/ ۱۰۸، مطبوعہ مطبع پوسنی، لکھنؤ۔

حضرت مولانا مفتی مرغوب احمد صاحب لاچپوری رحمۃ اللہ علیہ مفتی اعظم برمانے بھی جواز کا فتویٰ دیا ہے۔ ملاحظہ کیجئے: مرغوب الفتاویٰ ۲/ ۴۶۷، رسالہ ”حرمین میں وترِ حنفی“۔

(ج) دو رکعت نفل کی نیت سے شرکت کی تفصیل اور نظام الفتاویٰ کے حوالہ سے گزر چکی۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: عبدالقیوم راجکوٹی  
الجواب صحیح: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

## ائمہ حرم کی اقتدا میں وتر پڑھنا

**سوال:** رمضان شریف میں بہت سے حنفی حضرات حرمین شریفین عمرہ و زیارت کے لیے تشریف لے جاتے ہیں، حرمین شریفین میں ائمہ کرام جو وتر پڑھاتے ہیں تو دو رکعت پر سلام پھیر کر الگ سے ایک رکعت اور پڑھتے ہیں، کیا حنفی حضرات وتر میں ان کی اقتدا کرے؟ اگر جواب اثبات میں ہو تو کیا طریقہ ہوگا مقتدی کے لیے اقتدا کا؟

**الجواب:** حامداً ومصلياً ومسلماً

اگر امام وتر کی نماز فصل بالسلام سے ادا کرتا ہے تو حنفی حضرات کو چاہیے کہ ان کی اقتدا نہ کریں۔

(وصح الاقتداء فيه) (أي الوتر) ففي غيره أولى إن لم يتحقق منه ما يفسدها في اعتقاده في الأصح، كما بسطه في البحر بشافعي، مثلاً لم يفصله بسلام، لا إن فصله على الأصح فيهما. (درمختار) (قوله على الأصح فيهما) أي في جواز أصل الاقتداء فيه بشافعي، وفي اشتراط عدم فصله. (شامی ۱/۶۹۶) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۶ جمادی الاخریٰ ۱۴۲۰ھ

الجواب صحیح: عباس داود بسم اللہ

## اول شب میں قبل الوتر تہجد

**سوال:** اگر کوئی بیدار نہ ہو سکنے کی مجبوری سے تہجد اول شب میں پڑھنا چاہے تو بعد الوتر پڑھے یا قبل الوتر؟

**الجواب:** حامداً ومصلياً ومسلماً  
قبل الوتر پڑھے۔

وتأخير الوتر إلى آخر الليل لوائح بالانتباه وإلا فقبل النوم در مختار  
فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

## دیر سے رمضان کا ثبوت ہو تو وتر کا اعادہ نہیں

**سوال:** عشاء کی نماز و وتر پڑھ لینے کے بعد دیر سے رمضان کے چاند ہونے کی خبر پہنچی، تو کیا تراویح پڑھنے کے بعد وتر کو دوبارہ جماعت سے پڑھا جائے گا یا نہیں؟

**الجواب:** حامداً ومصلياً ومسلماً  
اس صورت میں وتر کا اعادہ نہیں ہے۔

قال في التنوير: ووقتها بعد صلوة العشاء قبل الوتر وبعده (رد المحتار) (بحوالہ احسن الفتاویٰ ۳/۳۹۷) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

## حنفی کا وتر کی نماز میں شافعی امام کی اقتداء کرنا

**سوال:** کوئی حنفی المسلک وتر کی نماز میں شافعی کی اقتداء کر سکتا ہے یا نہیں؟ اگر کر سکتا ہے تو قنوت وغیرہ تمام میں امام کی اتباع کرے گا یا نہیں؟

**الجواب:** حامداً ومصلياً ومسلماً

اگر شافعی امام وتر کی تینوں رکعات ایک ہی سلام سے پڑھاتا ہے، درمیان میں بذریعہ سلام فصل نہیں کرتا، تب تو حنفی کے لیے وتر میں شافعی کی اقتداء درست ہے، ورنہ نہیں۔ (درمختار والاشامی: ۱/۳۹۵) اگر امام وتر میں بعد رکوع قنوت پڑھتا ہے تو اس میں امام کا اتباع کرے۔ (حوالہ بالا) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد خان پوری عفی عنہ، ۲۸ رذوالحجہ ۱۴۱۳ھ

## دعائے قنوت پڑھے بغیر رکوع کرنا اور لقمہ دینے پر کھڑا ہونا

**سوال:** رمضان میں امام وتر کی نماز پڑھاتا ہو اور اس نے بھول کر دعائے قنوت نہیں پڑھی اور رکوع میں چلا گیا، پھر لقمہ دینے کی وجہ سے کھڑا ہو گیا پھر واجب پورا کر کے رکوع کر کے نماز سجدہ سہو کے ساتھ پوری کی تو اس کا کیا حکم ہے؟

**الجواب:** حامداً ومصلياً ومسلماً

نماز درست ہوگئی۔ لوسها عن القنوت فرکع فانہ لو عاد وقت لا تفسد علی الاصح۔ (شامی ۱/۵۵۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خان پوری، ۲۱ رذوالقعدہ ۱۴۱۵ھ

الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

## باب صلاة المعذور

### صاحبِ عذر کی تعریف اور اس کا حکم

**سوال:** اگر کسی کو بار بار ہو یا خارج ہونے کا مرض ہو یا پیشاب کے قطرے ٹپکنے کا مرض ہو تو وہ شخص نماز اور قرآن کی تلاوت کس طرح کرے؟

**الجواب:** حامداً ومصلياً ومسلماً

اگر نماز کا پورا وقت اس طرح گذرتا ہے کہ اس میں رت (ہوا) خارج ہوتے رہنے اور پیشاب کے قطرے ٹپکتے رہنے کی وجہ سے اس کو اتنا وقت نہیں ملتا جس میں وضو کر کے طہارت کے ساتھ نماز ادا کر سکے تو ایسا شخص شرعاً معذور کہلاتا ہے، ایک مرتبہ شرعاً معذور بن جانے کے بعد آئندہ پورے وقت میں ایک دفعہ عذر پایا جانا کافی ہے، زوالِ عذر کے لیے ضروری ہے کہ پورا وقت عذر سے کلیتہً خالی نکل جائے، ایسے صاحبِ عذر کے لیے ہر وقت فرض کے لیے وضو کرنا ضروری ہے، اور اسی وضوء سے فرض، واجب، نفل جو چاہے وقت کے اندر پڑھ سکتا ہے۔ (شامی ۱/۲۲۳) (احسن الفتاویٰ ۲/۷۴-۷۵) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

### سلسل البول یا خروج رت والے مریض کی نماز

**سوال:** بار بار پیشاب کے قطرے گرنا یا منی کا نکلنا یا ہوا کا نکلنا، اس مرض کے



لیے نماز کے کیا مسائل ہیں؟

**الجواب:** حامداً ومصلياً ومسلماً

اگر پوری ایک نماز کا وقت اس طرح گزر جائے کہ اس دوران پیشاب کے قطرے نکلنے یا ریح خارج ہونے کا سلسلہ اس طرح جاری رہے کہ درمیان میں اتنا وقت نہیں ملا کہ اس میں وہ اس نماز کے فرض پڑھ سکے، تو وہ شخص معذور ہے، ایسا آدمی ہر نماز کے وقت کے داخل ہونے پر ایک مرتبہ وضو کر لے اور نماز ادا کرے، چاہے اس کی بیماری کا یہ سلسلہ جاری ہو؛ البتہ اگر کوئی نیا ناقض وضو پیش آئے گا تو وضو ٹوٹ جائے گا، یہ مسئلہ مقامی عالم سے سمجھ لیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

**قیام، رکوع سے عاجز کس طرح نماز پڑھے؟**

**سوال:** دینی کتاب ”رکن دین“ کے باب ۲۱ صفحہ ۱۸۵ میں بیماری نماز کے تعلق سے ایک سوال ہے: ”اگر ایک شخص نہ قیام پر قادر ہے نہ رکوع، سجدہ پر؛ مگر صرف بیٹھنے پر قادر ہے، یہ شخص کس طرح نماز ادا کرے؟“ اس کا جواب کتاب میں اس طرح دیا ہے:

جواب: کہ یہ شخص بیٹھ کر سر کے اشارے سے نماز ادا کرے؛ مگر سجدہ کے لیے زیادہ جھکے، اگر رکوع و سجدہ کے جھکنے میں فرق نہ کرے گا تو نماز نہ ہوگی۔

برائے مہربانی ”بیٹھ کر“ لفظ کی تشریح کریں کہ آیا وہ شخص جو نہ مانڈی ڈال کر بیٹھ سکتا ہے، نہ پیر جوڑ کر قاعدہ میں بیٹھ سکتا ہے پیروں کے سوجن کی وجہ سے تو کیا وہ

اسٹول، کرسی وغیرہ پر بیٹھ کر نماز ادا کر سکتا ہے؟ اور کیا اس کے لیے تکبیر تحریمہ کھڑے ہو کر ادا کرنا بالکل ضروری ہے یا بیٹھ کر ادا کر سکتا ہے؟ اس کے علاوہ اگر اور کوئی پابندی ہو تو ضرورت تحریر فرمادیں، برائے مہربانی جواب سے مطلع فرمائیں۔

**الجواب:** حامداً و مصلياً و مسلماً

عمدۃ الفقہ میں ہے: اگر قیام و رکوع و سجود سے عاجز ہے اور بیٹھنے پر قادر ہے تو بیٹھ کر اشارہ سے نماز پڑھے، اور اشارہ کی حقیقت سر کا جھکا دینا ہے، اور سجدہ کا اشارہ رکوع سے لازمی طور پر زیادہ نیچے کرے؛ مگر یہ ضروری نہیں، امکانی حد تک سر کو بالکل زمین سے قریب کر دے، مطلب یہ ہے کہ رکوع کے لیے تھوڑا جھکے اور سجدہ میں اس سے زیادہ جھکے؛ تاکہ سجدہ رکوع سے ممتاز ہو جائے، پس اگر رکوع و سجود برابر کرے گا تو نماز صحیح نہ ہوگی، اگر رکوع و سجود سے عاجز ہے یا صرف سجدہ نہیں کر سکتا اور قیام پر قادر ہے تو مستحب اور افضل یہ ہے کہ بیٹھ کر اشارہ سے نماز پڑھے؛ کیوں کہ قرب زمین کی وجہ سے اس میں سجدہ کے ساتھ زیادہ مشابہت ہے، اور اگر کھڑے ہو کر اشارے سے نماز پڑھے تب بھی جائز ہے۔ (عمدۃ الفقہ ۲/۳۰۳-۳۰۴)

اس سے معلوم ہوا کہ اگر کوئی آدمی پیروں کے سوجن کی وجہ سے زمین پر نہیں بیٹھ سکتا تو اسٹول یا کرسی وغیرہ پر بیٹھ کر نماز ادا کر سکتا ہے، اور چوں کہ وہ سجدہ کرنے پر قادر نہیں ہے، اس لیے اس کے لیے تکبیر تحریمہ کھڑے ہو کر ادا کرنا ضروری نہیں؛ بلکہ بیٹھ کر بھی ادا کر سکتا ہے، اور یہی افضل ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

املاءہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۷/ رجب المرجب ۱۴۲۷ھ

الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ

## کرسی پر نماز پڑھنے کا حکم مساجد میں کرسیوں کے رواج کی قباحتیں

**سوال:** ایک آدمی کے گھٹنوں میں درد ہے اور وہ درد اس طرح ہے کہ وہ چل پھر سکتے ہیں، اور تکلیف اس طرح ہے کہ جب سجدہ میں جاتے ہیں تو گھٹنوں پر وزن آنے کی وجہ سے گھٹنوں میں درد ہوتا ہے؛ نیز اس درد کے بڑھ جانے کا بھی اندیشہ ہے، تو بندہ نے ان کو اس طرح جواب دیا کہ چوں کہ آپ چل پھر سکتے ہیں؛ نیز قیام اور رکوع دونوں فرض بھی ہیں، لہذا قیام و رکوع کر لیا جاوے اور جب سجدہ کا موقع آوے تو کرسی پر بیٹھ کر اشارہ سے سجدہ کر لیا جاوے۔

یہ جواب تو بندہ نے دیا، بعد میں ایک عالم صاحب کے سامنے یہ مسئلہ بندہ نے پیش کیا، تو انہوں نے بتایا کہ بیٹھ کر اشارہ سے نماز پڑھ لی جاوے؛ تو مجھے تنبیہ ہوا، تو پوچھنا یہ ہے کہ ایسا آدمی کس طرح نماز ادا کر سکتا ہے؟ نیز میرے بتائے ہوئے جواب کے متعلق ان کی نماز درست ہوگی یا نہیں؟ اگر نہیں ہوئی تو ان نمازوں کا اعادہ ضروری ہے یا نہیں؟

**الجواب:** حامداً ومصلياً ومسلماً

حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی دامت برکاتہم کا جدید مفصل فتویٰ کرسی پر نماز پڑھنے سے متعلق ”ماہنامہ البلاغ“ میں شائع ہوا ہے، اس میں ہے: ”جو شخص کھڑے ہونے پر قادر ہو اور سجدہ نہ کر سکتا ہو، اسے قراءت کھڑے ہو کر ہی کرنی چاہیے اور اگر رکوع

پر بھی قادر ہے تو رکوع بھی باقاعدہ کرنا چاہیے، البتہ سجدے کے وقت زمین پر بیٹھ جائے، اور اشارے سے سجدہ کرے۔ اس کے بعد اگر دوسری رکعت کے لیے اٹھنے پر قادر ہو تو دوسری رکعت کے لیے بھی اٹھ جائے، اور اگر اس میں سخت مشقت ہو تو باقی نماز بیٹھ کر اشارے سے ادا کرے۔ یہ صورت اس لیے رائج ہے کہ اس صورت میں تمام ائمہ اور فقہاء کے نزدیک اس کی نماز با اتفاق ہو جائے گی۔

آگے فرماتے ہیں: اشارہ سے نماز پڑھنے کے لیے کرسی پر بیٹھنا اگرچہ بعض حالات میں جائز ہے، لیکن افضل نہیں ہے، اس لیے بلا ضرورت اور بلا عذر معتبر کرسی استعمال نہیں کرنی چاہیے، بلکہ آج کل کھڑے ہو کر یا زمین پر بیٹھ کر نماز پڑھنے پر قدرت ہونے کے باوجود کرسیوں پر بیٹھ کر نماز ادا کرنے کا جو رواج چل پڑا ہے اس میں درج ذیل وجوہات کی بنا پر قباحت ہے۔

① معذور افراد کے لیے زمین پر بیٹھ کر نماز ادا کرنا افضل اور مسنون طریقہ ہے۔ اسی پر حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور بعد کے لوگوں کا عمل چلا آ رہا ہے، کرسی پر نماز ادا کرنے کا رواج ہمارے زمانے میں ہی شروع ہوا ہے، خیر القرون میں اس کی نظیر نہیں ملتی، حالانکہ اس زمانے میں معذور افراد بھی ہوتے تھے، اور کرسیاں بھی ہوتی تھیں۔

② جو لوگ شرعی لحاظ سے معذور نہیں ہیں، یعنی قیام، رکوع اور سجدہ پر قادر ہیں، ان کے لیے زمین پر یا کرسی پر بیٹھ کر فرض و واجب نماز ادا کرنا جائز ہی نہیں، جب کہ یہ دیکھا جاتا ہے کہ بعض اوقات ایسے غیر معذور افراد بھی کرسیاں دیکھ کر ان پر بیٹھ کر نماز ادا کرنے لگتے ہیں جس کی وجہ سے ان کی نماز ہی نہیں ہوتی۔

③ کرسیوں کے بلا عذر استعمال سے صفوں کو درست اور سیدھا رکھنے میں

بہت خلل واقع ہوتا ہے، حالاں کہ صفوں کو ملانے اور سیدھا کرنے کی بہت تاکید آئی ہے، ایک حدیث شریف میں ہے: راصوا صفوفکم و قاربوا بینہا وحاذوا بالاعناق فوالذی نفسی بیدہ انی لاری الشیطان یدخل من خلل الصف کانہا الخذف۔ (سنن النسائی ۳/ ۳۱۱، ح: ۸۰۶) (ترجمہ) اپنی صفیں ملی ہوئی رکھو اور ان کو آپس میں قریب رکھو اور اپنی گردنیں برابر رکھو، قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے، میں شیطان کو بکری کے کالے بچے کی طرح صفوں کی کشادگی میں گھتے دیکھتا ہوں۔ (از: مظاہر حق ۱/ ۷۲۳)

④ مساجد میں بلا ضرورت کرسیوں کی کثرت سے عیسائیوں کے گرجا اور یہودیوں کی عبادت گاہ سے مشابہت معلوم ہوتی ہے، جہاں کرسیوں اور بچوں پر بیٹھ کر عیسائی لوگ عبادت کرتے ہیں اور دینی امور میں یہود و نصاریٰ وغیرہ کی مشابہت سے منع کیا گیا ہے۔

⑤ نماز تواضع اور انکساری کی عبادت ہے اور کرسی پر بیٹھ کر نماز ادا کرنے کے مقابلے میں زمین پر بیٹھ کر نماز ادا کرنے میں یہ انکساری بدرجہ اتم پائی جاتی ہے۔

⑥ بعض جوان اور تندرست نمازی حضرات نماز کے بعد ان کرسیوں پر آرام کرتے ہیں اور بعض مرتبہ ایسے نمازی کرسیوں کو ایک دائرے کی شکل دے کر اس پر بیٹھ کر باتوں میں مشغول رہتے ہیں، جو مسجد کے تقدس اور اس کی شان اور ادب کے خلاف ہے۔

⑦ مساجد میں بلا عذر کرسیوں کا استعمال بعض صورتوں میں قرآن کریم اور بزرگ نمازیوں کے ادب و احترام کے خلاف ہو جاتا ہے۔

اس لیے اشارہ سے نماز پڑھنے کے لیے بھی حتی الامکان کرسیوں کے استعمال سے بچنا چاہیے اور ان کے استعمال کی حوصلہ شکنی کرنی چاہیے اور ان کا استعمال صرف ان حضرات کی حد تک محدود کرنا چاہیے جو زمین پر بیٹھ کر نماز ادا کرنے پر قادر نہ ہوں؛ البتہ رکوع، سجدے سے معذور افراد کے لیے کرسی پر بیٹھ کر نماز ادا کرنا اس لیے جائز ہے کہ جب کوئی شخص رکوع، سجدے پر قادر نہ ہو تو اس کے لیے اگرچہ افضل یہی ہے کہ وہ زمین پر بیٹھ کر اشارے سے نماز ادا کرے جیسا کہ حدیث میں بیان فرمایا گیا ہے، لیکن فقہاء کرام نے فرمایا ہے کہ ایسا شخص اگر کھڑے کھڑے رکوع اور سجدے کا اشارہ کر لے تو جائز ہوگا۔ چنانچہ فتح القدیر میں ہے کہ: ”ولو أوماً قائماً جاز إلا أن الأيماء قاعداً أفضل؛ لانه أقرب إلى السجود“۔ (فتح القدیر ۱/۶۷۰)

لہذا جب اشارے سے نماز پڑھنے والے کے لیے زمین ہی پر بیٹھ کر پڑھنا متعین اور ضروری نہ ہو، بلکہ کھڑے ہو کر اشارے سے بھی پڑھنا جائز ہے، تو کرسی پر بیٹھ کر بھی اشارے سے پڑھنا جائز ہے، البتہ کرسی کے مقابلہ میں زمین پر بیٹھنا افضل ہے کیوں کہ زمین پر بیٹھنے والا اقرب الی الارض یعنی زمین کے زیادہ قریب ہوتا

ہے۔ (ماہنامہ ابلاغ، کراچی، جمادی الاولیٰ ۱۳۳۳ھ / اپریل ۲۰۱۳ء، ص ۳۶/۳۸۳)

صورتِ مسؤلہ میں آپ نے اس معذور آدمی کو جو مسئلہ بتایا وہ صحیح ہے۔ اس کی نماز درست ہوگئی، اعادہ کی ضرورت نہیں۔ (ایضاً)

اگر وہ شخص زمین پر بیٹھ کر سجدہ کا اشارہ کر سکتا ہے تو اس کے لیے یہی افضل ہے کہ زمین پر بیٹھ کر اشارہ کرے۔ (ایضاً) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

## معذور شخص کے لیے ٹیبیل وغیرہ پر سجدہ کرنے کا حکم

**سوال:** اگر زمین پر سجدہ کی قدرت نہ ہو تو تکیہ، ٹیبیل وغیرہ کسی بلند چیز پر کیا سجدہ کرنا فرض ہے؟

ایک مدرسہ کے ماہنامہ گجراتی رسالہ میں شائع شدہ فتاویٰ۔ جس کی عکسی تحریر بھی ساتھ ہے۔ جس کی خط کشیدہ عبارت میں دو جگہ زمین پر سجدہ سے معذور کے لیے کسی بلند چیز جس کی بلندی ۹/ انچ سے زیادہ نہ ہو پر سجدہ کرنا فرض لکھا ہے۔ جس کی وجہ سے بعض جگہوں پر شدید اضطراب دہنگامہ ہے۔

نیز یہ اظہار بھی ضروری ہے کہ، صاحب فتویٰ کی تنقیص یا تعریض یا تعاقب قطعاً مقصود نہیں، صرف رفع انتشار بین العلماء والعوام اور تسہیل فی العمل کا قصد ہے، غالباً کسی وجہ سے مرجوح روایت نقل ہو گئی ہو؛ کیوں کہ دلائل اور راجح قول اس کے خلاف معلوم ہوتا ہے۔ واللہ أعلم وعلمہ أتم  
بہشتی زیور اختری: فی صلاۃ المریض:

مسئلہ (۳): سجدہ کرنے کے لیے تکیہ وغیرہ کوئی اونچی چیز رکھ لینا اور اس پر سجدہ کرنا بہتر نہیں، جب سجدہ کی قدرت نہ ہو تو بس اشارہ کر لیا کرے، تکیہ کے اوپر سجدہ کرنے کی ضرورت نہیں۔

وعلی حاشتیہ نقلا عن شرح البداية وعن شرح التنوير:  
فإن لم يستطع الركوع والسجود أومى إيماء، وجعل سجوده  
أخفض من ركوعه، ولا يرفع إلى وجهه شيئا يسجد عليه (اختری ۲/ ۴۵)

نصب الرایة (الطبع بدابھیل): عن جابر أن النبی ﷺ عاد مریضاً، فرأه یصلي علی وسادة فأخذها، فرمى بها، فأخذ عوداً لیصلي علیه، فأخذہ فرمى به، وقال: صل علی الأرض إن استطعت؛ وإلا فإومی إیماء، واجعل سجودک أخفض من رکوعک (۱۷۵/۲)

وفیه عن ابن عمر قال: قال رسول اللہ ﷺ: من استطاع منکم أن یسجد فلیسجد، ومن لم یستطع فلا یرفع إلی جبهته شیئاً یسجد علیه، ولیکن رکوعه وسجوده یومی برأسه (۱۷۶/۲)

هدایة فی صلاة المریض:

ولا یرفع إلی وجهه شیء یسجد علیه، لقولہ: إن قدرت أن تسجد علی الأرض فاسجد؛ وإلا فاوم برأسک (۱۶۱/۱)  
بدائع الصنائع، دارالکتاب دیوبند:

عن علی أن النبی ﷺ قال فی صلاة المریض: إن لم یستطع أن یسجد أوماً، وجعل سجوده أخفض من رکوعه (۲۸۴/۱)

وروی عن النبی ﷺ أنه قال: من لم یقدر علی السجود فلیجعل سجوده رکوعاً، ورکوعه إیماء، والرکوع أخفض من الإیماء (۲۸۴/۱)

وعلی هامشه: من حدیث ابن مسعود موقوفاً: إن استطعت أن تسجد علی الأرض فاسجد؛ وإلا فاومئ إیماء، واجعل السجود أخفض من الرکوع (۲۸۵/۱)

وفیه: لورفع إلی وجه المریض وسادة أو شیئاً فسجد علیه من غیر أن یؤمی لم یجز؛ لأن الفرض فی حقه الإیماء ولم یوجد، ویکره أن یفعل هذا؛ لما روی عن النبی ﷺ: دخل علی مریض یعوده، فوجده



یصلي كذلك، فقال: إن قدرت أن تسجد على الأرض فاسجد؛ وإلا فأوم رأسك (۲۸۹/۱)

وفيه: روي عن عبد الله بن مسعود: دخل على أخيه يعوده، فوجده يصلي ويرفع إليه عود فيسجد عليه، فنزع ذلك من يد من كان في يده، وقال: هذا شيء عرض لكم الشيطان، أوم لسجودك. (۲۸۹/۱)

(العود: کڑی کٹی ہوئی ٹہنی [مصباح: ۵۸۳])

وفيه: روي ان ابن عمر رأى ذلك من مريض فقال: أتتخذون مع الله ألهة أخرى؟ فإن فعل ذلك ينظر، إن كان يخفض رأسه للركوع شيئاً ثم للسجود ثم يلزق بجبينه يجوز (أي الصلاة)؛ لوجود الإيماء، لا للسجود على ذلك الشيء، فإن كانت الوسادة موضوعة على الأرض وكان يسجد عليها جازت صلاته؛ لما روي أن أم سلمة كانت تسجد على مرفقة موضوعة بين يديها لرمد بها، ولم يمنعها رسول الله ﷺ (۲۸۹/۱)

(المرفقة: چھوٹا ٹکڑی جس پر سوتے ہوئے رخسارہ رکھتے ہیں۔ [مصباح: ۳۰۶])

ان اقوال واحاديث سے یہ امور ظاہر ہوتے ہیں:

① بوقت قدرت زمین پر سجدہ۔ كما في البدائع (۱۰۵/۱) مكن جبهتك وأنفك من الأرض.

② بوقت عدم قدرت فقط اشارہ۔ (إيماء لا على شيء) كما ورد عليه عامة النصوص وعليه أصحاب المتون.

③ زمین پر تکیہ وغیرہ رکھ کر سجدہ کرنا اباحت مرحومہ، كما اختاره بهشتی زيور، ولأن حديث أم سلمة فعلي وما سواه قولي، وفيهم صيغ الأمر

وحدیث أم سلمة ليس كذلك.

④ کوئی چیز اونچی اٹھا کر سجدہ کرنا یہ منع ہے۔ کما منع ابن مسعود وابن

عمر، واختاره الهداية كما مر.

اب سوال یہ ہے کہ:

① ٹیبل وغیرہ پر سجدہ کی فرضیت کی ترجیح کس دلیل سے؟

② یہ کہ ۹/ انچ یا اس سے کم بلندی پر سجدہ کی فرضیت کس وجہ سے؟

③ نیز یہ ۹/ انچ (نصف ذراع) سجدہ میں کہاں سے اخذ کیا ہے؟

السائل: فضل الرحمن ابن مولانا آدم صاحب طالع پوری

الجواب: حامداً ومصلياً ومسلماً

آپ نے جس فتویٰ پر اشکالات کیے ہیں اُس کے مجیب باحیات اور سلامت موجود ہیں، چاہیے تو یہ تھا کہ آپ اپنا یہ سوال ان ہی کی خدمت میں بھیجتے، اب جب کہ آپ نے ہم سے ہی جواب کا مطالبہ فرمایا ہے تو اصل جواب سے پہلے بطور تمہید چند باتیں پیش کی جاتی ہیں؛ تاکہ اصل جواب پر کوئی اشکال باقی نہ رہے۔

① اولاً تو آپ کے سوال کا خلاصہ پیش کیا جاتا ہے: آپ نے فتویٰ کے دو مقامات پر اشکال کیا ہے، اُن میں سے ایک مقام ”زمین پر بیٹھ کر اشارہ سے سجدہ کرنا“ کے عنوان کے ماتحت ہے، جس میں سوال کیا گیا ہے کہ زمین پر بیٹھ کر فرض، واجب یا نفل نماز پڑھنے والا زمین پر پیشانی رکھے بغیر صرف سر کو جھکا کر اشارہ سے سجدہ کر سکتا ہے یا نہیں؟ اس کے جواب میں مفتی صاحب نے لکھا ہے کہ: ”نماز کے ارکان: قیام،

رکوع، سجدہ، قعدہ؛ وغیرہ میں سجدہ کو خصوصی امتیازی حیثیت حاصل ہے، اور سجدہ یہ نماز کی روح ہے؛ اس لیے زمین پر بیٹھ کر کسی بھی قسم کی نماز پڑھنے والا نمازی اگر زمین پر پیشانی رکھ کر سجدہ کر سکتا ہے، یا زمین پر ٹپائی وغیرہ سخت چیز جو زمین سے نوانچ یا اس سے کم اونچی ہو اس پر پیشانی رکھ کر سجدہ کر سکتا ہے، تو ان دونوں صورتوں میں زمین پر یا سجدہ کے لائق سخت چیز سجدہ کی جگہ پر رکھ کر اس پر سجدہ کرنا ضروری اور فرض ہے، ان دونوں صورتوں میں صرف سر جھکا کر سر کے اشارہ سے سجدہ کرنا کافی نہیں، اور ان دونوں صورتوں میں اس طرح صرف سر کے اشارہ سے سجدہ کرنے سے نماز صحیح نہیں ہوگی، اور اس کے لیے ضروری ہے کہ سجدہ کے ساتھ دوبارہ نماز کا اعادہ کرے۔“

② جو بیمار حقیقی سجدہ پر قدرت رکھتا ہو اس کے لیے ایما یعنی صرف سر کے اشارہ سے سجدہ کرنا درست نہیں۔

کنز میں ہے: تعذر علیہ القيام أو خاف زيادة المرض صلی قاعدا  
یرکع ویسجد، ومومثا إن تعذر، وجعل سجوده أخفض.

بجر الرائق میں ہے: قوله: ومومثا إن تعذر، أي: یصلي مومثا وهو  
قاعد إن تعذر الركوع والسجود لما قدمناه، ولأن الطاعة بحسب  
الطاقة (۱۲۲/۲)

در مختار میں ہے: وإن تعذرا ليس تعذرهما شرطا بل تعذر السجود  
كاف لا القيام أو ماً قاعدا، وهو أفضل من الإيماء قائما لقربه من  
الأرض (در مختار علی هامش الشامی ۱/۵۶۰)

وإن عجز عن القيام والركوع والسجود وقد ر على القعود یصلي  
قاعدا بإيماء، ویجعل السجود أخفض من الركوع، كذا في فتاویٰ

قاضي خان حتى لو سوى لم يصح، كذا في البحر الرائق وكذا لو عجز  
عن الركوع والسجود وقدر على القيام فالمستحب أن يصلي قاعدا  
بإيماء، وإن صلى قائما بإيماء جاز عندنا، هكذا في فتاوى قاضي خان.  
(ہندیہ ۱/۱۳۶)

بدائع میں ہے: فإذا عجز عن القيام يصلي قاعدا بركوع وسجود،  
فإن عجز عن الركوع والسجود يصلي قاعدا بالإيماء، ويجعل السجود  
أخفض من الركوع (بدائع ۱/۱۰۵۱۰۶)

۳) یہاں پر یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ، حقیقی سجد پر قدرت رکھنے والا کس کو کہا جائے؟  
تو ظاہر ہے کہ شرعاً جس سجدہ کو معتبر اور صحیح قرار دیا گیا ہے جو بیمار اُس طرح کا سجدہ  
کرنے پر قدرت نہ رکھتا ہو اسی کو ایما یعنی سر کے اشارہ سے سجدہ کرنے کی اجازت  
ہوگی۔ فقہاء نے جہاں سجدہ کی کیفیت سے بحث کی ہے وہاں لکھا ہے کہ: زمین پر پیشانی  
رکھنے کو سجدہ کہتے ہیں، کسی نرم چیز پر جس میں سر ناک دھنس جائے اور ناک اور پیشانی  
قرار نہ پکڑے، مثلاً: گھاس یا روٹی وغیرہ پر سجدہ کیا تو سجدہ جائز نہیں، اور اگر اُس کی  
پیشانی اور ناک قرار پکڑے اور اس جگہ کی سختی معلوم ہو، یعنی اب اگر مبالغہ کیا جائے تو  
نہ دبے اور سر نیچے نہ جائے تو سجدہ جائز اور درست ہے۔

نیز سجدہ کی جگہ پاؤں کی جگہ سے آدھ گز شرعی (ایک بالشت) یعنی نوانچ تک  
اوپنی ہو تو سجدہ جائز ہے، اور اگر اس سے زیادہ اونچی ہو تو جائز نہیں۔

چنانچہ نور الایضاح میں ”باب شروط الصلاة وأركانها“ کے عنوان کے  
ما تحت تحریر فرماتے ہیں: لا بد لصحة الصلاة من سبعة وعشرين شيئاً۔

آگے نمبر ۱۷/ پر لکھا ہے: والسجود على ما يجد حجمه وتستقر عليه

جہتہ. إلخ

اس کے بعد نمبر ۱۸ / پر لکھا ہے: وعدم ارتفاع محل السجود عن موضع القدمين بأكثر من نصف ذراع، وإن زاد على نصف ذراع لم يجز السجود إلا لرحمة سجد على ظهر مصل صلاته.

(نور الايضاح الطبعة الجديدة ص: ۱۹۹)

مراقی الفلاح میں ہے: ومن شروط صحة السجود: عدم ارتفاع محل السجود عن موضع القدمين بأكثر من نصف ذراع ليتحقق صفة الساجد، والارتفاع القليل لا يضر، وإن زاد على نصف ذراع لم يجز السجود، أي: لم يقع معتدا به، فإن فعل غيره معتبرا صح، وإن انصرف من صلاته ولم يعده بطل. (مراقی الفلاح علی هامش الطحطاوي)

طحطاوی میں ہے: والارتفاع القليل وهو ما كان من نصف ذراع فأقل. (ص: ۱۲۶)

طحطاوی علی الدر میں ہے: إذا سجد المريض على شيء موضوع على الأرض صح على أنها سجود إن وجد قوة الأرض وكان ارتفاعه أقل من نصف ذراع؛ وإلا فهو إيماء قال الحلبي: وقوله: فكان ارتفاعه أقل من نصف ذراع، ظاهره أن الارتفاع نصف ذراع مضر في السجود وليس كذلك؛ بل المضر ما كان أكثر عند عدم الضرورة قال أبو السعود: ولو سجد على ما يجده حجمه من وسادة لم يكن ارتفاعها القدر المانع بأن كان قدر لبنة أو لبنتين جاز على أنها بركوع وسجود، انتهى وقال في شرح الملتقى: إلا أن يجد قوة الأرض فتكون صلاته بالركوع والسجود، كما أفاده المصنف واستفيد من هذين النصين أن الركوع في هذه المسئلة

حقیقی کالسجود (طحطاوی علی الدر ۱/ ۵۰۰)

منقولہ بالا عبارات سے یہ بات صاف ہوگئی کہ، جو آدمی سپاٹ زمین پر سجدہ کرنے پر کسی وجہ سے قادر نہ ہو اور وہ کوئی اونچی سخت اور ٹھوس چیز رکھ کر سجدہ کرے بہ شرطے کہ اُس کی اونچائی ایک بالشت سے زیادہ نہ ہو تو اس کو حقیقتاً سجدہ کرنے والا سمجھا جائے گا، اور اس کے متعلق یہ کہنا درست نہیں کہ: وہ سجدہ کرنے سے معذور ہے، لہذا بہ ذریعہ ایما یعنی سر کے اشارہ سے اس کا سجدہ کرنا معتبر نہ ہوگا، اور اس کی وہ نماز درست قرار نہ دی جائے گی۔

صاحب در مختار بہ ذریعہ ایما یعنی سر کے اشارہ سے کیے جانے والے رکوع اور سجدہ کی تشریح کرتے ہوئے رقم طراز ہیں:

ويجعل سجوده أخفض من ركوعه لزوما، ولا يرفع إلى وجهه شيئا يسجد عليه فإنه يكره تحريماً، فإن فعل للبناء على المجهول - ذكره العيني - وهو يخفض برأسه لسجوده أكثر من ركوعه صح على أنها إيماء لا سجود؛ إلا أن يجد قوة الأرض، وإلا يخفض لا يصح لعدم الإيماء. (در علی هامش الشامی ۱/ ۵۶۱)

علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں: (قوله إلا أن يجد قوة الأرض) هذا الاستثناء مبني على أن قوله: ولا يرفع إلخ شامل لما إذا كان موضوعاً على الأرض، وهو خلاف المتبادر؛ بل المتبادر كون المرفوع محمولاً بيده أو يد غيره وعليه، فالاستثناء منقطع لاختصاص ذلك بالموضوع على الأرض؛ ولذا قال الزيلعي: كان ينبغي أن يقال: إن كان ذلك الموضوع يصح السجود عليه كان سجوداً؛ وإلا فإيماء اه وجزم به في شرح المنية،

واعترضه في النهر بقوله: وعندى فيه نظر؛ لأن خفض الرأس بالركوع ليس إلا إيماء، ومعلوم أنه لا يصح السجود بدون الركوع ولو كان الموضوع مما يصح السجود عليه اه أقول: الحق التفصيل، وهو: أنه إن كان ركوعه بمجرد إيماء الرأس من غير إنحناء وميل الظهر فهذا إيماء لاركوع، فلا يعتبر السجود بعد الإيماء مطلقاً، وإن كان مع الانحناء كان ركوعاً معتبراً حتى أنه يصح من المتطوع القادر على القيام، فحينئذ ينظر إن كان الموضوع مما يصح السجود عليه كحجر مثلاً ولم يزد ارتفاعه على قدر لبنة أو لبنتين فهو سجود حقيقي، فيكون راعياً ساجداً لا مومئاً، حتى أنه يصح اقتداء القائم به، وإذا قدر في صلاته على القيام يتمها قائماً، وإن لم يكن الموضوع كذلك يكون مومئاً فلا يصح اقتداء القائم به، وإذا قدر فيها على القيام استأنفها؛ بل يظهر لي: أنه لو كان قادراً على وضع شيء على الأرض مما يصح السجود عليه أنه يلزمه ذلك؛ لأنه قادر على الركوع والسجود حقيقة، ولا يصح الإيماء بهما مع القدرة عليهما؛ بل شرطه تعذرهما، كما هو موضوع المسئلة (٥٦١/١)

اس میں خط کشیدہ عبارت کو بغور پڑھیں۔

④ جو آدمی حقیقتاً سجد پر قادر نہ ہو وہ بذریعہ ایماء یعنی سر کے اشارہ سے سجدہ کرے گا، اس صورت میں کوئی چیز اٹھا کر اس کی پیشانی اور ناک کے ساتھ لگانے کی ضرورت نہیں؛ بلکہ ایسا کرنا مکروہ ہے، وجہ اس کی یہ ہے کہ جب اس کا سجدہ سر کے اشارہ سے ہو رہا ہے تو پیشانی اور ناک کے زمین پر یا زمین پر رکھی ہوئی ایک بالشت یا اس سے کم اونچی کسی سخت چیز پر رکھنے کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا، گویا اس کا سجدہ

پیشانی اور ناک سے نہیں؛ بلکہ سر کے اشارہ سے ادا ہو رہا ہے، جب یہ صورت حال ہے تو کوئی چیز اٹھا کر اس کی پیشانی اور ناک سے لگانا فضول ہے، جس کی کوئی ضرورت نہیں۔ اوپر جو عبارات پیش کی گئیں اُن میں اس کی بھی صراحت موجود ہے۔

اب آپ کے پہلے اشکال کا جواب صاف ہو گیا کہ، زمین پر ٹپائی وغیرہ سخت چیز جو زمین سے نواچ یا اس سے کم اونچی ہو اس پر پیشانی رکھ کر جو نمازی سجدہ کر سکتا ہے، وہ چوں کہ حقیقتاً سجدہ پر قادر ہے؛ اس لیے مفتی صاحب نے اُس کے لیے ضروری قرار دیا کہ وہ اس صورت میں اسی طرح یعنی ٹپائی وغیرہ سخت چیز رکھ کر اس پر سجدہ کرے، اس صورت میں صرف سر جھکا کر سر کے اشارہ سے سجدہ کرنا کافی نہیں۔ نیز چوں کہ یہ سجدہ حقیقی سجدہ ہے، بہ ذریعہ ایما یعنی سر کے اشارہ سے نہیں ہے؛ اس لیے یہ ٹپائی جو رکھی گئی ہے اُس کو یہ نہیں کہا جاسکتا کہ کوئی چیز اُس کے سر کی طرف اٹھائی گئی ہے، یہ ممانعت تو اُس وقت ہے جب کہ سجدہ بہ ذریعہ ایما یعنی سر کے اشارہ سے ہو؛ اس لیے آپ نے چہرہ کی طرف کسی چیز کے اٹھائے جانے کی ممانعت کے سلسلہ میں جو روایات اپنے سوال میں بطور اشکال درج کی ہیں وہ یہاں پیش نہیں کی جاسکتیں۔

حضرت مفتی صاحب زید مجدہم کے جواب کی تائید ”احسن الفتاویٰ“ کے جواب سے بھی ہوتی ہے، ملاحظہ ہو:

”اگر سر اتنا جھکایا جاسکتا ہو کہ زمین تک ایک بالشت یا اس سے کم فاصلہ رہ جائے تو کسی اینٹ یا ٹپائی وغیرہ پر سجدہ کرنا لازم ہے، اشارہ سے نماز نہ ہوگی۔“

إلخ (احسن الفتاویٰ ۴/۵۵)

مولانا مفتی سلمان صاحب منصور پوری زید مجدہم تحریر فرماتے ہیں:



جو شخص سپاٹ زمین پر سجدہ کرنے پر کسی وجہ سے قادر نہ ہو اور کوئی اونچی چیز رکھ کر اس پر سجدہ کرے، تو اگر وہ چیز سخت اور ٹھوس ہے اور اس کی اونچائی دو اینٹ سے زیادہ نہیں ہے تو اُس کو حقیقتاً سجدہ کرنے والا سمجھا جائے گا، اور اسے سجدہ کرنے سے معذور قرار نہیں دیں گے، اور اسی طرح سجدہ کرنا اس پر لازم ہوگا۔ (کتاب المسائل / ۱/ ۵۳۳)

آپ کا دوسرا اشکال ”کرسی پر بیٹھ کر اشارہ سے سجدہ کرنا“ کے عنوان کے ماتحت دیے گئے جواب پر ہے، پہلے مفتی صاحب کے جواب کی عبارت پیش کرتا ہوں، وہ ہو ہذا:

”جو نمازی کھڑے رہ کر نماز نہ پڑھ سکے اور زمین پر بیٹھ کر نماز نہ پڑھ سکے کی وجہ سے کرسی پر بیٹھ کر نماز پڑھے، تو اگر وہ نمازی اپنے سامنے سجدہ کی جگہ پر کوئی ٹیبل وغیرہ رکھ کر اس پر پیشانی رکھ کر سجدہ کر سکتا ہو اور وہ ٹیبل اونچائی میں کرسی کے برابر یا نو انچ اونچا ہو، اس سے زیادہ اونچا نہ ہو تو اُس کے لیے اپنے سامنے اس طرح کا ٹیبل رکھ کر اُس پر سجدہ کرنا فرض ہے، کرسی پر بیٹھ کر اس طرح سجدہ کر سکنے کی صورت میں صرف سر کے اشارہ سے یا تھوڑا جھک کر سجدہ کرنا درست نہیں، اور اس صورت میں صرف سر کے اشارہ سے یا تھوڑا جھک کر سجدہ کرنے سے نماز صحیح نہ ہوگی۔“

آپ کے اس اشکال کا جواب دینے سے پہلے یہ فیصلہ کرنا ضروری ہے کہ، سجدہ کی حالت میں گھٹنوں کا زمین پر رکھنا کیا حکم رکھتا ہے؟ اس سلسلہ میں تین قول ہیں:

چنانچہ صاحب درمختار نے باب صفة الصلاة میں سجدہ میں جانے کی جو کیفیت بیان کی ہے، وہاں فرماتے ہیں: ویسجد واضعا رکبتيه أولاً لقربهما من الأرض ثم یدیه۔

اس کی تشریح کرتے ہوئے علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: (قوله واضعا

رکبتیہ ثم یدیہ) قدمنا الخلاف فی أنه سنة أو فرض أو واجب؟ (درمختار مع الشای ۱/ ۳۶۸) یعنی گھنٹوں کو زمین پر رکھنے کے سلسلہ میں اختلاف ہے، کہ وہ سنت ہے یا فرض ہے یا واجب ہے؟ چنانچہ فقیہ ابواللیث سمرقندی رحمۃ اللہ علیہ اس کے فرض ہونے کے قائل ہیں، علامہ شرنبلالی رحمۃ اللہ علیہ نے ”نور الايضاح“ میں اسی کو اختیار فرمایا ہے، چنانچہ ”باب شروط الصلاة وأركانها“ کے ماتحت فرماتے ہیں: لا بد لصحة الصلاة من سبعة وعشرين شيئاً. آگے اس کی تفصیل کرتے ہوئے انیسویں نمبر پر سجدہ کا طریقہ بیان کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں: ووضع الیدين والركبتين في الصحيح (نور الايضاح ص: ۲۰۰ الطبعة الجديدة)

لیکن فتویٰ اس کی عدم فرضیت پر ہے، چنانچہ صاحب درمختار نے جہاں نماز کی سنتوں کو بیان کیا ہے وہاں پر تحریر فرماتے ہیں: ووضع یدیہ و رکبتیہ فی السجود (درمختار مع الشای ۱/ ۳۰۲) جس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ، صاحب درمختار کے نزدیک یہ سنت ہے۔

اسی کی تشریح کرتے ہوئے علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: (قوله ووضع یدیہ و رکبتیہ) هو ما صرح به كثير من المشائخ، واختار الفقيه أبو الليث الافتراض، ومثى عليه الشرنبلالي، والفتوى على عدمه كما في التجنيس والخلاصة، واختار في الفتح الوجوب؛ لأنه مقتضى الحديث مع المواظبة قال في البحر: وهو إن شاء الله أعدل الأقاويل لموافقة الأصول اه وقال في الحلية: وهو حسن ماش على القواعد المذهبية، ثم ذكره أن يؤيده (شای ۱/ ۳۰۲)

اس سے یہ معلوم ہوا کہ، اکثر مشائخ بوقت سجدہ گھٹنوں کو زمین پر رکھنے کی سنت کے قائل ہیں، اگرچہ بقول علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ راجح اور معتدل قول وجوب کا ہے۔ وہ شخص جو زمین پر بیٹھ کر سجدہ کرنے سے معذور ہے اور بیماری کی وجہ سے گھٹنوں کو زمین پر رکھ کر سجدہ نہ کر سکنے کی وجہ سے کرسی پر بیٹھ کر نماز ادا کر رہا ہے، اور اپنے سامنے ٹیبل وغیرہ ایسی چیز جس کی سطح اس کی کرسی کی سطح سے اونچے سے زیادہ اونچی نہ ہو رکھ کر اُس پر پیشانی رکھ کر سجدہ کر سکتا ہے، تو کیا اُس کے لیے ایسا کرنا ضروری ہے؟ جن حضرات کے نزدیک سجدہ میں گھٹنوں کو زمین پر رکھنا فرض ہے جیسے کہ صاحب نور الایضاح علامہ شرنبلالی رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ، اُن کے مسلک کے اعتبار سے تو جب یہ آدمی کرسی پر بیٹھا ہوا ہے اور زمین پر گھٹنے ٹیک کر سجدہ کرنے سے معذور ہے تو اس کے حق میں حقیقی سجدہ کا تحقق نہ ہونے کی وجہ سے بذریعہ ایما یعنی سر کے اشارہ سے سجدہ کرنے کا حکم جاری ہوتا ہے؛ اس لیے سامنے ٹیبل رکھ کر اس پر پیشانی رکھنے کی طاقت ہونے کے باوجود ایسا کرنا اس کے لیے ضروری نہیں؛ کیوں کہ اس کا سجدہ بذریعہ ایما ہو رہا ہے، اور وہ ٹیبل پر پیشانی رکھنے پر موقوف نہیں؛ بلکہ اس کے بغیر بھی بذریعہ ایما یعنی سر کے اشارہ سے سجدہ کا تحقق ہو رہا ہے۔ البتہ جن حضرات کے نزدیک سجدہ حقیقی میں گھٹنوں کو زمین پر رکھنا فرض نہیں؛ بلکہ واجب ہے، ان کے نزدیک جب یہ شخص اس پر قادر نہیں تو یہ وجوب اس سے ساقط ہو کر اس کے بغیر بھی اس کے حق میں سجدہ حقیقی کا تحقق ہو سکے گا، اور جن حضرات کے نزدیک یہ سنت ہے اُن کے نزدیک تو بصورت عذر بطریق اولیٰ سجدہ حقیقی کا تحقق ہوگا؛ اس لیے ان دونوں فریق کے بقول کرسی پر بیٹھ کر نماز پڑھنے والا معذور شخص سامنے ٹیبل رکھ کر جس کی اونچائی اُس کی کرسی کی سطح سے اونچے

سے زیادہ نہ ہو پیشانی رکھ کر سجدہ کرنے پر قادر ہے تو اُس کے حق میں سجدہ حقیقی کا تحقق ہونے کی وجہ سے اُس کے لیے ایسا کرنا ضروری قرار دیا جائے، اسی میں احتیاط ہے؛ اس لیے حضرت مفتی صاحب نے اپنے جواب میں جو لکھا ہے وہ بالکل درست ہے۔  
 ”احسن الفتاویٰ“ میں ریل گاڑی اور بس میں نماز کا جو طریقہ بتلایا ہے وہ نقل کیا جاتا ہے:

”ریل گاڑی اور بس میں کھڑے ہو کر قبلہ رخ نماز پڑھیں، گرنے کا خطرہ ہو تو کسی چیز سے ٹیک لگا کر یا ہاتھ سے کوئی چیز پکڑ کر کھڑے ہوں، حالتِ قیام میں ہاتھ باندھنا سنت ہے، فرض نہیں، اور قیام فرض ہے؛ اس لیے بوقتِ ضرورت ہاتھ چھوڑ کر کسی چیز کو پکڑ کر کھڑا ہو۔ اگر قبلہ رخ ہونے کی گنجائش نہ ہو تو دو نشستوں کے درمیان قبلہ رخ کھڑا ہو کر قیام و رکوع کا فرض ادا کرے، اور سجدہ کے لیے پچھلی نشست پر کرسی کی طرح بیٹھ جائے یعنی پاؤں نیچے ہی رہیں، اور سامنے کی نشست پر سجدہ کرے، اس صورت میں بحالتِ سجدہ گھٹنے کسی چیز پر نہیں ٹکیں گے، مگر سجدہ میں گھٹنے رکھنا فرض نہیں؛ بلکہ واجب یا سنت ہے، بوقتِ عذر اُس کے ترک سے نماز ہو جائے گی۔“

(احسن الفتاویٰ ۴/ ۸۸)

نوٹ: اُس کو قیام کے بجائے بیٹھنے اور رکوع کے بجائے ایما یعنی سر کے اشارہ سے رکوع کی اجازت اس لیے تھی کہ، اس کے حق میں یہ سمجھا گیا تھا کہ اس کا سجدہ حقیقی نہیں ہے؛ بلکہ بذریعہ ایما یعنی سر کے اشارہ سے ہے، اور ایسا آدمی جو سجدہ حقیقی پر قادر نہ ہونے کی وجہ سے سجدہ بذریعہ ایما کر رہا ہو اُس کے لیے قیام و رکوع پر حقیقتاً قدرت ہوتے ہوئے بیٹھ کر سجدہ کی طرح رکوع بھی بذریعہ ایما ادا کرنا افضل ہے؛

لیکن اب جب کہ یہ محقق ہو گیا کہ، کرسی پر بیٹھ کر بھی سجدہ حقیقی ہوتا ہے، تو کرسی پر بیٹھ کر نماز پڑھنے والا جو شخص قیام اور رکوع کرنے پر قادر ہے وہ بحالت قیام کرسی پر نہ بیٹھے؛ بلکہ کھڑا رہے، پھر بوقت رکوع حقیقتاً رکوع کرے، اور بوقت سجدہ کرسی پر بیٹھ کر کرسی کے سامنے رکھے ہوئے ٹیبل پر جس کی اونچائی کرسی کی سطح سے نو انچ سے زیادہ نہ ہو، سجدہ کرے؛ ورنہ اُس کی نماز نہ ہوگی۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

املاء: العبد احمد عنی عنہ خانپوری، مؤرخہ: ۲۷ / شوال ۱۴۳۱ھ  
الجواب صحیح: عباس داؤد۔ بسم اللہ الجواب صحیح: عبدالقیوم راجکوٹی

## قوت حافظہ میں بوجہ مرض نماز و روزہ یاد نہ آنا عذر ہے

**سوال ①:** ایک صاحب کو دماغ میں قوت حافظہ کے مقام پر خون رکنے کی وجہ سے قوت حافظہ میں کمی آگئی ہے، اس کی تفصیل یہ ہے کہ خون رکنے کی وجہ سے کئی ماہ تک نماز یاد نہیں آتی، ان دنوں میں نماز یاد آنے کے لیے سامنے نماز پڑھتے تھے اور نماز پڑھنے کے لیے بارہا کہتے تھے اس کے باوجود بھی نماز یاد نہیں آتی، کیا مریض پر جتنے دن کی نماز یاد نہیں آئی تھی کیا ان تمام دنوں کی چھوٹی ہوئی نمازوں کی قضا کرنا واجب ہے یا نہیں؟ اسی طرح وضو کا اب تک یاد نہیں۔

**②** فی الحال مریض کو کبھی کبھی نماز کی یاد آتی ہے تو پڑھتے ہیں، یعنی ایک دن کو ایک وقت کی نماز کی یاد آتی ہے تو پھر چار یا پانچ دن کے بعد نماز یاد آتی ہے، اذان کی آواز جب سنتے ہیں تو نماز کی یاد آتی ہے وہ بھی ہمیشہ نہیں کبھی یاد آتی ہے، فی الحال نماز کی یاد دلانے سے نماز کی یاد آتی ہے، کیا مریض پر ایسی حالت میں ان تمام دنوں

کی چھوٹی ہوئی نمازوں کی قضا کرنا واجب ہے یا نہیں؟ اب تک وضو بھی یا نہیں آئی۔  
 (۳) کیا مریض ایسی حالت میں رمضان کا روزہ رکھے تو ادا ہوگا یا نہیں؟ اگر  
 روزہ نہ رکھے تو کیا ان روزوں کی قضا کرنا واجب ہے یا نہیں؟

**الجواب:** حامداً ومصلياً ومسلماً

① صورت مسئلہ میں اس مریض پر قضا نہیں ہے۔  
 ② صورت مسئلہ میں بھی قضا نہیں ہے؛ البتہ اگر یہ کیفیت ایک دن رات یا  
 کم رہے تو قضا ہوگی۔

ولو اشتبه على مريض أعداد الركعات والسجادات لنعاس يلحقه  
 لا يلزمه الأداء (در مختار) (قوله ولو اشتبه على مريض الخ) أي بأن وصل  
 إلى حال لا يمكنه ضبط ذلك، وليس المراد مجرد الشك والاشتباه؛  
 لأن ذلك يحصل للصحيح (شامی ۱/۵۶۲) وفي مسئلتنا حال المريض فوقه.

③ روزہ کے لیے نیت شرط ہے، جب اس کا حافظہ غائب ہے تو نیت کیسے  
 کرے گا؛ البتہ اگر یاد آ گیا اور نیت کر لی تو اس دن کا ادا ہوگا، اگر اس بیماری سے اتنا  
 افاقہ ملا کہ تمام روزوں کی قضا کر سکتا ہے تو تمام کی قضا واجب ہے، اور کچھ کا وقت ملا تو  
 کچھ کی قضا کرے، اور اگر اس بیماری سے افاقہ ملا ہی نہیں؛ یہاں تک کہ اسی حالت  
 میں موت آگئی تو قضا واجب نہیں ہوئی۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

## باب صلاة النساء

### مرد و عورت کی نماز میں فرق

**سوال:** مرد و عورت کی نماز میں کوئی امتیاز ہے یا نہیں؟ حضرت امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ مرد و عورت کی نماز میں یہ فرق ہے کہ عورت قیام کی حالت میں ہاتھ سینہ پر باندھے اور مرد ناف کے نیچے ہاتھ باندھے اور غیر مقلدین کہتے ہیں کہ: نہیں، مرد اور عورت دونوں ہی ہاتھ سینہ پر باندھیں گے اور امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ عورت مرد کی طرح رکوع نہیں کرے گی یعنی سر اور سرین دونوں برابر نہیں کرے گی؛ بلکہ رکوع میں عورت بہ نسبت مرد کے کم جھکے گی اور قاعدہ میں عورت بالکل زمین سے چپک کر اور سمٹ کر سجدہ کرے گی اور قاعدہ میں عورت دونوں پیردہنی طرف نکال دے گی اور سرین زمین پر رکھ کر قاعدہ کرے گی، اس میں غیر مقلدین کا کہنا ہے کہ نہیں، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے اور ازواج مطہرات سے مرد و عورت دونوں کا حکم برابر ثابت ہے، دونوں کے حکم میں کوئی امتیاز اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت نہیں ہے اور چیلنج کرتے ہیں کہ اگر ثابت ہے تو مستند کتابوں سے مثلاً بخاری و مسلم و مشکوٰۃ و ابوداؤد و ابن ماجہ وغیرہ سے حوالہ پیش کرو اور صفحہ نمبر بھی بتلاؤ؟ تو ایسی صورت میں ہم ان کو کیا جواب دیں؟ ہم ان سے کہتے ہیں کہ: تم علمائے کرام یا مفتیانِ عظام سے یہ سوال کرو تو وہ کہتے ہیں کہ: ہم نے تمہارے سبھی مفتیوں سے عالموں سے معلوم کر لیا ہے، ان کے پاس کوئی جواب نہیں، لہذا یہ مولوی لوگ تمہیں گمراہ کر رہے ہیں، ایسی صورت میں

حضرت والا سے درخواست ہے کہ آپ ہماری مدد فرمائیں اور بہ حوالہ کتب حدیث صحیح ہدایت فرمائیں۔

الجواب: حامداً و مصلياً و مسلماً

اسلامی نظام حیات میں عورتوں اور مردوں کی صنفی خصوصیات اور ان کے تقاضوں کے لحاظ سے دونوں کے حقوق و فرائض اور مسائل و احکام میں نمایاں طور پر فرق و امتیاز کی رعایت کی گئی۔ یہ فرق صرف طرز معاشرت اور خانہ داری، تربیت اولاد اور گھریلو ذمہ داریوں تک ہی محدود نہیں ہے؛ بلکہ زندگی کے ہر شعبہ میں اس کی بھرپور رعایت کی گئی ہے؛ حتیٰ کہ اسلامی نظام حیات میں بالخصوص دواہم فرائض حج اور نماز میں یہ امتیاز نمایاں اور ہر قدم پر محسوس ہونے والا ہے، یہ ایک ایسی مسلم حقیقت ہے جس سے کوئی باشعور مسلمان انکار نہیں کر سکتا، چنانچہ عورتوں اور مردوں کے طریقہ نماز میں بھی جو امتیاز ہے وہ عین تقاضہ شریعت کے مطابق ہے اور یہ امتیاز صرف امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے متبعین احناف کے یہاں ہی نہیں؛ بلکہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ، امام مالک رحمۃ اللہ علیہ، امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کے متبعین کے یہاں بھی؛ بلکہ سربر آوردہ علمائے اہل حدیث بھی اس مسئلہ میں سواد اعظم کے ساتھ ہیں، اس کی تفصیل کے لیے مولانا مفتی ابوالقاسم صاحب زید مجدہم کے رسالہ ”عورتوں کا طریقہ نماز“ کا مطالعہ کیجیے، یہ رسالہ دفتر جمعیتہ علمائے ہند دہلی کی طرف سے شائع کیا جا چکا ہے۔

حضرت مفتی صاحب رسالہ مذکورہ میں تحریر فرماتے ہیں: اب تک کے حوالوں سے روز روشن کی طرح یہ بات واضح ہوگئی کہ قرن اول سے چودھویں صدی کے اوائل



تک عالم اسلام میں رائج تمام فقہی مکاتب فکر کے تبعین اور ابتدائی دور کے علمائے اہل حدیث بھی اس مسئلہ میں متفق تھے کہ عورتوں اور مردوں کے طریقہ نماز میں فرق ہے، بالخصوص طریقہ سجود اور طریقہ قعود میں (ص: ۱۵) مولانا موصوف نے اپنے اسی رسالہ میں اس موضوع پر فقہ و حدیث کے اعتبار سے تفصیلی کلام کیا ہے، اس کا مطالعہ فرمائیں، فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد خانپوری، ۶/ محرم الحرام ۱۴۲۴ھ

## عورتوں کا نماز باجماعت پڑھنا

**سوال:** تہا عورتوں کی جماعت (یعنی ایک عورت دوسری عورتوں کو نماز پڑھائے) کا کیا حکم ہے؟

**الجواب:** حامداً ومصلياً ومسلماً

اس طرح عورتوں کا باجماعت نماز ادا کرنا مکروہ تحریمی ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔  
کتبہ: العبد احمد غنی عنہ خانپوری

## عورتوں کا نماز کی جماعت میں حاضر ہونا کیسا ہے؟

**سوال:** عورتوں کا مسجد میں نماز کی ادائیگی کے لیے جانا کیا حکم رکھتا ہے؟ غیر ممالک مثلاً سعودی عرب وغیرہ میں عورتیں مسجدوں میں نماز پڑھتی ہیں۔ بہر حال اجازت اور عدم اجازت کے بارے میں شریعت کیا کہتی ہے؟ کتاب وسنت کی روشنی میں تفصیلی جواب عنایت فرمائیں۔

## الجواب: حامداً ومصلياً ومسلماً

اس سلسلہ میں جواب دیتے ہوئے مفتی اعظم حضرت مولانا کفایت اللہ صاحب تحریر فرماتے ہیں: عورتوں کو فقہائے حنفیہ نے نماز کی جماعتوں اور مجالس وعظ میں جانے سے منع کیا ہے اور کتب فقہ میں اس کی تصریح ہے کہ عورتوں کے لیے مجالس وعظ اور جماعت نماز اور عیدین میں جانا مکروہ تحریمی ہے جو حرام کے قریب ہے اور اس حکم فقہی کی دلیل یہ حدیث ہے جو امام بخاری نے حضرت عائشہ سے روایت کی ہے:

عن عائشة رضي الله عنها قالت: لو أدرك رسول الله ﷺ ما أحدث النساء لمنعهن المسجد كما منعت نساء بني إسرائيل، فقلت لعمرة: أو ممنع؟ قالت: نعم! (رواه البخاري) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے، انہوں نے فرمایا کہ: اگر عورتوں کی یہ حرکات جو انہوں نے اب اختیار کی ہیں رسول اللہ ﷺ ملاحظہ فرماتے تو انہیں مسجدوں میں آنے سے روک دیتے جیسے کہ بنی اسرائیل کی عورتیں روک دی گئی تھیں۔ راوی کہتا ہے کہ: میں نے عمرہ سے پوچھا کہ کیا بنی اسرائیل کی عورتیں روک دی گئی تھیں؟ انہوں نے فرمایا: ہاں! انتہی

اس حدیث سے صاف طور یہ بات معلوم ہوگئی کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے زمانہ میں ہی عورتوں کی حالت ایسی ہوگئی تھیں کہ ان کا گھروں سے نکلنا اور جماعتوں میں جانا سبب فتنہ تھا، اور اسی وجہ سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا و دیگر اکابر صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین عورتوں کو جماعت میں آنے سے منع کرتے تھے۔

علامہ عینی رحمہ اللہ عمدة الباری شرح بخاری میں اس حدیث کے تحت میں جس میں

عورتوں کا زمانہ رسالت ہی میں عیدین میں جانا مذکور ہے تحریر فرماتے ہیں:

وقال العلماء: كان هذا في زمنه ﷺ، وأما اليوم فلا تخرج الشابة ذات الهيئة، ولهذا قالت عائشة لو رأى رسول الله ﷺ ما أحدث النساء بعده لمنعهن المسجد كما منعت نساء بني اسرائيل. قلت: هذا الكلام من عائشة بعد زمن يسير جدا بعد النبي ﷺ، وأما اليوم فنعوذ بالله من ذلك فلا يرخص في خروجهن مطلقاً للعید وغيره. (عینی شرح بخاری ۳/۲۷۲)

علمائے فرمایا کہ: عورتوں کا عیدین میں جانا رسول خدا ﷺ کے زمانہ میں اس لیے تھا کہ وہ زمانہ خیر و برکت کا تھا اور فتنہ کا خوف نہ تھا اور آج کل جو ان عورتیں خوبصورت خوش وضع ہرگز نہ جائیں اور اسی لیے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ: اگر رسول اللہ ﷺ عورتوں کی یہ حرکات ملاحظہ فرماتے تو ان کو مسجد میں آنے سے روک دیتے جیسے بنی اسرائیل کی عورتیں روک دی گئی تھیں۔ علامہ عینی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا یہ زمانہ رسول اللہ ﷺ کے زمانہ مبارک کے بہت تھوڑے دنوں بعد کا ہے اور آج کل تو خدا کی پناہ! پس مطلقاً عورتوں کو عید اور غیر عید میں جانے کی اجازت نہیں دی جاسکتی۔ انتہی

جب کہ علامہ عینی اپنے زمانہ میں یہ فرماتے ہیں کہ: آج کل کی عورتوں کے حالات خدا کی پناہ! تو پھر ہمارے اس زمانہ چودھویں صدی کی عورتوں کا تو ذکر ہی کیا ہے؟ اور علامہ عینی عمدة القاری میں دوسری جگہ فرماتے ہیں:

ومذهب أصحابنا في هذا الباب ما ذكره صاحب البدائع: أجمعوا على أنه لا يرخص للشابة الخروج في العیدین والجمعة وشيء من

الصلوات لقوله تعالى: ﴿وقرن في بيوتكن﴾، ولأن خروجهن سبب للفتنة، وأما العجائز فيرخص لهن الخروج في العيدين، ولا خلاف أن الأفضل أن لا يخرجن في صلوة ما. (عینی شرح بخاری ۳/ ۲۷۲، وبدائع ۱/ ۲۷۵)

ہمارے اصحاب یعنی علمائے حنفیہ کا مذہب وہ ہے جو صاحب بدائع نے ذکر کیا ہے کہ: علما کا اس پر اتفاق ہے کہ جوان عورت کو عیدین اور جمعہ بلکہ کسی نماز میں جانے کی اجازت نہیں، بوجہ ارشاد باری تعالیٰ: ﴿وقرن في بيوتكن﴾ کے۔ اور اس لیے کہ عورتوں کا گھروں سے نکلنا فتنہ کا سبب ہے، ہاں بوڑھیاں عیدین کے لیے جاسکتی ہیں اور اس میں خلاف نہیں ہے کہ افضل بوڑھیوں کے لیے بھی یہی ہے کہ کسی نماز کے لیے نہ نکلیں۔ انتہی

اور بدائع میں ہے: ولا يباح للشواب منعهن الخروج إلى الجماعات بدليل ما روي عن عمر أنه نهى الشواب عن الخروج ولأن خروجهن إلى الجماعة سبب للفتنة، والفتنة حرام، وما أدى إلى الحرام فهو حرام. (بدائع ۱/ ۱۵۷)

یعنی جوان عورتوں کا جماعتوں میں جانا مباح نہیں اُس روایت کی دلیل سے جو حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ: انہوں نے جوان عورتوں کو نکلنے سے منع فرمادیا تھا اور اس لیے کہ عورتوں کا گھروں سے نکلنا فتنہ کا سبب ہے، اور فتنہ حرام ہے، اور جو چیز فتنہ کی طرف پہنچائے وہ بھی حرام ہوتی ہے، انتہی

اور فتاویٰ ہندیہ معروف بہ فتاویٰ عالمگیری میں ہے: والفتوى اليوم على الكراهة في كل الصلوات لظهور الفساد، كذا في الكافي. (فتاویٰ عالمگیری ۱/ ۹۲)

یعنی اس زمانہ میں فتاویٰ اس پر ہے کہ عورتوں کا تمام نمازوں میں جانا مکروہ ہے؛

کیوں کہ ظہورِ فساد کا زمانہ ہے۔

اور بدائع میں ہے: وأما المرأة فلأنها مشغولة بخدمة الزوج ممنوعة عن الخروج إلى محافل الرجال لكون الخروج سببا للفتنة، ولهذا لا جماعة عليهن ولا جمعة عليهن أيضا. (بدائع ۱/ ۲۰۸) یعنی عورتوں کا حکم یہ ہے کہ وہ خاوند کی خدمت میں (شرعاً) لگائی گئی ہے اور مردوں کی مجلسوں میں جانے سے (شرعاً) روکی گئی ہے؛ کیوں کہ عورتوں کا گھروں سے نکلنا فتنہ کا سبب ہے اور اسی لیے عورتوں پر جماعت اور جمعہ نہیں۔

ان تمام عبارتوں سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ عورتوں کو نماز پنجگانہ، عیدین اور جمعہ کی جماعتوں میں جانا مکروہ تحریمی ہے، اور گھروں سے نکلنے میں ہی فتنہ ہے، اور یہ ممانعت حضرت عمر رضی اللہ عنہ، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا، حضرت عروہ بن الزبیر رضی اللہ عنہ، حضرت یحییٰ بن سعید انصاری رضی اللہ عنہ، حضرت امام مالک رحمۃ اللہ علیہ، امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ وغیرہم سے منقول ہے، اور ائمہ حنفیہ کا بالاتفاق یہی مذہب ہے جیسا کہ عینی اور بدائع کی عبارتوں سے واضح ہے۔ (کفایت المفتی ۵/ ۳۹۱-۳۹۲) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ: العبد احمد غنی عنہ خانپوری، ۲۴/ ذوالحجہ الحرام ۱۴۰۷ھ

الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ

حریمین شریفین میں عورتوں کا جماعت کی نماز میں شریک ہونا

(سوال) حریمین شریفین میں خواتین کا جماعت کے ساتھ نماز پڑھنا فتنہ خفی کی رو

سے کیسا ہے؟

**الجواب:** حامداً ومصلياً ومسلماً

فقہاء احناف نے جہاں عورتوں کے لیے مسجد میں جماعت کی شرکت کو مکروہ تحریمی لکھا ہے، وہاں مسجد حرام کا استثناء نہیں کیا ہے، اس لیے یہ حکم حرمین شریفین میں بھی جاری ہوگا۔

ویکرہ حضورہن الجماعة؛ ولو لجمعة، وعید، ووعظ مطلقاً؛ ولو عجزوا لیلاً علی المذہب المقتی بہ، لفساد الزمان.

(درمختار علی هامش الشای ۱/۴۱۹، ۴۱۸)

معلم الحجاج میں ہے: ”مسئلہ: مسجد حرام تمام مسجدوں سے افضل ہے، اس میں نماز پڑھنے کا بڑا ثواب ہے، ایک نماز کا ثواب ایک لاکھ نمازوں کے برابر ہوتا ہے، لیکن یہ ثواب کی زیادتی صرف فرض نماز کے ساتھ مخصوص ہے، نوافل کا ثواب اتنا نہیں، نوافل گھر میں پڑھنا افضل ہے، اسی طرح یہ ثواب صرف مردوں کو ہوتا ہے، عورتوں کو نہیں ہوتا، ان کو اپنے گھر میں نماز پڑھنی افضل ہے۔ (معلم الحجاج ۱۲۰) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۴/ ذوقعدہ ۱۴۱۰ھ

**عورت کے لیے عقص (انبوڑے) کے ساتھ نماز پڑھنا**

**سوال:** عورت کے سر کے بال کے بارے میں پوچھنا ہے کہ ہمیشہ عورت کس

طرح اپنے سر کے بال رکھے انبوڑا اوڑدے یا چوٹی رکھے؟ اگر انبوڑا اوڑدے تو کوئی حرج ہے؟ کونسا طریقہ بہتر اور اچھا ہے؟ دوسری بات یہ کہ نماز کی حالت میں عورت کے بال کس طرح ہونے چاہیے؟ انبوڑا ہو تو کوئی حرج ہے؟ اور عورت کے بال اور کپڑے کے بارے میں شریعت میں کیا حکم ہے؟

**الجواب:** حامداً ومصلياً ومسلماً

بال یا لباس میں کوئی ایسی ہیئت اختیار کرنا جو کفار و فساق کی مخصوص ہیئت سمجھی جاتی ہو، یہ ناجائز ہے، عورتوں کے لیے سر کے بالوں کا عقص (انبوڑا) ہمارے علاقہ میں غیر مسلم عورتوں کی ہیئت سمجھی جاتی ہے، اس لیے درست نہیں ہے؛ لیکن اس کے باوجود اگر اس طرح کے بالوں کے ساتھ نماز پڑھی تو وہ درست اور صحیح ہے، اس نماز کو لوٹانے کی ضرورت نہیں ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

**بجنے والے زیور اور چمک دار کپڑے پہن کر نماز پڑھنا**

**سوال:** چمک دار کپڑا پہن کر عورت کے لیے نماز پڑھنے کا کیا حکم ہے؟ اسی طرح پازیب اور دوسرے آواز پیدا کرنے والے زیورات پہن کر نماز پڑھنے کا کیا حکم ہے؟

**الجواب:** حامداً ومصلياً ومسلماً

باجہ دار زیور پہننا عورت کے لیے منع ہے؛ البتہ جس میں خود باجنہ نہ ہو اگر چہ لگ کر بچتا ہو، اس کا پہننا جائز ہے؛ مگر اس طرح چلنا کہ اجنبی اس کی آواز سے ممنوع ہے۔ (امداد الفتاویٰ ۴/۱۹۷، ۱۹۸) غیر مشروع لباس میں نماز مکروہ ہوتی ہے۔ (کما صرح به الفقهاء، إمداد الأحكام ۷۶/۱) اس لیے پہلی قسم کا زیور پہن کر نماز مکروہ ہوگی۔

چمک دار کپڑے کے متعلق کوئی صراحت کتب فقہ میں میری نظر سے نہیں گذری؛

البتہ اصول سے یہ مترشح ہوتا ہے کہ اگر ایسا لباس پہن کر وہ غیر محارم کے سامنے نہیں آتی ہے تو جائز ہوگا اور اس صورت میں نماز میں بھی کراہت نہیں آوے گی، اور اگر غیر محارم کے سامنے آتی ہے تو پھر اس کا پہننا منع ہے۔

قال أبو بكر: قد عقل من معنى اللفظ النهى عن ابداء الزينة و اظهارها لورود النص في النهى عن اسماع صوتها، إذ كان اظهار الزينة أولى بالنهى مما يعلم به الزينة، فإذا لم يجوز بأخفى الوجهين لم يجوز باظهرهما (احكام القرآن للجصاص ۳/۳۱۹) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۱۶ / رجب المرجب ۱۴۱۷ھ  
الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

### مرد اور عورت کا ساتھ میں نماز پڑھنا

**سوال:** عورت اور مرد کا ساتھ میں نماز یعنی پاس میں کھڑے ہو کر نماز الگ الگ پڑھنا کیسا ہے؟ چاہے محرم ہو، اور جماعت کر سکتا ہے مرد اپنی عورت یا ماں بہن کی نفل نماز کی؟

**الجواب:** حامداً ومصلياً ومسلماً

الگ الگ نماز دونوں پڑھ رہے ہیں تو درست ہے؛ بشرطیکہ وہ عورت اجنبیہ نہ ہو، محرم عورت کے ساتھ جماعت نفل نماز میں کر سکتا ہے اگر تداعی نہ ہو، اور محاذ اذہ بھی نہ ہو، اگر تداعی ہے تو مکروہ ہوگی، اور اگر محاذ اذہ ہے تو فاسد ہوگی۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری



## مزدور عورتوں کا مسجد میں نماز پڑھنا

**سوال:** ہمارے یہاں ایک ایسی جگہ ہے جہاں کافی ساری مسلم عورتیں کام کرتی ہیں اور وہ عورتیں کافی دور سے آتی ہیں نیز اس جگہ پر ایک مسجد بھی ہے جس کے دو حصے ہیں ایک اوپر کا اور ایک نیچے کا اور دو ہی دروازے ہیں ایک اوپر جانے کے لیے اور ایک نیچے جانے کے لیے اور مرد لوگ نیچے کے حصے میں نماز ادا کرتے ہیں اور نماز کے بعد ۲۰-۲۵ منٹ رکتے ہیں پھر مسجد خالی ہو جاتی ہے۔

دریافت طلب امر یہ ہے کہ یہ عورتیں صبح سے کام کے لیے آتی ہیں اور شام ہونے پر اپنے گھروں کو روانہ ہوتی ہیں ان پر تین نمازوں کا وقت گزرتا ہے لہذا یہ عورتیں مسجد کے اس حصے میں جس میں مرد نماز نہیں پڑھتے کیا بغیر جماعت کے اپنے اپنے طور پر نماز پڑھ سکتی ہیں یا نہیں جب کہ دروازہ بھی الگ ہے۔

**الجواب:** حامداً ومصلياً ومسلماً

قطع نظر اس سے کہ ان عورتوں کا دور دور سے ملازمت کے لیے اس طرح آنا شرعاً مفسد و مضرت پر مشتمل ہونے کی وجہ سے ممنوع و حرام ہے، ان کو مسجد میں بلا جماعت تنہا اپنی نماز پڑھنے کی اجازت دینا آئندہ بہت سارے مفسد و فتن (جو اہل افتاء پر مخفی نہیں) کا دروازہ کھولنا ہے، اس لیے جہاں پر وہ کام کرتی ہیں وہیں کوئی کمرہ ان کی نماز کے لیے مخصوص کر دیا جائے کہ اس میں وہ اپنی نماز ادا کرتی رہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

أما: العبد احمد عنی عنہ خانپوری، ۴ ربيع الاول ۱۴۲۳ھ

الجواب صحیح: عباس داود بسم اللہ

## عورتوں کا مسجد میں باجماعت نماز ادا کرنا

**سوال:** کیا مسجد کے اندر مردوں کے پیچھے عورتوں کا بلا حجاب جماعت کے ساتھ نماز پڑھنا جائز ہے یا نہیں؟

**الجواب:** حامداً ومصلياً ومسلماً

کتب فقہ میں اس کی تصریح ہے کہ عورتوں کے لیے جماعت اور عیدین میں جانا مکروہ تحریمی ہے، جو حرام کے قریب ہے۔ (کفایت المفتی: ۳۹۱/۵)

اس موضوع پر حضرت مفتی کفایت اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ (مفتی اعظم ہند) کا ایک تفصیلی فتویٰ بصورت رسالہ کفایت المفتی کی پانچویں جلد میں (از ۳۹۱ تا ۴۳۱) موجود ہے، اس کا مطالعہ انشاء اللہ تعالیٰ مفید ثابت ہوگا۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۲۷ شوال المکرم ۱۴۱۳ھ

## باب الدعاء

### فرض نماز کے بعد دعا کا ثبوت

**سوال:** ایک امام صاحب نماز پڑھاتے ہیں اور بعد از سلام من الصلوٰۃ عموماً دعا مانگتے ہیں مگر گاہ بہ گاہ بدون دعا مصلے چھوڑ کر چلے جاتے ہیں اور سنت وغیرہ میں مشغول ہو جاتے ہیں، اب کوئی مقتدی اس حرکت پر نکیر کرے اور امام صاحب سے کہے کہ دعا کیوں نہیں مانگتے ہیں؟ کیا اس طرح اس عمل پر شریعت مطہرہ نکتہ چینی کی

اجازت دیتی ہے، جب کہ امام صاحب نے شرعاً بظاہر کوئی برا نہیں کیا۔ کیوں کی فقہ کی کتب درسیات میں سے کسی کتاب میں بھی یہ بات نہیں ملتی کہ امام نماز سے فراغت کے بعد دعا مانگے۔ جب کہ باب صفة الصلوة کے عنوان کے تحت اختتام صلوة کے حق میں اتنی سی بات ملتی ہے کہ سلام پھیر دے اور اس سلام کے وقت فلاں فلاں کی نیت کرے، نیز مشکوٰۃ شریف کے حاشیہ میں مندرجہ ذیل عبارت موجود ہے۔

”فالمختار أنه يقوم من غير لبث إن كان في صلوة بعد تطوع و كذلك الامام و قال علماؤنا إذا سلم الامام من الظهر والمغرب والعشاء كره له المكث قاعدا فان شاء ان يصلي تطوعا لم يصل في مكانه بل يتأخر و يصلي خلف القوم أو حيث أحب من الصلوة خلا مكان إمامته أو ينصرف يمنة أو يسرة و إن شاء رجع في بيته بتطوع“

عبارت بالا سے یہی بات معلوم ہوتی ہے کہ امام صاحب بعد التسلیم من الصلوة تبدیل مکان کر لے اور نفل میں مشغول ہو جائے نیز اختیار شرح المختار میں نیچے کی عبارت موجود ہے: کل صلوة بعده سنة يكره التعوذ بعدها و الدعاء بل يشتغل بالسنة عبارت مذکورہ بالا سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ بعد از تسلیم فی الفور سنت میں مشغول ہو ہاں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت میں مختصر سی دعا آئی ہے اللھم انت السلام الحدیث اس حدیث کو سامنے رکھتے ہوئے یہی کہا جاسکتا ہے کہ فرض اور نفل کے درمیان فصل ہونی چاہیے۔ تو فصل کی دو صورت ہو سکتی ہیں: ایک زمانی ایک مکانی، زمانی فصل بذریعہ دعا ہو جاتی ہے۔ اور مکانی فصل تبدیل مکان ہو جائے، بہر حال امام صاحب کوئی برا تو نہیں کرتے یا شرع کے خلاف نہیں کرتے کہ مقتدی

انگشت نمائی کرنے لگیں۔ اور یہ عمل اگر مدرسہ میں ہو تو یہاں کوئی سوال ہی نہیں کہ بچے تعلیم ہی کے لیے آتے ہیں اور تعلیم کی یہ عملی صورت ہے اور عدم تنبیہ کی صورت میں سوال کے بعد بتا دیا جائے گا نہ کہ عملی تعلیم پر نکیہ کی جائے گی۔ رہا اسلاف کا عمل تو ہمارے سامنے کتب درسیات موجود ہیں، نیز ہمارے اسلاف تو کوسوں دور رہتے تو دعا کی بات ان کی طرف سے کہاں سے آئے گی۔ ہاں دعائیں حدیث میں وارد ہیں وہ دعا پر ابھارنا ہے نہ کہ امام صاحب کو دعاما نگنے کے لیے کہا گیا ہے۔ نیز اسلاف کا عمل کیا حجت بن سکتا ہے؟ بہر حال ہم تو یہی سمجھتے ہیں کہ امام صاحب کا عمل شرع متین کے خلاف نہیں کہ مقتدی کو اس پر نکیہ کی گنجائش ہو۔ بینوا بالدلائل القویة و توجرو الایار الجزیلة۔

**الجواب:** حامداً ومصلياً ومسلماً

حضرت مولانا مفتی محمد کفایت اللہ دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کا ایک مستقل رسالہ ”النفائس المرغوبہ فی حکم الدعاء بعد المكتوبہ“ نامی موجود ہے اس میں حضرت مفتی اعظم صاحب نے تین امور پر تفصیلی کلام کیا ہے۔ ① سنتوں، نقلوں کے بعد لوگوں کا اجتماعی طور پر دعا کرنا ثابت ہے یا نہیں؟ ② فرضوں کے بعد دعا کس قدر جائز اور ثابت ہے؟ ③ فرضوں کے بعد سنتوں سے پہلے دعاما نگنے کا احادیث وفقہ سے ثبوت ہے یا نہیں؟ حضرت مفتی صاحب کے مجموعہ فتاویٰ ”کفایت المفتی“ کی جلد سوم از ص ۳۰۸ تا ص ۳۲۸ میں اس کا بقدر ضرورت حصہ موجود ہے۔

دوسرے نمبر پر بحث شروع فرماتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں: اس بارے میں

احادیث و فقہ سے اس امر کی شہادت ملتی ہے کہ فرائض کے بعد دعا مانگنے کا طریقہ نہ صرف جائز بلکہ افضل ہے۔ (ص ۳۱۳)

اس کے بعد حضرت مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے احادیث پیش فرما کر ان احادیث سے ثابت شدہ امور نمبر وار ذکر کرنے کے بعد تحریر فرمایا ہے ”الحاصل ان تمام روایات سے یہ بات نہایت صراحت کے ساتھ ثابت ہو گئی کہ فرائض کے بعد دعا مانگنا آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا طریقہ اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت ہے اور اس کی مقبولیت کی امید بھی زیادہ ہے۔ اور یہ کہ اللھم انت السلام الخ سے کسی قدر زیادہ مقدار کی دعا مانگنا بھی جائز ہے۔ اور خود سرور کونین، شفیع المذنبین صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے۔“ (ص ۳۱۷)

اس کے اس سلسلہ کی فقہی روایات پیش فرما کر تحریر فرماتے ہیں، ”الحاصل یہ روایات فقہیہ ہیں جن سے صراحتاً ثابت ہوتا ہے کہ فرض نماز کے بعد امام اور مقتدی سب مل کر دعا مانگیں اور دعا سے فارغ ہو کر ہاتھ منھ پر پھیریں۔“ (ص ۳۱۹)

آپ نے حاشیہ مشکوٰۃ سے جو عبارت نقل فرمائی ہے اس سے دعا بعد الصلوٰۃ کی ممانعت مقصود نہیں ہے، بلکہ یہ امام کے لیے تبدیل ہیئت کا مسئلہ ہے۔ جس کا حاصل یہ ہے کہ اپنی ہیئت تبدیل کر لے تا کہ نو وارد کو بقاء جماعت کا اشتباہ نہ ہو۔ چنانچہ علامہ کاسانی رحمۃ اللہ علیہ نے بدائع الصنائع (۱/۱۶۰) میں اس پر تفصیلی گفتگو فرمائی ہے اور اس میں تمام روایات حدیث پر بھی بحث موجود ہے۔

جن فرض نمازوں کے بعد سنن رواتب مشروع ہیں ان میں فرائض کے بعد طویل ذکر و دعا مانگنے کے لیے بیٹھنا بلا کراہت درست ہے یا نہیں؟ اس سلسلہ میں فقہ حنفی کی بعض کتابوں سے جواز بلا کراہت معلوم ہوتا ہے اگر وہ ماثر رہوں، بعض سے

کراہت معلوم ہوتی ہے۔ آپ نے اختیار شرح مختار کی جو عبارت نقل فرمائی ہے اس کا تعلق اسی مسئلہ سے ہے چنانچہ مفتی اعظم مفتی کفایت اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے اس بحث کو بھی تشنہ نہیں چھوڑا۔ ص ۳۲۲ تا ص ۳۲۸ اس پر تفصیلی گفتگو فرمائی ہے۔ آخر میں فرماتے ہیں:

”یہ بھی بتا دینا ضروری ہے کہ یہ کلام انہیں فرائض کے بعد دعا مانگنے کے متعلق ہے جن کے بعد سنتیں ہیں اور جن فرائض کے بعد سنتیں نہیں ہیں ان کے بعد دعا اور ذکر طویل اتفاقاً جائز ہے۔ نیز یہ بھی معلوم کرنا چاہیے کہ فقہاء نے ادعیہ طویلہ کو جو مکروہ کہا ہے اس کراہت سے مراد بھی کراہت تنزیہی ہے جس کا مرجع خلاف اولیٰ ہے۔“

آخر میں خلاصہ بحث لکھا ہے: ”الحاصل احادیث صحیحہ اور روایات فقہیہ سے نہایت واضح طور پر یہ بات ثابت ہوگئی کہ فرائض کے بعد سنتوں سے پہلے دعا مانگنا اور ادعیہ ماثورہ کی مقدار تک دعائیں پڑھنا اور ذکر کرنا بلا کراہت جائز ہے۔ بلکہ اس وقت دعا مانگنا افضل ہے اور اس دعا میں مقبولیت کی زیادہ امید ہے۔ (ص ۳۲۹) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔“

کتبہ: العبد احمد غنی عنہ خانپوری، ۴ / رجب المرجب ۱۴۱۳ھ  
الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عنہ

## فرض نماز کے بعد دعا کرنا

**سوال:** باعث تحریر ایں کہ چند دنوں قبل ایک استفتاء روانہ کیا تھا شکر یہ بصد شکر یہ کہ جواب بھی مل گیا اور گستاخی معاف فرمائیں کہ اصل سوال کا جواب نہیں مرقوم

ہے۔ دعا کے فضائل اور بعد از مکتوبہ قبولیت دعا پر کوئی کلام نہیں ہے۔ بلکہ اصل سوال یہ ہے کہ امام صاحب لوگوں کو نماز پڑھا کر کبھی کبھی بلا دعا مانگے مصلیٰ سے ہٹ کر سنت میں مشغول ہو جاتے ہیں یا اپنے حجرہ میں جا کر سنت میں مشغول ہو جاتے ہیں تو کیا اس عمل پر کسی مصلیٰ کو شریعت مطہرہ نکیر کی گنجائش دیتی ہے کہ وہ امام سے کہے کہ آپ دعا کیوں نہیں مانگتے؟

الجواب: حامداً ومصلياً ومسلماً

چوں کہ آپ نے اپنے سابق استفتاء میں حاشیہ مشکوٰۃ شریف اور الاختیار شرح المختار کے حوالہ سے دو عبارتیں بھی نقل فرمائی تھیں جن سے مترشح ہوتا تھا کہ ان عبارتوں کے مصداق کے تعیین میں آپ کو غلط فہمی ہوئی ہے۔ ساتھ ہی آپ نے یہ بھی تحریر فرمایا تھا کہ فقہ کی کتب درسیات میں سے کسی میں بھی یہ بات نہیں ملتی کہ امام نماز سے فراغت کے بعد دعا مانگے۔ اس سے بھی ایسا معلوم ہوتا تھا کہ آپ یہ سمجھ رہے ہیں کہ کتب فقہ میں فقہاء کے یہاں ایسی کوئی تصریح موجود نہیں ہے۔ اسی لیے آپ کو مفتی اعظم مفتی کفایت اللہ صاحب رحمہ اللہ کے رسالہ کا حوالہ اور ساتھ ہی کفایت المفتی سے چند اقتباسات نقل کر کے بھیجے تھے۔ اس لیے آپ کو اس بات کا ثبوت فراہم کرنا مقصود تھا۔ یہ یاد رہے کہ ان روایات حدیث و فقہ سے صرف فضائل بیان کرنا مقصود نہیں بلکہ ثبوت بھی مقصود ہے۔ اب جب کہ ایک عمل کا افضل و مستحب ہونا ثابت ہوا ہے تو امام کو چاہیے کہ بوقت امامت نماز کے تمام آداب و مستحبات کی بھی رعایت کرے۔ ظاہر ہے کہ ایک شخص کسی دینی مدرسہ میں بوقت امامت ان کی رعایت نہیں کرے گا تو طلبہ کو اس کی

تعلیم و تربیت کیسے حاصل ہوگی؟ اس لیے اگر ذمہ دار نے بغرض تعلیم ایسا کیا ہے تو اس کی اجازت ہے فقہاء نے ترک مستحب کے خلاف اولیٰ ہونے کی تصریح فرمائی ہے۔

(شامی ۱/۳۸۳)

اس لیے آپ بھی اس مسئلہ کو موضوع نزاع نہ بنائیں۔ اور تنبیہ کی گئی ہے تو اس سے برانہ مانعے اور اگر انہوں نے اس سلسلہ میں حدود سے تجاوز کیا ہے تو ان کو یہ جواب بتلا کر نزاع ختم کیجیے۔ ایسے امور کو موضوع نزاع بنانا علماء کی شان نہیں ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عنی عنہ خانپوری، ۲۵/ رجب المرجب ۱۴۱۲ھ

## پنج وقتہ نماز کے بعد دعا کا ثبوت

**سوال:** کیا پانچوں نماز کے بعد ہاتھ اٹھا کر دعا کرنا کسی حدیث سے ثابت ہے؟ ہماری مسجد کے چند ائمہ تو بالکل دعا کرتے نہیں اور ہمیں بدعتی قرار دیتے ہیں، یہ لوگ محض احادیث کو بطور جواب قبول کریں گے۔

**الجواب:** حامداً ومصلياً ومسلماً

آپ نے اپنے جن چند ائمہ کا عمل ذکر کیا ہے وہ حضرات ابن قیم کی اس عبارت اور کلام سے جو انہوں نے ”زاد المعاد“ میں کیا ہے استدلال کرتے ہیں، جس میں انہوں نے نماز کے بعد مطلقاً دعا سے انکار کیا ہے، حافظ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ نے ”فتح الباری شرح بخاری“ میں اس پر تفصیلی کلام کرتے ہوئے پنج وقتہ نماز کے بعد دعا کے ثبوت میں احادیث ذکر فرمائی ہیں، ”کتاب الدعوات، باب الدعاء بعد



الصلوة“ میں ملاحظہ فرمائیں۔ اس موضوع پر شیخ عبدالفتاح ابو عنده رحمۃ اللہ علیہ کی تحقیق سے ایک کتاب شائع ہوئی ہے جو تین رسائل کا مجموعہ ہے: ”ثلاث رسائل فی استحباب الدعاء و رفع الیدین فیہ بعد الصلوة المكتوبة“ اس کا مطالعہ بھی انشاء اللہ تعالیٰ مفید ثابت ہوگا۔

در اصل یہ مسئلہ ایسا نہیں ہے کہ اس مختصر جواب میں اس پر تفصیلی کلام کیا جائے، مفتی اعظم حضرت مولانا مفتی محمد کفایت اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا ایک رسالہ اردو میں بنام ”النفائس المرغوبة“ بھی ہے اس میں بھی چند احادیث درج فرمائی ہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

## فجر وعصر کے بعد دعا کا ثبوت

**سوال:** عصر اور فجر کے بعد امام اور مقتدی بیٹھتے اور دعا کرتے ہیں، تو کیا اس کا ثبوت ہے؟ اگر ثبوت ہے تو اس میں کونسی دعائیں پڑھنی چاہیے؟

**الجواب:** حامداً ومصلياً ومسلماً

نماز کے بعد تسبیح، تہجد اور تکبیر کے بعد دعا کرنا مستحب ہے۔

و يسبحون الله تعالى ثلاثا وثلاثين، ويحمدونه كذلك، ويكبرونه كذلك، إلى قوله: ثم يدعون لأنفسهم وللمسلمين بالأدعية الماثورة  
الجامعة رافعي أيدىهم الخ (فتاویٰ محمودیہ ۷/۱۳۵)

عبارت بالا سے یہ بھی معلوم ہوا کہ قرآن وحدیث میں وارد جامع دعائیں مانگنی

چاہیے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۱۶/شوال ۱۴۱۷ھ

## مغرب کی نماز سے پہلے دعا کا ثبوت

**سوال:** ہم لوگ حضرت نظام الدین بنگلہ والی مسجد میں بیٹھے تھے، ایک مولوی صاحب نے دوسرے مولوی صاحب سے کہا کہ بھائی مغرب کا وقت ہے دعا کرو، تو وہ مولوی صاحب کہنے لگے مغرب کے وقت دعا کرنا درست نہیں، اور یہ مسئلہ مجھے ابھی ابھی معلوم ہوا ہے، تو مغرب کے وقت دعا کرنا درست ہے یا نہیں؟

**الجواب:** حامداً ومصلياً ومسلماً

شریعتِ مطہرہ نے دعا کے لیے کسی بھی وقت میں پابندی عائد نہیں فرمائی، اس لیے یہ کہنا کہ مغرب کے وقت دعا کرنا درست نہیں، صحیح نہیں ہے، مشکوٰۃ شریف میں سنن ابوداؤد کے حوالے سے حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کی یہ روایت نقل کی گئی ہے، فرماتی ہیں کہ مجھے نبی کریم ﷺ نے سکھلایا کہ مغرب کی اذان کے وقت یہ کلمات کہو:

”اللہم هذا اقبال ليلك وادبار نهارك واصوات دعائك فاغفر لي“

(مشکوٰۃ: ۶۶، ۶۷)

حاشیہ ۲/ میں مرقات کے حوالے سے لکھا ہے: فاغفر لي ای بحق هذا الوقت الشريف والصوت المنيف اس سے تو دعا کا ثبوت ملتا ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

## فجر اور عصر کے بعد مقتدیوں کی طرف منہ کر کے دعا کرنا

**سوال:** امام فجر اور عصر کی نماز کے بعد کبھی تو فوراً مقتدیوں کی طرف منہ کر کے تسبیحات اور دعا کرتا ہے، اور کبھی تسبیحات کو قبلہ رو ہو کر پڑھتا ہے، اور دعا مقتدیوں کی طرف متوجہ ہو کر کرتا ہے، تو یہ دوسری صورت مکروہ تو نہیں؟

**الجواب:** حامداً ومصلياً ومسلماً

سلام کے بعد فوراً دائیں بائیں یا مقتدیوں کی طرف رخ پھیر لینا چاہیے؛ البتہ جن کلمات کے متعلق حدیث میں یہ تصریح ہے کہ قعدہ کی ہیئت پر بیٹھ کر پڑھے اس میں اسی طرح پڑھے مثلاً مغرب اور فجر میں چہارم کلمہ۔ (کفایت المفتی) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔  
کتبہ: العبد احمد عنی عنہ خانپوری

## فرض نماز کے بعد اجتماعی طور پر ہاتھ اٹھا کر دعا مانگنا

**سوال:** بعد نماز فرض کے جو امام اجتماعی دعا کرتا ہے کیا یہ مسنون نہیں ہے؟ غیر مقلدین کا کہنا ہے کہ فرض نماز کے بعد امام صرف سلام پھیر کر اپنی جگہ سے اٹھ جائے، بقیہ لوگ اپنی اپنی دعا کر لیں اور یہ لوگ دلیل اس کی یہ پیش کرتے ہیں کہ اگر یہ فعل صحیح و سنت ہوتا تو حرمین شریفین میں اور دیگر مساجد عرب میں بھی امام خود ہی کراتا؛ لہذا یہ فعل خود ہمارے یہاں ہندوستان میں رائج ہے، یعنی امام کا بعد فرض نماز کے اجتماعی دعا کرنا یہ غلط ہی نہیں؛ بلکہ بدعت ہے۔ لہذا خدمتِ عالی میں گزارش ہے کہ صحیح، اطمینان بخش جواب مرحمت فرما کر ممنون و مشکور فرمائیں۔

الجواب: حامداً ومصلياً ومسلماً

فرض نمازوں کے بعد اجتماعی طور پر ہاتھ اٹھا کر دعا مانگنے کی مشروعیت پر عربی واردوں میں کئی رسالے لکھے گئے ہیں، ابھی ابھی ایک رسالہ مولانا مفتی شمس الدین نور کا بنام ”التحفة المطلوبة في استحباب رفع اليدين في الدعاء بعد المكتوبة“ نامی طبع ہوا ہے جس میں سابقہ تمام رسائل اور اس موضوع سے متعلق دیگر تحریرات کا خلاصہ بہت عمدہ طریقہ سے ایک خاص ترتیب سے پیش کیا گیا ہے، اس کا مطالعہ فرمائیں، ان شاء اللہ کافی وشافی ہوگا۔ رسالہ مذکورہ کے ص: ۷۱۳ پر ہے کہ: غیر مقلدین کے پیشوا علامہ مبارک پوری فرماتے ہیں: ہمارے زمانہ کے علمائے اہل حدیث (غیر مقلدین) نے فرائض کے بعد مصللاً ہاتھ اٹھا کر دعا مانگنے کے جواز و عدم جواز میں اختلاف کیا ہے، بعض نے جواز کا قول اختیار کیا ہے اور بعض نے اس طرح کی اجتماعی دعا برفیع الیدین کو بدعت کہا ہے؛ لیکن (بقول علامہ مبارک پوری) حق قائلین جواز کے ساتھ ہے، جس کا استدلال تین طرح ہے:

اول استدلال: پانچ احادیث سے ہے:

- ① حدیث ابی ہریرۃ: أن رسول الله ﷺ رفع يديه بعد ما سلم وهو مستقبل القبلة. الحدیث ② حضرت عبداللہ بن زبیر کی روایت: قال: أن رسول الله ﷺ لم يكن يرفع يديه حتى يفرغ من صلوته. الحدیث ③ حضرت انس بن مالک کی حدیث: قال النبي ﷺ: ما من عبد يبسط كفيه دبر كل صلوة يقول. الحدیث ④ حضرت یزید بن الاسود العامری کی حدیث: صلیت مع رسول الله ﷺ الفجر فلما سلم انخرف ورفع يديه ودعا. الحدیث

۵) حضرت فضل بن عباس رضی اللہ عنہ کی حدیث: ثم تقنع يديك أي ترفعهما إلى ربك مستقبلا ببطونهما وجهك وتقول: يارب يارب. الحدیث۔  
یہ تمام احادیث تخریجات اور فوائد حدیث کے ساتھ پیچھے گزر چکی ہیں، یہاں صرف اشارہ کر دیا گیا ہے۔

استدلال دوم: نیز قائلین جواز رفع یدین فی الدعاء کی عمومی احادیث سے بھی استدلال کرتے ہیں: ① چنانچہ یہ ثابت شدہ حقیقت ہے کہ فرائض کے بعد دعا مانگنا مستحب ہے کیوں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے فرائض کے بعد دعائیں مانگنا ثابت ہے، کما مر ② یہ بھی مسلم حقیقت ہے کہ دعا کے لیے ہاتھ اٹھانا آداب دعائیں سے ہے؛ کیوں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے بے شمار قولی و فعلی احادیث سے عمومی دعاؤں میں ہاتھ اٹھانا ثابت ہے۔ ③ اور یہ بھی حقیقت ہے کہ فرائض کے بعد دعاؤں میں ہاتھ اٹھانے پر کسی حدیث یا اثر صحابی میں ممانعت ثابت نہیں ہے، پس ان تمام مذکورہ بالا امور کے ثبوت اور دلیل ممانعت کے عدم ثبوت پر نتیجہ یہی نکلا کہ فرائض کے بعد دعاؤں میں ہاتھ اٹھانا مستحب ہے اور بہترین آداب دعائیں سے ہے، اس کو بدعت یا مکروہ کہنا صحیح نہیں؛ کیوں کہ ممانعت کی کوئی دلیل موجود نہیں۔

استدلال سوم: نیز قائلین جواز نے صحیح بخاری کی ذیل کی حدیث انس رضی اللہ عنہ سے بھی استدلال کیا ہے:

وعن أنس بن مالك قال: أتى رجل أعرابي من أهل البدو إلى رسول الله ﷺ يوم الجمعة، فقال: يا رسول الله! هلكت الماشية، هلك العيال، هلك الناس فرفع رسول الله ﷺ يديه يدعوهم ورفع الناس أيديهم مع

رسول اللہ ﷺ، قال: فما خرجنا من المسجد حتى مطرنا، فما زلنا نمطر حتى كانت الجمعة الأخرى، فأتى الرجل إلى رسول الله ﷺ فقال: يا رسول الله! بشق المسافر ومنع الطريق. (صحيح بخاری ۱۰/۱)

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ دیہاتی لوگوں میں سے ایک جوان بدوی جمعہ کے روز آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا، پس کہنے لگا: یا رسول اللہ! جانور ہلاک ہونے لگے، خاندان اجڑ گئے، لوگ ہلاک ہو رہے ہیں: (اللہ تعالیٰ سے بارانِ رحمت کے لیے دعا کیجیے؛ تاکہ یہ قحط سالی دور ہو جائے) چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے اپنے دونوں ہاتھ اٹھائے، آپ ﷺ دعا فرما رہے ہیں اور تمام لوگوں نے بھی آپ کے ساتھ ہاتھ اٹھائے (دعا مانگنے میں شریک ہوئے) راوی حضرت انس رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ: ہم مسجد سے نکلنے نہ پائے تھے کہ موسلا دھار بارش برس رہی تھی، بارش کا یہ سلسلہ آئندہ دوسرے جمعہ تک برابر جاری رہا، دوسرے جمعہ کو وہی شخص آپ ﷺ کے پاس پھر آیا، کہنے لگا: یا رسول اللہ! مسافر پھنس گئے اور راستے (بارش کا پانی جمع ہونے کی وجہ سے) مسدود ہو گئے۔

علامہ مبارکپوری فرماتے ہیں کہ: یہاں اس واقعہ میں جس طرح آپ ﷺ نے ہاتھ اٹھا کر طلبِ باران کے لیے دعا مانگی دیگر مواقع پر بھی (اجتماعی یا انفرادی) دعاؤں میں اسی طرح ہاتھ اٹھا کر دعا مانگنا درست ہے؛ کیوں کہ اس حدیث بخاری میں ایسا کوئی اشارہ موجود نہیں ہے کہ جس سے معلوم ہو کہ اس طرح اجتماعاً ہاتھ اٹھا کر دعا مانگنا صرف اسی واقعہ استسقاء (طلبِ بارانِ رحمت) کے ساتھ خاص ہے، چنانچہ اسی لیے امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنی صحیح بخاری ”کتاب الدعوات“ کے ”باب رفع

الأیدی فی الدعاء“ کے تحت ہر قسم کی دعاؤں میں رفع یدین کے استحباب پر اس حدیث انس سے استدلال کیا ہے۔ نیز علامہ مبارکپوری آخر میں اپنا رجحان بتلاتے ہیں جس کو مسلک اہل حدیث کی ترجمانی سمجھنی چاہیے۔

قلت: القول الراجح عندي أن رفع اليدين في الدعاء بعد الصلوة جائز، لو فعله أحد لا بأس عليه إن شاء الله تعالى. (تحفة الاحوذی ۱/ ۱۷۳) (التحفة المطلوبة: ۱۳۷-۱۴۲) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

العبد احمد خانپوری، ۶/ محرم الحرام ۱۴۲۲ھ

## نماز کے بعد امام کا رخ کس طرف ہو؟

**سوال:** جب مسجد میں سب لوگ فرض نماز ادا کر کے دعا کے لیے ہاتھ اٹھاتے ہیں، اور مولوی صاحب اس وقت اپنا منہ لوگوں یا جماعت کی طرف کرتے ہیں۔

**الجواب:** حامداً ومصلياً ومسلماً

وہ فرض نماز جس میں فرائض کے بعد سنن نہیں ہیں، (یعنی فجر وعصر) ان میں امام کے لیے افضل یہ ہے کہ سلام پھیرنے کے بعد اپنی ہیئت تبدیل کر کے دائیں یا بائیں یا لوگوں کی طرف منہ کر لے، یہ اس لیے کہ مسجد میں آنے والے نئے مصلیٰ کو یہ غلط فہمی نہ ہو کہ امام نماز میں ہے۔ (شامی ۱/ ۳۹۲) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: احمد عفی عنہ خانپوری، ۲۶/ ذوالقعدہ ۱۴۱۳ھ

## نماز کے بعد دعا سر آیا جہراً؟

**سوال:** زید ایک مسجد میں امامت کرتا ہے اور روزانہ ہر فرض نماز کے بعد زور سے

دعا مانگتا ہے، اور مقتدی آمین کہتے ہیں، بکر کا کہنا ہے کہ دعا مانگی جائے؛ مگر چپکے چپکے اور آہستہ آہستہ مانگی جائے تو سنت کے مطابق ہے، زید کا عمل صحیح ہے یا بکر کی بات صحیح ہے؟

**الجواب:** حامداً ومصلياً ومسلماً

دعا آہستہ مانگنا افضل ہے، اگر دعا کی تعلیم مقصود ہو تو بلند آواز سے بھی مضائقہ نہیں؛ مگر اس بلند آواز سے دوسرے نمازیوں کی نماز میں خلل نہ ہو۔ (فتاویٰ محمودیہ ۲/۷۳)

فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۱۲/ رجب المرجب ۱۴۱۱ھ

## فرض نماز کے بعد دعا کی مقدار

**سوال:** فرض نمازوں کے بعد سنتیں کتنی دیر کے بعد پڑھ سکتے ہیں؟ جب کہ کتب فقہ میں لکھا گیا ہے کہ ”اللهم أنت السلام الخ“ تک تاخیر کی جاسکتی ہے، اس سے زیادہ تاخیر کرنا خلاف سنت اور مکروہ تنزیہی ہے؛ مگر ہم نے سنا ہے کہ فرض نماز کے بعد ”اللهم أنت السلام الخ“ کے بقدر کم سے کم وقفہ کر سکتے ہیں، اور زیادہ سے زیادہ دو خفیف رکعتوں کے بقدر تاخیر کر سکتے ہیں، اس سے زیادہ خلاف سنت ہے۔ کیا خط کشیدہ مسئلہ صحیح ہے یا نہیں؟ اگر درست ہے تو حوالہ کے ساتھ جواب مرحمت فرمائیں؛ نیز مدرسہ میں طلباء سے تسبیح فاطمہ کا اہتمام بعد نماز فرض قبل السنن کراتے ہیں پھر سنتیں ادا کرواتے ہیں، یہ کہاں تک صحیح ہے؟ یہ عمل خلاف سنت تو نہیں ہے؟ حالاں کہ اس میں اتنی تاخیر نہیں لگتی کہ اتنی دیر میں دو خفیف رکعتیں پڑھ لے، طلباء سے یہ اہتمام عادت ڈلوانے کے لیے ہے اور آزاد چھوڑنے پر پھر اہتمام



نہیں کرتے؛ لہذا اب اس بارے میں مفصل جواب مع حوالہ عنایت فرمائیں؛ نیز اس بات کا بھی جواب دیں کہ حدیث میں آتا ہے کہ گھر پر سنتیں ادا کرنا افضل ہے؛ حالاں کہ اس فضیلت کو حاصل کرنے میں سنتیں و فرائض کے درمیان خوب تاخیر ہو سکتی ہے؛ مثلاً کسی کا مکان مسجد سے دور ہے۔

**الجواب:** حامداً ومصلياً ومسلماً

روایاتِ صحیحہ کثیرہ سے ثابت ہے کہ فرائض کے بعد ”اللهم أنت السلام الخ“ سے زائد مقدار کی دعائیں آں حضرت ﷺ نے پڑھی ہیں۔ (کفایت المفتی ۳/۲۸۷)

احادیثِ صحیحہ اور روایاتِ فقہیہ سے نہایت واضح طور پر یہ بات ثابت ہو گئی ہے کہ فرائض کے بعد سنتوں سے پہلے دعا مانگنا اور ادعیہ ماثورہ کی مقدار تک دعائیں پڑھنا اور ذکر کرنا بلا کراہت جائز ہے؛ بلکہ اس وقت دعا مانگنا افضل ہے، اور اس دعا میں مقبولیت کی زیادہ امید ہے۔ (کفایت المفتی ۳/۳۲۹)

نوٹ: اس موضوع پر حضرت مفتی محمد کفایت اللہ صاحب رحمہ اللہ علیہ (مفتی اعظم ہند) کا مستقل ایک رسالہ ”النفائس المرغوبة في حكم الدعاء بعد المكتوبة“ کے نام سے موجود ہے اس کا ضرور مطالعہ فرمائیں، اس مسئلہ کو مع مالہ و ما علیہ اس میں تفصیل سے تحریر فرما دیا ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۷/۸ ذوالقعدة ۱۴۱۶ھ

الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

## آلہ مکبر الصوت کے مسائل

### بلا ضرورت نماز میں مانک کا استعمال

**سوال:** (الف) اگر امام کی قراءت اور تکبیر انتقال کی آواز پہلی صف سے آخری صف تک بہ خوبی سنائی دے اور مقتدی حضرات کو ایک رکن سے دوسرے رکن میں جاتے ہوئے کسی قسم کی پریشانی نہ ہو تو ایسی حالت میں مانک (لاؤڈ اسپیکر یعنی مکبر الصوت) سے امام کا نماز پڑھانا کیسا ہے؟ نماز فاسد ہوگی یا نہ ہوگی؟ واضح رہے کہ صورت مذکورہ میں بلا وجہ نماز میں مانک کا استعمال ہو رہا ہے، بسا اوقات مانک سے نماز پڑھانے میں مانک کی خرابی کی وجہ سے گھوں گھوں اور ٹوں ٹوں کی آواز سنائی دیتی ہے، جس سے نماز میں خلل ہو کر نماز کا خشوع و خضوع جاتا رہتا ہے۔

**(ب)** نیز امام صاحب چھوٹا مانک اپنے کرتے میں یا قمیص میں لگاتے ہیں اور اس کا تار سینہ سے زمین تک لٹکتا رہتا ہے، جس سے تبدیلی رکن میں انتشار ذہنی ہوتا ہے اور سدل کے مشابہ بھی ہے، ان حالتوں میں مانک کا استعمال کیسا ہے؟

### **الجواب:** حامداً ومصلياً ومسلماً

**(الف)** بغیر مانک کے امام جب نماز پڑھا رہا ہو اس وقت اس کو قراءت وغیرہ میں جماعت کی ضرورت و حاجت کے مطابق جہر کرنا چاہیے، اس سے زیادہ جہر پسندیدہ نہیں ہے۔

درمختار میں ہے: ویجهر الإمام وجوباً بحسب الجماعة فإن زاد عليه

أساء (الدر علی هامش الشامیة / ۳۹۳)

تو پھر بلا ضرورت مانک کا استعمال خصوصاً جب کہ اس کی وجہ سے شور و شغب ہو کر نماز میں خلل واقع ہوتا ہے درست نہیں ہے، ان کا یہ فعل مکروہ ہے؛ البتہ اس کے باوجود فسادِ نماز کا حکم نہیں لگے گا۔

(ب) سدل کا تعلق لباس سے ہے اور تار کے لٹکنے سے انتشارِ ذہنی کا ہونا عادت و طبیعت پر ہے، اگر کسی امام کے لیے یہ انتشار کا باعث ہو تو اس کے لیے یہ لگانا درست نہیں ہے۔ بہر حال بلا ضرورتِ شرعی مانک کا استعمال درست نہیں ہے اور بوقتِ ضرورت حدود و قیود و شروط کی رعایت کے ساتھ گنجائش ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عنی عنہ خانپوری

## بلا ضرورت مانک کا استعمال

**سوال:** اگر کسی مسجد میں مانک استعمال ہوتا ہو اور اس مسجد میں بغیر مانک کے بھی مقتدیوں کو امام کی آواز آرام سے سنائی دیتی ہو، پھر بھی مانک کا استعمال ہوتا ہو تو شرعی کیا حکم ہے؟

**الجواب:** حامداً ومصلياً ومسلماً

صورتِ مسئلہ میں جب کہ امام کی آواز بغیر مانک کے بھی مقتدیوں تک پہنچ جاتی ہے نماز میں مانک کا استعمال کرنا شرعاً درست نہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

املأه: العبد احمد عنی عنہ خانپوری، ۱۶ / شوال

الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ

## نماز میں آلہ مکبر الصوت کا استعمال اور اس کی حفاظت کرنا

**سوال:** آلہ مکبر الصوت کہ اس کے ذریعہ تراویح و فرائض، واجبات نمازیں پڑھنا جائز ہے یا کہ نہیں؟ اور آج کل آلہ مکبر الصوت کی ایک جدید شکل ہے، وہ یہ ہے کہ آلہ مکبر الصوت بالکل چھوٹا سا بنایا ہوا جس کو لے کر امام اپنے گریبان یعنی بٹن کی جگہ آویزاں کرتا ہے اور اس کی وائر تکمیل اس کی مرکز مشین سے لے کر امام کے گلے تک لٹکی ہوئی رہتی ہے اور وہ وائر اور آلہ مکبر الصوت دونوں امام کی ہر حالت میں سجدہ، قومہ، رکوع، قیام، قعدہ ہر حال میں امام کے ساتھ چسپاں رہتا ہے، مستقل اس کی حفاظت کرنا پڑتی ہے، اس طرح کے آلہ مکبر الصوت کو نماز فرض و سنت، واجب کے لیے استعمال جائز ہے یا ناجائز ہے؟

ایک تو قدیمی شکل وہ ہے کہ آلہ مکبر الصوت کو اسٹیل لوہے کی سٹیج پر باندھ کر امام یا مقرر کے سامنے تقریباً دو ڈھائی فٹ رکھا جاتا ہے، جس کے جز سے امام کا کوئی تعلق نہیں ہوتا، یہ پرانا آلہ مکبر الصوت ہے، اس کا کیا حکم ہے؟

اور آج کل جو جدید آلہ مکبر الصوت ہے جو ہر حال میں اپنی ۲۰-۲۵ فٹ وائر کے ساتھ، یا کم از کم دس بارہ فٹ وائر کے ساتھ امام کے بغل و گریبان سے چسپاں رہتا ہے، اس کا استعمال کیسا ہے؟ کیا اس طرح ادا کردہ نماز واجب الاعدادہ ہے یا نہیں ہے؟ مع دلائل و حوالہ کے واضح فرمائیں، یہ مسئلہ بہت ہی الجھا ہوا ہے، عام طور پر مساجد میں اس کا استعمال کیا جا رہا ہے؛ جب کہ امام کو اس وقت اس آلہ مکبر الصوت کی طرف اپنی گردن جھکاتے ہوئے متوجہ رہنا پڑتا ہے، اور اس کی وجہ سے بسا اوقات بھول

بھی ہونے کا خدشہ رہتا ہے، یہاں پر اکثر علماء کی رائے اس کے ذریعہ نماز حرام ہونے کی ہے، بعض نااہل حضرات کہتے ہیں اس کا ہونا ضروری ہے، تفصیل مطلوب ہے۔

**الجواب:** حامداً ومصلياً ومسلماً

تکبیرات انتقال کی آواز تمام مقتدیوں تک برابر پہنچ جاتی ہے، تو اس آلہ کو ہرگز استعمال نہ کیا جائے اور اگر نہیں پہنچ پاتی ہے تو اس صورت میں معقول طریقہ سے مکبرین کا نظم ہو جاتا ہے، تو اس صورت میں بھی اس آلہ کو نماز میں استعمال نہ کریں اور اگر مکبرین کا معقول نظم نہیں ہو پاتا اور تکبیرات انتقال کی آواز تمام مقتدیوں تک برابر نہ پہنچ پانے کی وجہ سے نماز میں گڑبڑ ہو جاتی ہے، تو اس کے استعمال کی اجازت ہے اور نماز میں اس کے استعمال کی وجہ سے نماز فاسد نہیں ہوتی، چاہے جدید صورت ہو یا قدیم۔ جدید صورت میں اس کا مائیکروفون بذریعہ رکلیپ امام کے گریبان سے لگا دیا جاتا ہے، خود امام کو سنبھالنا نہیں پڑتا، اس میں امام کو اتنی توجہ بھی نہیں کرنی پڑتی، جتنی موسم سرما میں چادر اوڑھ کر نماز پڑھنے والوں کو چادر سنبھالنے میں کرنا پڑتی ہے، اس موضوع پر مستقل رسائل بھی لکھے گئے ہیں، ان کا مطالعہ کر لیا جائے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۱۳/ شوال ۱۴۱۰ھ

الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

## آلہ مکبر الصوت کا بقدر ضرورت استعمال

**سوال:** مختلف مقامات پر جمعہ اور عیدین وغیرہ کی نماز میں مانگ لگاتے ہیں،

جب کہ مانگ سے مقتدیوں کو آسانی ہوتی ہے، اور مانگ نہ رہنے سے اور مکبرین

کے رہنے کے باوجود مقتدی امام سے پیچھے رہ جاتے ہیں رکوع وغیرہ میں، دریافت طلب امر یہ ہے کہ کیا اسی آسانی مقتدی کو پیش نظر رکھتے ہوئے مانگ یا اس قسم کے بلند ہونے والے صوتیہ آلات کا استعمال کرنا از روئے شرع درست ہے؟

**الجواب:** حامداً ومصلياً ومسلماً

اگر امام کی تکبیرات انتقال کی آواز تمام مقتدیوں تک نہیں پہنچ پاتی، تو اس صورت میں اولیٰ اور اسلم طریق یہ ہے کہ ایک یا متعدد ایسے اشخاص کا انتخاب کیا جائے جو تکبیرات انتقال لوگوں تک پہنچائیں؛ لیکن اگر ایسا ممکن نہ ہو تو بوقت ضرورت بقدر ضرورت آلہ مکبر الصوت یعنی لاؤڈ اسپیکر کا استعمال درست ہے؛ لیکن بلا ضرورت یا زائد از ضرورت استعمال مکروہ ہوگا۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۱۷ / ذوالقعدة الحرام ۱۴۱۲ھ

الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

## متفرقات صلاۃ

بے نمازی کے متعلق شیخ العثیمین کا فتویٰ شریعت کی نظر میں

**سوال:** شیخ محمد بن صالح العثیمین کا ایک فتویٰ ہے اس کے متعلق ہمارے علمائے

کیا رائے ہے؟

بے نمازی کے لیے شرعی حکم:

**سوال:** ایک آدمی اپنے گھر والوں کو نماز کا حکم دیتا ہے؛ لیکن وہ نہیں مانتے، آیا وہ

ان کے ساتھ رہے یا گھر چھوڑ کر چلا جائے؟

جواب: اگر اس کے گھر والے بالکل نماز نہیں پڑھتے تو وہ کافر ہیں، مرتد اور اسلام سے خارج ہیں، ان کے ساتھ رہائش رکھنا جائز نہیں؛ البتہ اس پر فرض عائد ہوتا ہے کہ ان کو دعوت دیتا رہے، بار بار اور اصرار سے کہتا رہے، کچھ بعید نہیں کہ اللہ انہیں ہدایت عطا فرمادے۔ حقیقت یہ ہے کہ نماز کا تارک کافر ہے، قرآن کریم، سنت رسول اللہ ﷺ اور صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کا فتویٰ اس کی دلیل ہے، علاوہ ازیں عقل سلیم کا بھی یہی تقاضا ہے۔

قرآن کریم نے مشرکوں کے بارے میں فرمایا: ﴿فَإِنْ تَابُوا وَأَقَامُوا الصَّلَاةَ وَآتُوا الزَّكَاةَ فَإِخْوَانُكُمْ فِي الدِّينِ وَنَفَصَلِ الْآيَاتِ لِقَوْمٍ يَعْلَمُونَ﴾ (البقرة: ۱۷۷) پس اگر یہ توبہ کر لیں اور نماز قائم کریں اور زکوٰۃ دیں تو تمہارے دینی بھائی ہیں۔ آیت کے مفہوم میں یہ بات از خود شامل ہے کہ اگر وہ ایسا نہ کریں تو تمہارے دینی بھائی نہیں۔ واضح رہے کہ گناہ چاہے کتنا ہی بڑا ہو اس کی وجہ سے دینی بھائی چارے کی نفی نہیں کی جاسکتی؛ البتہ اسلام سے خارج ہونے کی صورت میں ہی دینی بھائی چارہ ختم ہوتا ہے۔

حدیث میں رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے: بین الرجل وبين الكفر والشرك ترك الصلاة (صحیح مسلم) کفر وشرک اور بندے کے درمیان نماز کا معاملہ حائل ہے۔ حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ کی روایت کردہ حدیث میں آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: العهد الذي بيننا وبينهم الصلاة، فمن تركها فقد كفر (سنن الترمذی و سنن النسائی) ہمارے اور کافروں کے درمیان اصل فرق نماز کا ہے،

جس نے نماز چھوڑ دی اس نے کفر کیا۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سے حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کا قول ہے: لاحظ فی الإسلام لمن ترك الصلاة (موطا امام مالک) جس نے نماز چھوڑ دی اس کا اسلام میں ذرا بھی حصہ نہیں۔

حضرت عبداللہ بن شقیق رضی اللہ عنہ کا قول ہے کہ: نماز کے علاوہ کسی کام کے چھوڑنے کو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کفر شمار نہیں کرتے تھے۔ (سنن الترمذی)

عقل سلیم سے پوچھیے! کہ اگر ایک آدمی کے دل میں رائی کے دانے جتنا ایمان ہو، اسے نماز کی اہمیت کا بھی علم ہو، یہ بھی خبر ہو کہ اللہ تعالیٰ نے اس کی سخت تاکید کی ہے، پھر کیا عقل سلیم یہ بات تسلیم کرتی ہے کہ وہ آدمی مسلسل نماز کا تارک ہو سکتا ہے! سیدھی سی بات ہے کہ ایسا ناممکن ہے۔

جو لوگ تارک نماز کو کافر قرار دینے سے انکار کرتے ہیں ان کے دلائل پر میں نے غور کیا ہے، ان کے تمام دلائل چار شکلوں میں منحصر ہیں:

① ان کی بات میں دلیل والی کوئی وجہ ہی نہیں۔

② ان کی دلیل کسی ایسی صفت کے ساتھ مقید ہے کہ اس کے ساتھ ترک نماز ممکن ہی نہیں۔

③ ایسی صورت حال درپیش ہے کہ نماز چھوڑنے والا معذور قرار پاتا ہے۔

④ ان کی دلیل عمومی ہے، تارک نماز کو کافر قرار دینے والی احادیث سے اس کی تخصیص ہو جاتی ہے۔

جب یہ بات واضح ہو گئی کہ نماز کا تارک کافر ہے، تو اس پر مرتد والے احکام



نافذ ہوں گے، کسی نص (قرآن پاک کی آیت یا صحیح حدیث) میں یہ نہیں آیا ہے کہ نماز کا تارک مسلمان شمار ہو سکتا ہے، یا وہ جنت میں جائے گا، یا جہنم کی آگ سے بچ سکے گا، یا اس طرح کی کوئی اور دلیل موجود ہو جس کی وجہ سے تارک نماز پر لاگو حقیقی کفر کو کفرِ نعمت (ناشکری) یا کفرِ دون کفر (بڑے کفر کے بہ جائے چھوٹا کفر) والی تاویل و توجیہ کی ہمیں ضرورت ہو۔

واضح رہے کہ مرتد پر مندرجہ ذیل احکام لاگو ہوتے ہیں:

① کسی مسلمان لڑکی کا نکاح اس سے نہ کروایا جائے، اور اگر نکاح پہلے سے موجود ہے اور اب نماز نہیں پڑھتا تو ان کا نکاح باطل قرار پائے گا، کوئی مسلمان خاتون اس کے لیے حلال نہیں۔ مہاجر خواتین کے بارے میں اللہ تعالیٰ کا فرمان اس کی دلیل ہے: ﴿فَإِنْ عَلِمْتُمُوهُنَّ مُؤْمِنَاتٍ فَلَا تَرْجِعُوهُنَّ إِلَى الْكُفَّارِ لَا هُنَّ حِلٌّ لَّهُمْ وَلَا هُمْ يَحِلُّونَ لَهُنَّ﴾ (المتحنہ: ۲) پھر جب تمہیں معلوم ہو جائے کہ وہ مومن ہیں تو انہیں کفار کی طرف واپس نہ کرو، نہ وہ کفار کے لیے حلال ہیں اور نہ کفار ان کے لیے حلال۔

② اگر نکاح کے بعد مرد نے نماز چھوڑ دی تو اس کا نکاح فسخ ہو جائے گا، مسلمان بیوی اس کے لیے حلال نہیں۔ اس کی دلیل مذکورہ بالا آیت ہے۔ اس مسئلے کی باقی تفصیلات اہل علم کے یہاں معروف ہیں، کہ آیا ترک نماز ازدواجی ملاقات سے پہلے تھی یا بعد میں شروع ہوئی؟

③ اگر بے نمازی ذبح کرے تو اس کا ذبیحہ نہ کھایا جائے؛ اس لیے کہ وہ حرام ہے، یہودی یا عیسائی کا ذبیحہ تو ہمارے لیے جائز ہے؛ مگر بے نمازی کا نہیں؛ اس لیے

کہ بے نمازی کا ذبیحہ یہودی اور عیسائی کے ذبیحہ سے زیادہ شریعت میں ناپسندیدہ ہے۔ والعیاذ باللہ۔

④ بے نمازی مکہ شہر تو کیا، اس کی حدود میں بھی داخل نہیں ہو سکتا۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِنَّمَا الْمُشْرِكُونَ نجس فلا يقربوا المسجد الحرام بعد عامهم هذا﴾ (التوبة: ۲۸) اے لوگو جو ایمان لائے ہو! مشرکین ناپاک ہیں؛ لہذا اس سال کے بعد یہ مسجد حرام کے قریب بھی نہ پھٹکنے پائیں۔

⑤ اگر بے نمازی کے قرابت داروں میں سے کوئی فوت ہو جائے تو وراثت میں اس کا کوئی حق نہیں، مثلاً ایک نمازی مسلمان مر جاتا ہے اس کے وراثت میں اس کا ایک حقیقی بے نماز بیٹا اور چچا زاد بھائی ہے، بھلا کون وارث بنے گا! اس کے حقیقی بیٹے کے بہ جائے اس کے چچا زاد بھائی کو وراثت ملے گی۔ اس کی دلیل حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ کی روایت کردہ حدیث ہے، آپ ﷺ نے فرمایا: لا يرث المسلم الكافر ولا الكافر المسلم (صحیح بخاری و صحیح مسلم) مسلمان کافر کا وارث نہیں ہو سکتا اور کافر مسلمان کا وارث نہیں بن سکتا۔ ایک دوسرے موقع پر آپ ﷺ نے فرمایا: الحقوا الفرائض بأهلها، فما بقي فهو لأولى رجل ذكر (صحیح بخاری و صحیح مسلم) تمام حق داروں کو وراثت میں سے ان کا حصہ دے دو، اور جو بچ رہے تو وہ مرد کے مذکر رشتے داروں یعنی عصبہ کا حق ہے۔ اس ایک مثال کے ذریعے باقی تمام وراثت کا حکم معلوم ہو جاتا ہے۔

⑥ بے نمازی جب مر جائے تو اسے غسل دیا جائے اور نہ کفن، نہ تو اس کا جنازہ پڑھا جائے اور نہ ہی اسے مسلمانوں کے قبرستان میں دفن کیا جائے۔ تب اس کے ساتھ

کیا کیا جائے؟ اسے صحرا میں لے جائیں اور گڑھا کھود کر کپڑوں سمیت دفن کر دیں؛ اس لیے کہ شرعاً اس کا کوئی احترام نہیں۔ اس سے یہ بات بھی سامنے آتی ہے کہ، اگر کسی کو معلوم ہو کہ اس کا کوئی عزیز یا تعلق دار نماز نہیں پڑھتا، اور اب وہ مر گیا ہے تو اس شخص کے لیے جائز نہیں کہ اس کے میت کو عام مسلمانوں کے سامنے نماز جنازہ کے لیے لائے۔

④ قیامت کے روز فرعون، ہامان، قارون اور ابی بن خلف جیسے کافر ولیڈروں کے ساتھ اس کا حشر ہوگا والعیاذ باللہ، بے نمازی کبھی جنت میں داخل نہیں ہو سکے گا، اور کسی عزیز یا تعلق دار کے لیے یہ بھی جائز نہیں کہ اس کے حق میں رحمت و مغفرت کی دعا کرے؛ اس لیے کہ وہ کافر ہے؛ لہذا دعا کا مستحق نہیں۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿ مَا كَانَ لِلنَّبِيِّ وَالَّذِينَ آمَنُوا أَنْ يَسْتَغْفِرُوا لِلْمُشْرِكِينَ وَلَوْ كَانُوا أُولِي قُرْبَىٰ مِنْ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُمْ أَنَّهُمْ أَصْحَابُ الْجَحِيمِ ﴾ (التوبة: ۱۱۳) نبی اور ان لوگوں کو جو ایمان لائے ہیں، زیبا نہیں ہے کہ مشرکوں کے لیے مغفرت کی دعا کریں، چاہے وہ ان کے رشتے دار ہی کیوں نہ ہوں، جب کہ ان پر یہ بات کھل چکی ہے کہ وہ جہنم کے مستحق ہیں۔

میرے بھائیو! معاملہ بہت خطرناک ہے، اور افسوس کی بات یہ ہے کہ بہت سارے لوگ اس مسئلے میں سستی کا شکار ہیں، اور گھر میں ان لوگوں کے ساتھ رہائش پذیر ہیں جو نماز نہیں پڑھتے اور یہ قطعاً جائز نہیں ہے۔ واللہ أعلم وصلى الله على نبينا محمد وعلى آله وصحبه أجمعين.

الجواب: حامداً ومصلياً ومسلماً

نماز فرض عین ہے، ہر مکلف کو اس کا ادا کرنا ضروری ہے، جو شخص اس کی فرضیت

کا اعتقاد رکھتا ہے؛ مگر بلا عذر شرعی سستی وغیرہ کی وجہ سے اس کو ترک کرتا ہے ساتھ ہی اس کو عقاب کا خوف بھی ہے، وہ شخص شرعاً فاسق ہے، کافر نہیں ہے۔ اول اس کو سمجھایا جائے اور نماز کی اس کو تاکید کی جائے، اگر مان جائے تو بہتر؛ ورنہ اس سے تعلقات ترک کر دیے جائیں، حتیٰ کہ تنگ آ کر ترک نماز سے توبہ کر لے اور آئندہ مداومت کے ساتھ نماز پڑھے۔ اگر وہ نماز کو فرض نہیں سمجھتا؛ بلکہ وہ فرضیت کا منکر ہے اور استخفافاً اس کو ترک کرتا ہے، اور آئندہ قضا کی نیت نہیں رکھتا، نہ اس کو خوف عقاب ہے تو ایسا شخص شرعاً کافر ہے، ایسے شخص کا نکاح ٹوٹ جاتا ہے، زوجہ کو اس سے علاحدہ رہنا ضروری ہے، جب تک تجدید نکاح و تجدید ایمان نہ کرے صحبت حرام ہوگی، اور اس کے جنازہ کی نماز ناجائز ہے۔ ویکفر بترك الصلاة متعمدا غیر ناو للقضاء وغیر خائف من العقاب. (بحر ۱۴۴/۵)

اور نماز کو فرض سمجھتے ہوئے نہ پڑھنے والے شخص کے جنازے پر صلاۃ جنازہ پڑھی جائے گی، اگر کوئی بڑا شخص دوسروں کی تشبیہ اور زجر و عبرت کے لیے اس پر نماز نہ پڑھے تو مضائقہ نہیں۔ (فتاویٰ محمودیہ ۲/۱۱۵، ۲۱۶) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری ۱۰ رجب ۱۴۱۹ھ

الجواب صحیح: عباس داود بسم اللہ

نماز پڑھ لینے کے بعد دوسری جگہ اسی وقت کو پایا تو کیا دوبارہ

نماز پڑھنا ضروری ہے؟

سوال: ایک شخص نے ظہر کی نماز پڑھی، پھر ہوائی جہاز پر سوار ہو کر ایسی جگہ پہنچا

جہاں ابھی ظہر کا وقت داخل نہیں ہوا تھا، پھر اس جگہ آدھے گھنٹہ کے بعد ظہر کا وقت شروع ہوا، تو اب اس شخص کو دو مرتبہ ظہر کی نماز پڑھنا ضروری ہے یا نہیں؟ بینوا بالدلائل الواضحة توجروا یوم القيامة۔

از: احقر محمد کلیم لوہاری

الجواب: حامداً ومصلياً ومسلماً

اصل جواب سے پہلے اس سے متعلق عبارتیں اور ان عبارتوں سے مستفاد امور پیش کرتا ہوں:

① قال المحقق ابن الهمام: تواطأت اخبار الاسراء من فرض الله تعالى الصلوة خمسا بعد ما امروا اولا بخمسين ثم استقر الامر على الخمس شرعا عاما لأهل الآفاق، لاتفصيل فيه بين اهل قطر و قطر (الى ان قال) فاستفدنا أن الواجب في نفس الأمر خمس على العموم غير ان توزيعها على تلك الأوقات عند وجودها ولا يسقط بعدمها الوجوب وكذا قال ﷺ خمس صلوات كتبهن الله على العباد (فتح القدير ١/ ٢٢٤)

قال الشيخ عبد الرحمن الجزيري في كتاب الفقه على المذاهب الأربعة: أما السنة الصحيحة الدالة على أن عدد الصلوات خمس فهي كثيرة بلغت مبلغ التواتر (إلى أن قال) ولهذا فقد أجمع أئمة المسلمين على أن الصلوات المفروضة خمس صلوات وهي الظهر والعصر الخ (١/ ١٨٠، ١٧٩) عبارت بالا سے مستفاد ہوا کہ رات دن میں صرف پانچ ہی نمازیں فرض ہیں، اور یہ ایک ایسی حقیقت ہے جو متواتر و متوارث ہونے کے ساتھ مجمع علیہ بھی ہے۔

② قال النبي ﷺ: لا تصلي صلوة مكتوبة في يوم مرتين (سنن دار

قطنی، باب لا یصلی المكتوبة فی یوم مرتین)

و أيضاً قال: لا تصلوا صلوة فی یوم مرتین (ابوداؤد شریف ص ۹۳ باب اذا صلی فی جماعة ثم ادرك جماعة أبعید. نسائی شریف ص ۱۳۸ باب سقوط الصلوة عن صلی مع الامام فی المسجد جماعة انظر لتخریجه "نصب الراية" للزیلعی ۲/ ۱۳۹، ۱۳۸، مع الهامش)

اس سے معلوم ہوا کہ ایک فرض نماز جب ایک مرتبہ تمام شرائط و ارکان و واجبات وغیرہ کی رعایت کے ساتھ ادا کر لی گئی، تو پھر دوبارہ بحیثیت فرض اس کا اعادہ درست نہیں ہے۔

③ وهل تثبت صفة الجواز للمأمور به اذا اتى به قال بعض المتكلمين لا والصحيح عند الفقهاء انه تثبت به صفة الجواز للمأمور به و انتفاء الكراهة (منار الانوار للعلامة النسفی) ای المذهب الصحيح عندنا انه تثبت بمجرد ايجاد الفعل صفة الجواز للمأمور به وهو حصول الامتثال علی ما كلف به والا يلزم تكليف ما لا يطاق ثم اذا ظهر الفساد بدليل مستقل بعده يعيده (نور الانوار ص ۵۱)

لو قال كغيره و هل الاتيان بالمأمور به يوجب الاجزاء لكان اولی و فی العضد اعلم ان الاجزاء یفسر بتفسیرین احدهما حصول الامتثال به و الآخر سقوط القضاء فان فسّر بالأول فلا شك ان الاتيان بالمأمور به یحققه و ذلك متفق علیه و ان فسّر سقوط القضاء فقد اختلف فيه و المختار ان يستلزمه (نسمات الاسحار للعلامة الشامی)

عبارت بالا سے مستفاد ہوا کہ جب مامور بہ کو اس کے جملہ شرائط و ارکان و واجبات وغیرہ کی مکمل رعایت کے ساتھ ادا کر دیا گیا تو بندہ کا ذمہ بری ہو گیا، اور اب دوبارہ اس پر اسی مامور بہ کی ادائیگی لازم نہ ہوگی۔

۴) اعلم ان سبب وجوب الصلوة بايجاب الله تعالى في حقنا الوقت ولهذا تضاف الصلوة اليه فيقال صلوة العصر وكذلك سبب وجوب الصوم الوقت وهو شهر رمضان (الى ان قال) وهذه طريقة المتأخرين فمرادهم من الاسباب، الاسباب الظاهرة واما المشايخ المتقدمون فيقولون سبب وجوب العبادة نعم الله علينا شكرا لها للايمان وجب شكرا لنعمة الوجود في النطق وكمال العقل، والصلوة وجبت شكرا لنعمة الاعضاء السليمة والصوم وجب شكرا لنعمة اقتضاء الشهوات و الزكوة وجبت شكرا لنعمة المال والحج وجب شكرا لنعمة البيت فمرادهم بالاسباب الحقيقية (تسهيل الوصول الى علم الاصول ص ۲۰۶)

اعلم أن أصول الدين وفروعه مشروعة بأسباب جعلها الشرع أسبابا لها كالحج بالبيت و الصوم بالشهر و الصلوة باوقاتها (حسبى ص ۵) وحاصله ان لاحكام الشرع اسبابا تضاف اليها والموجب والشارع لها في الحقيقة هو الله تعالى دون السبب لان الموجب للاحكام هو الله تعالى وحده (ناى شرح حسبى ۱۱۶)

ثم ههنا شيان نفس الوجوب و وجوب الاداء، فنفس الوجوب سببه الحقيقى هو الايجاب القديم وسببه الظاهرى وهو الوقت (نور الانوار ص ۵۳) عبارات بالا سے معلوم ہوا کہ وجوب کی نسبت اسباب کی طرف ظاہری ہے، ورنہ در حقیقت موجب تو اللہ کی ذات ہے، اور باری تعالیٰ نے (جیسا کہ حدیث معراج میں ہے) فرما دیا ہے: ہى خمس و ہى خمسون لا یبدل القول لى.....

نیز آل حضرت ﷺ نے خبر دے دی کہ خمس صلوات فی الیوم واللیلۃ

اور سب ظاہری کے وجود میں آجانے پر جب بندہ نے امثال امر الہی کر دیا تو براءۃ ذمہ ہوگئی، اب اس پر اسی دن وجوب مکرر نہ ہوگا۔

⑤ والاصل فی هذا النوع انه لما جعل الوقت ظرفاً للمؤدی و سبباً للوجوب لم يستقم ان يكون كل الوقت سبباً لان ذلك يوجب تاخير الاداء عن وقته او تقديمه على سببه فوجب ان يجعل بعضه سبباً وهو الجزء الذى يتصل به الأداء فماتصل الاداء بالجزء الأول كان هو السبب والانتقل السببية الى الجزء الذى يليه لأنه لما وجب الخ (حسامی ص ۳۳) وهو اما ان يضاف الى الجزء الأول او الى مايلي ابتداء الشروع او الى الجزء الناقص عند ضيق الوقت او الى جملة الوقت يعنى ان الأصل كل مسبب متصل بسببه فان اديت الصلوة فى اول الوقت يكون الجزء السابق على التحريمه وهو الجزء الذى لا يتجزأ سبباً للوجوب الصلوة فان لم يؤدّ فى اول الوقت تنتقل السببية الى الاجزاء التى بعده الخ.

(نور الانوار ص ۵۳)

والحاصل ان كل جزء سبب على طريق الترتيب والانتقال لكن تقرر السببية موقوف على اتصال الاداء.

(ص ۶۳ افاضة الانوار على متن المنار للعلامة الحصكفى على هامش نسبات الأسحار)

عبارات بالا سے معلوم ہوا کہ وقت نماز کا جزء اول سبب ہے، لیکن اگر اس میں اداء صلوٰۃ نہیں پائی گئی تو صفت سببیت بعد والے اجزاء کی طرف منتقل (یعنی ثابت) ہوتی جائے گی، اور جب اداء پائی جاوے گی اس کے متصل جزء کو سبب قرار دیا جاوے گا، اب اگر اداء جزء اول کے متصل وجود میں آئی تو وقت نماز کا وہی جزء (یعنی جزء اول)



سبیت کے لیے متعین ہو گیا، اور بعد والے اجزاء میں صفت سبیت کی صلاحیت کے باوجود اب اس کے حق میں سبب نہیں قرار دیئے جائیں گے، حالانکہ دیگر جن حضرات نے ابھی تک نماز ادا نہیں کی ہے ان کے حق میں وہی اجزاء سبب بن گئے ہیں۔

اس تمہید کے بعد آپ کے سوال کا جواب پیش خدمت ہے، کہ صورت مسئلہ میں اس آدمی نے ہوئی جہاز پر سوار ہونے سے پہلے جو نماز ظہر پڑھی تھی وہ اگر زوالِ شمس (یعنی دخولِ وقتِ ظہر) سے پہلے پڑھی ہے، تب تو اس کی وہ نماز وقت سے پہلے ہونے کی وجہ سے درست نہیں ہوئی اس کے لیے ضروری ہے کہ وہ دوبارہ پڑھے، اور اگر وہ نماز زوالِ شمس (یعنی دخولِ وقتِ ظہر) کے بعد پڑھی تھی تو اس کو اب دوبارہ نماز ظہر پڑھنے کی ضرورت نہیں ہے، اس لیے کہ اس کا ذمہ فرضِ ظہر سے بری ہو چکا ہے؛ البتہ اگر وہ بہ نیت نفل وہاں والوں کے ساتھ جماعت میں شرکت کرنا چاہے تو کر سکتا ہے۔ هذا ما سنح لی واللہ اعلم بحقیقۃ الحال۔

تنبیہ: درمختار میں ایک جزئیہ موجود ہے: فلو غربت ثم عادت هل يعود الوقت الظاهر نعم الخ اور اس پر درمختار کی شرح میں علامہ طحاوی رحمۃ اللہ علیہ نے (۱/۱۷۴) اور علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ نے ردالمحتار (۱/۲۶۵) میں بحث فرمائی ہے، علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ اس بحث کے آخر میں فرماتے ہیں: قلت: ویلزم علی الأول بطلان صوم من أفطر قبل ردھا و بطلان صلوتہ المغرب لو سلمنا عود الوقت بعودھا للکل واللہ تعالیٰ اعلم۔

لیکن علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ کے انداز سے صاف مترشح ہوتا ہے کہ وہ بطور لزوم اس کو ذکر فرما رہے ہیں مگر خود اس پر مطمئن نہیں، نیز اس جگہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے لیے ردشس

کے جس واقعہ کو دلیل میں پیش کیا گیا ہے، اس میں بھی کسی جگہ کسی روایت میں یہ وارد نہیں کہ حضور اقدس ﷺ یا دیگر صحابہ رضی اللہ عنہم نے نماز عصر کا اعادہ فرمایا ہو۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

املاء: احمد عفی عنہ خانپوری ۲۴ / جمادی الاخریٰ ۱۰۴۱ھ

الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ

## حرام لقمہ کھانے سے چالیس روز کی نماز نہیں ہوتی کا مطلب

**سوال:** حرام کا ایک لقمہ اگر پیٹ میں چلا جائے تو چالیس روز کی نماز نہیں ہوتی تو اس کی اصلاح کی صورت کیا ہے؟ کیا حرام لقمہ کھائے تو کیا نماز نہ پڑھے جب کہ چالیس روز تک نماز نہ ہوگی؟

**الجواب:** حامداً ومصلياً ومسلماً

نماز قبول نہیں ہوتی۔ دو باتیں الگ الگ ہیں نماز نہ ہونا اور نماز قبول نہ ہونا۔ اس صورت میں قبول نہیں ہوگی، یعنی اس پر اجر و ثواب اور خوشنودی باری تعالیٰ مرتب نہ ہوگی، لیکن آپ کا فریضہ ادا ہو جائے گا، اور آپ اپنے فریضہ سے سبکدوش ہو جائیں گے، لیکن اگر آپ نے نماز ہی نہ پڑھی تو آپ کا ذمہ بری نہ ہوگا۔

رہی اصلاح کی صورت تو وہ یہ ہے کہ جس کا حق دیا یا ہے اس کا حق ادا کریں، اور اس سے معاف کرنا آئندہ کے لیے سچی توبہ کریں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

## کیا گنہگار کی نماز مقبول ہے؟

**سوال:** زنا، شراب، جوا، اس کے علاوہ جتنے بھی کبیرہ گناہ میں مبتلا ہو، پھر بیخ گناہ نماز کا پابند ہو، کیا ایسے شخص کی نماز قبول ہوتی ہے یا نہیں؟

**الجواب:** حامداً ومصلياً ومسلماً

اس کا فریضہ تو ادا ہو جائے گا، رہی قبولیت تو وہ اللہ تعالیٰ کے اختیار کی چیز ہے۔  
فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

## قومہ اور سجدہ کے اذکارِ مسنونہ

**سوال:** نفل یا سنت یا فرض نماز میں قومہ کے وقت ربنا لك الحمد کے بعد حمداً كثيراً طیباً مبارکاً فیہ پڑھ سکتے ہیں یا نہیں؟ اور سجدہ میں سبحان ربی الاعلیٰ کے بعد سبح قدوس رب الملائکة والروح پڑھ سکتے ہیں یا نہیں؟ اور دونوں سجدوں کے درمیان اللهم اغفر لی وارحمنی وعافنی واهدنی وارزقنی واجبرنی وارفعنی پڑھ سکتے ہیں یا نہیں؟ امام کے ساتھ نماز پڑھتا ہو یا منفرداً نماز پڑھتا ہو۔

نوٹ: یہ کچھ ارشاداتِ حصین کتاب سے نقل کر رہا ہوں چوں کہ مسئلہ سمجھ میں نہیں آرہا ہے اس لیے معلوم کرنا چاہتا ہوں کہ فتویٰ میں ان مسائل کا کیا حل ہے اور کس پر فتویٰ ہے؟

**الجواب:** حامداً ومصلياً ومسلماً

مسنون یہ ہے کہ قومہ میں اللہم ربنا ولك الحمد یا اللہم ربنا لك الحمد یا ربنا لك الحمد پڑھے اور سجدہ میں سبحان ربی الاعلیٰ پڑھے اس کے علاوہ دیگر دعائیں جو وارد ہوئی ہیں ان کو نوافل میں پڑھے، فرائض میں ان کا پڑھنا مسنون نہیں ہے۔

(و یجلس بین السجدتین مطمئناً) لما مر (ولیس بینہما ذکر مسنون وكذا) یسن (بعد رفعه من الركوع) دعاء وكذا لا یأتی فی ركوعه وسجوده بغير التسیب (علی المذهب) وما ورد محمول علی النفل (در مختار) فرائض میں تہا پڑھنے کی صورت میں جائز ہے۔

علی أنه إن ثبت فی المكتوبة فلیکن فی حالة الانفراد، أو الجماعة والمامون محصورون لا یتثقلون بذلك الخ كما فصله العلامة بن عابدین الشامی (رد المحتار ۱/۳۶۰) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۲۲/ ذوالحجہ الحرام ۱۴۰۶ھ

**پلنگ پر بیٹھے ہوئے کے سامنے نماز پڑھنا**

**سوال:** اگر کوئی پلنگ (bed) پر بیٹھا ہے یا سویا ہے اور اس کے سامنے نیچے

کوئی نماز پڑھ رہا ہے تو کیا نماز ہوگی یا نہیں؟

**الجواب:** حامداً ومصلياً ومسلماً

اس میں کوئی حرج نہیں، نماز درست ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

## سلام پھیرنے کا مسنون طریقہ

سوال: ① بعض امام صاحبان و نمازی صاحبان سلام پھیرتے وقت پہلے چہرہ دائیں جانب یا بائیں جانب پھیر دیتے ہیں، پھر ”السلام علیکم ورحمة اللہ“ کہتے ہیں۔

② اور بعض پہلے ”السلام علیکم“ کہتے ہیں، پھر چہرہ دائیں جانب یا بائیں جانب پھیرتے ہیں، پھر ”رحمة اللہ“ کہتے ہیں۔

③ اور بعض لوگ پہلے ”السلام علیکم ورحمة اللہ“ پورا کہہ دیتے ہیں، پھر دائیں یا بائیں جانب سلام پھیرتے ہیں، ان تینوں طریقوں میں سے کونسا طریقہ صحیح ہے؟ اگر ائمہ کا اختلاف ہو تو اسے بھی واضح فرمائیں، اور احناف کا مسلک بھی وضاحت سے فرمائیں۔

الجواب: حامداً ومصلياً ومسلماً

سلام کے الفاظ کی ابتداء تو جانبِ قبلہ سے کر دے، اس کے بعد دائیں یا بائیں جانب چہرہ پھیرتے ہوئے اس کو مکمل کرے۔ ”ترمذی شریف“ میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت قالت: کان رسول اللہ ﷺ یسلم فی الصلوة تسلیمۃ واحدة تلقاء وجہہ، ثم یمیل الی الشق الایمن شیئاً، کی تشریح فرماتے ہوئے حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی صاحب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

أي يأخذ فيها من تلقاء وجہہ، ويختمها إذا مال وجہہ الی الیمین، وكذا الحكم فی تسلیم الیسار؛ لكنها اكتفت بذكر تسلیمۃ لما أن

مقصودھا بالذکر انما هو بیان التسلیمة من أين تبدأ و بیان کیفیتھا  
کیف هی (الکوکب الدرّی ۱/۱۰)

حضرت مولانا محمد یوسف بنوری صاحب رحمۃ اللہ علیہ رقمطراز ہیں:  
ولعلہ یرید أن المقصود بیان کیفیتة السلام هكذا، لا بیان العدد،  
والکیفیتة هذه من إبتدائه تلقاء الوجه، وانتهائه فی جانب الیمین، ذکره  
فی المجموع والمغنی وهو المعمول به عندنا (معارف السنن ۳/۱۱۱)  
حضرت شاہ عبدالحمق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی ”شرح سفر السعادة ۹۲“  
میں اس کو بیان فرمایا ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

## نماز کی نیت میں ”آج“ کی قید

**سوال:** فرض نماز میں نیت کرتے وقت آج کی قید نہ بڑھائے، مثلاً صرف یہ  
کہے کہ عصر کی نماز پڑھتا ہوں، تو کیا اس سے نماز ہو جائے گی؟ بندہ نے آج تک  
”آج کی“ قید نہیں بڑھائی، تو کیا اب تک کی نمازوں کو دہرائیں یا نہیں؟

**الجواب:** حامداً ومصلياً ومسلماً

نیت صرف ارادہ سے ادا ہو جاتی ہے، زبان سے الفاظ کہنے کی ضرورت نہیں؛  
بلکہ زبان سے قلبی نیت کے خلاف بھی ہو جائے تو بھی نماز ہو جائے گی، نیت قلب کا  
ادنیٰ درجہ یہ ہے کہ کسی کے سوال کرنے پر فوراً بتا سکے کہ کیا پڑھنا چاہتا ہے؟ آپ کی  
نمازیں درست ہیں۔

والمعتبر فیھا عمل القلب اللازم للإرادة، فلا عبرة للذکر

باللسان إن خالف القلب..... وهو أن يعلم عند الإرادة بداهة بلا تأمل، أي صلوة يصلى الخ (درمختار) (قوله أن يعلم عند الإرادة الخ) قال الزيلعي: أدناها أن يصير بحيث لو سئل عنها أمكنه أن يجيب من غير فکراہ (شامی ۱/۳۰۶) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۱۷ / رجب ۱۳۱۱ھ

## کپڑے کا پردہ سترہ ہے

سوال: اگر کوئی آدمی نماز پڑھ رہا ہو، اور اس کے سامنے کپڑے کا پردہ لٹکا ہوا

ہو تو وہ سترہ کے قائم مقام ہو سکتا ہے یا نہیں؟

الجواب: حامداً ومصلياً ومسلماً

ہو سکتا ہے۔

ولو ستارة ترتفع إذا سجد وتعود إذا قام (درمختار) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

## فجر کے علاوہ دیگر نمازوں میں قنوت نازلہ

”فتاویٰ رحیمیہ“ سے ایک عالم کی غلط روش کی اصلاح

سوال: کچھ ماہ قبل ہمارے ملک میں جو ناسازگار حالات پیدا ہوئے تھے، اس

وقت اکثر مساجد میں دعاء قنوت نازلہ کا اہتمام کیا گیا تھا، اس دعا کو جمعہ، مغرب و عشا

کی نمازوں میں بھی پڑھا گیا تھا، فتاویٰ رحیمیہ کی روشنی میں ایک اہل علم نے اپنے

بیان میں یوں کہا کہ فجر کی نماز کے علاوہ دوسری نمازوں میں دعاء قنوت نازلہ جو پڑھی

گئی وہ طریقہ صحیح نہیں تھا، آگے انہوں نے کہا کہ وہ تمام نمازیں بھی نہیں ہوئیں، ایک ذمہ دار اہل علم کا اس طرح کہنا کیا درست ہے؟ ایسے اہل علم کو کیا کہیں گے؟ جواب وضاحت کے ساتھ دیا جائے؛ تاکہ اس میں پھر کوئی اشکال نہ ہو۔

**الجواب:** حامداً ومصلياً ومسلماً

حضرت مفتی اعظم مولانا مفتی محمد کفایت اللہ صاحب دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کا ایک تفصیلی فتویٰ کفایت المفتی جلد سوم از ۴۲۴ تا ۴۲۹ پر موجود ہے، جس پر اکابر علماء دیوبند: حضرت علامہ انور شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ، حضرت مولانا محمد اعجاز علی صاحب رحمۃ اللہ علیہ، حضرت مولانا سید اصغر حسین میاں صاحب رحمۃ اللہ علیہ وغیر ہم کے تصدیقی دستخط موجود ہیں، اس کا ایک اقتباس نقل کرتا ہوں، جو انشاء اللہ باعث تشفی ہوگا، حضرت مفتی کفایت اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں:

”رہی یہ بات کہ حنفیہ کے نزدیک صرف فجر کی نماز میں ہے یا تین جہری نمازوں میں یا پانچوں نمازوں میں؟ تو اس کے متعلق یہ تفصیل ہے کہ علامہ طحاوی رحمۃ اللہ علیہ کی عبارت میں صرف فجر کی نماز میں قنوت پڑھنے کا ذکر ہے، اور اسی کو صاحب شامی نے ترجیح دی ہے؛ لیکن علامہ عینی رحمۃ اللہ علیہ نے شرح ہدایہ میں ”صلوۃ الجہر“ لکھا ہے، اور اسی طرح بحر الرائق و مرقا الفلاح میں شرح نقایہ سے ”صلوۃ الجہر“ نقل کیا ہے، اور درمختار میں ”وقیل فی الصلوات کلھا“ بھی لکھا ہے، یعنی کہا گیا ہے کہ تمام نمازوں میں پڑھنی جائز ہے، اور احادیث میں بھی قنوت کا ذکر مختلف طریقوں سے آیا ہے: کسی حدیث میں صرف نماز فجر کا ذکر ہے، اور کسی میں نماز عشاء کا، اور کسی میں دو تین



نمازوں کا، اور کسی میں پانچوں نمازوں کا، پس صرف نماز فجر میں پڑھنے کی روایت اور جہری نمازوں میں پڑھنے کی روایت تو فقہ حنفی کی معتبر کتابوں میں بھی موجود ہے، ان دونوں صورتوں میں تو فقہ حنفی کی رو سے بھی تاہل کی گنجائش نہیں، رہا پانچوں نمازوں میں پڑھنا تو دیگر ائمہ بموجب حدیث ابن عباس رضی اللہ عنہما پانچوں نمازوں میں قنوت نازلہ کے جواز کے قائل ہیں، اور یہی مطلب ہے درمختار کے اس قول کا ”وقیل: فی الصلوات کلھا“ مگر ائمہ حنفیہ سے پانچوں نمازوں میں پڑھنے کی کوئی فقہی روایت نہیں ہے، جہری نمازوں میں پڑھنے کی فقہی روایتیں یہ ہیں:

”إن نزل بالمسلمین نازلة، قنت الإمام فی صلوة الجهر، وبه قال الأکثرون وأحمد الخ (عینی شرح ہدایہ) ترجمہ: اگر مسلمانوں پر کوئی مصیبت آجائے تو جہری نمازوں میں امام قنوت پڑھے، اسی کے اکثر علماء اور امام احمد قائل ہیں۔

وفي الغایة: إن نزل بالمسلمین نازلة، قنت الإمام فی صلوة الجهر، وهو قول الثوری وأحمد الخ (مراقی الفلاح) ترجمہ: غایہ میں ہے کہ: اگر مسلمانوں پر کوئی مصیبت آجائے تو امام جہری نمازوں میں قنوت پڑھے، امام ثوری رضی اللہ عنہ اور احمد رضی اللہ عنہما کا یہی قول ہے۔ اسی طرح بحر الرائق و شامی میں بھی منقول ہے۔“ (کفایت المفتی ۳/۲۲۶)

جن صاحب علم نے وہ بات کہی جو آپ نے سوال میں تحریر فرمائی ہے، ان کی بات درست نہیں ہے، اگر ان صاحب کار جحان علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ کی ترجیح کی طرف ہے، تو وہ اس پر شوق سے عمل کریں یا دوسروں کو بتلائیں؛ لیکن دوسرے قول کی تخلیط کا انہیں حق نہیں پہنچتا، اور یہ فرما کر کہ ”وہ تمام نمازیں بھی نہیں ہوئیں“ انہوں نے

بڑی غلط روش اختیار فرمائی، یہ روش اہل علم کی شان کے خلاف ہے، انہیں چاہیے کہ بیان ہی میں اپنی اس غلطی کی اصلاح فرمائیں؛ تاکہ ان کا بیان سن کر جو لوگ غلطی میں مبتلا ہوئے ہیں، اس کے وبال سے وہ بری ہوں، ورنہ عند اللہ ماخوذ ہوں گے۔  
فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۲۳/ شوال المکرم ۱۴۱۱ھ

### کویت پر حملہ میں قنوت نازلہ پڑھنا

**سوال:** یوم عاشورہ کو عراق نے کویت پر حملہ کر کے اس پر قبضہ کر لیا، جس سے وہاں کی معیشت پر بڑا نقصان پہنچا اور نتیجہ یہاں تک پہنچ چکا کہ امریکہ وغیرہ عراق کے خلاف جنگ کی تیاری میں ہیں، عراق نے بھی اعلان کر دیا ہے، مزید تفصیل آپ کو معلوم ہوگی؛ بہر حال کیا ان حالات میں ابھی سے قنوت نازلہ کی اجازت ہوگی یا نہیں؟ جواب مرحمت فرما کر عند اللہ ماجور ہوں۔

**الجواب:** حامداً ومصلياً ومسلماً

صورتِ مسئلہ میں قنوت نازلہ نہیں ہے۔ (فتاویٰ محمودیہ کراچی ۷/ ۱۷۳) فقط واللہ

تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۸/ صفر المظفر ۱۴۱۱ھ

الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

### قنوت نازلہ میں ممالک کا نام لینا

**سوال:** امسال جو رمضان گزر اس میں ہمارے پورے ضلع میں ۱۵ کے بعد

سے ۳۰ مرتبہ دعائے قنوت نازلہ فجر کی نماز میں پڑھی گئی تھی، اور مذکورہ دعا کے پڑھنے کا مشورہ بلکہ پمفلٹ کی شکل میں پوری دعا قنوت نازلہ مع اضافہ شدہ شائع کرایا گیا تھا حضرت مولانا اسعد مدنی صاحب زید مجرہ کی طرف سے، اس دعا میں چند مسلم ممالک کے حق میں دعائیں تھیں اور چند غیر مسلم ممالک کے حق میں بددعائیں تھیں، مثلاً عراق، چیچینیا وغیرہ اور غیر مسلم ممالک میں امریکہ، یورپین وغیرہ کا نام قنوت نازلہ کے درمیان میں ملا کر ائمہ مساجد پڑھا کرتے تھے، کیا اس طرح عین نماز میں اسلامی ممالک یا غیر اسلامی ممالک کے نام دعایا بددعا میں لینا شرعاً درست ہے؟ جب کہ آپ ﷺ نے بھی بعض قبائل اور بعض کفار کے نام بددعائیں فرمائی ہیں۔

**الجواب:** حامداً ومصلياً ومسلماً

قنوت نازلہ میں کسی کا نام لے کر اس کے حق میں دعا یا اس پر بددعا حدیث پاک میں وارد ہوئی ہے؛ لیکن فقہ حنفی کی کتابوں میں یہ تصریح میری نظر سے نہیں گزری، دوسرے اہل علم سے تحقیق فرمائیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

أماہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

## قنوت نازلہ کے آخر میں درود شریف

**سوال:** دعائے قنوت کے بعد جو درود شریف مشہور ہے وہ درود تحریر فرمائیں،

اور اس کے پڑھنے کا حکم کیا ہے؟

**الجواب:** حامداً ومصلياً ومسلماً

دعائے قنوت کے آخر میں وصلی اللہ علی النبی وآلہ وسلم کا اضافہ

فرمادیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۲۸ شعبان ۱۴۲۱ھ  
الجواب صحیح: عباس داود بسم اللہ

## دوران نماز زلزلہ آجائے تو کیا کرے؟

**سوال:** درمیان نماز اگر زلزلہ آجائے یا کوئی دوسری قدرتی مصیبت آئے تو کیا نماز توڑ کر مسجد سے باہر نکل سکتے ہیں یا نہیں؟ یا اسی طرح اپنے مکان کی عمارت سے باہر نکل سکتے ہیں؟ (اس صورت میں عورت کی بے پردگی کا بھی اندیشہ ہے) جب کہ عمارت کے منہدم ہونے کا اندیشہ دونوں صورتوں میں موجود ہے۔ اسی طرح زلزلہ میں مرنے والے مسلمانوں کو کیا شہادت کا درجہ ملتا ہے؟ اور اگر شہادت کا درجہ ملتا ہے تو حکمی یا اخروی؟

**الجواب:** حامداً ومصلياً ومسلماً

زلزلہ یا کسی اور وجہ سے کسی عمارت کے منہدم ہو جانے کا اندیشہ ہو تو بہ طور تحفظ اس میں سے نکل کر کھلی فضا میں آجانا درست ہے، شرعاً ممنوع نہیں۔  
منہدم ہونے والی عمارت کے ملبہ میں دب کر مرنے والا اخروی اعتبار سے شہید ہے۔ درمختار میں ہے: والمهدوم عليه (در علی ہامش الرد ۱/۶۷۲) یعنی اس کو شہید کا ثواب ملے گا۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۲۴ رذوالقعدہ ۱۴۲۱ھ  
الجواب صحیح: عباس داود بسم اللہ

## مکبر کا درمیان نماز میں ”تسمیع“ کہنا

**سوال:** مکبر آدمی امام کے پیچھے ”ربنا لك الحمد“ کے بجائے ”سمع الله لمن حمده“ کہے تو کیا حرج ہے؟ اور بعض مرتبہ مکبر بھول جاتا ہے زور سے کہنا، اور بعض مرتبہ آدمی نماز کے بعد زور سے کہنا شروع کرتا ہے تو کوئی حرج ہے یا نہیں؟

**الجواب:** حامداً ومصلياً ومسلماً

مکبر جو امام کی تکبیرات انتقال لوگوں تک پہنچاتا ہے وہ چوں کہ مقتدی ہوتا ہے، اور مقتدی پر تسمیع نہیں ہے، اس لیے وہ ”ربنا لك الحمد“ کہے ”سمع الله لمن حمده“ نہ کہے؛ لیکن اگر بھول سے کہہ دیا تو نماز ہو جائے گی، زور سے کہنا بھول جانے سے بھی نماز پر کوئی اثر نہیں آوے گا، اگر درمیان نماز اس کی ضرورت پیش آگئی تو درمیان نماز سے کہنا شروع کر سکتا ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانیپوری

## مغرب سے پہلے اور قبرستان میں دعا

**سوال:** قبل المغرب دعا مانگنا کیسا ہے؟ قبر پر کھڑے کھڑے دعا مانگنا کیا حکم رکھتا ہے؟ قبرستان میں اجتماعی دعا مانگنا شرعاً کیسا ہے؟

**الجواب:** حامداً ومصلياً ومسلماً

دعا ہر وقت قبول ہو سکتی ہے اور ہر وقت مقبولیت کی توقع ہے۔ (جواہر الفقہ ۱/ ۳۷۳) اس لیے قبل المغرب بھی دعا مانگنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔

احادیث صحیحہ میں ہے کہ جمعہ کے روز ایک گھڑی ایسی آتی ہے کہ اس میں جو دعا کی جاوے قبول ہوتی ہے؛ مگر اس گھڑی کے تعین میں روایات اور اقوال علماء مختلف ہیں اور محققین کے نزدیک فیصلہ یہ ہے کہ یہ گھڑی جمعہ کے دن دائرہ سائر رہتی ہے کبھی کسی وقت میں آتی ہے؛ مگر تمام اوقات میں سے زیادہ روایات اور اقوال صحابہ رضی اللہ عنہم اجمعین و تابعین وغیرہم سے دو وقتوں کو ترجیح ثابت ہوتی: ان میں سے دوسرا وقت عصر کے وقت غروب آفتاب تک ہے۔ (جواہر الفقہ ۱/۳۷۵)

زیارت قبور کے آداب میں سے یہ بھی ہے کہ کھڑے رہ کر دعا مانگے۔

قال فی الفتح والسنة زیارتها قائما والدعاء عندها قائما کما کان یفعله ﷺ فی الخروج الی البقیع (شای ۱/۶۶۰)

دفن میت کے بعد اجتماعی دعا مستحب ہے۔

وجلس ساعة بعد دفنه لدعاء الخ (در مختار) (قوله وجلس الخ) لما فی سنن ابی داؤد کان النبی ﷺ اذا فرغ من دفن المیت وقف علی قبره وقال: استغفروا لایحکم واسألوا اللہ له التثبیت فانه الآن یسئل الخ (شای ۱/۶۶۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

## نمازی کے نیچے سے چندہ کا ڈبہ گزارنا

**سوال:** نمازی جب قیام میں ہو تو دائیں بائیں والے پیر اور سجدہ کے درمیان

سے چندہ کا چھوٹا ڈبہ گزار سکتے ہیں؟ دوسرے لفظوں میں آگے بڑھا سکتے ہیں؟

**الجواب:** حامداً ومصلياً ومسلماً

یہ چیز نمازی کی توجہ کو نماز سے ہٹانے والی چیز ہے جو جائز نہیں ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد غنی عنہ خانپوری

## فجر کے بعد سونا

**سوال:** فجر کے بعد سونا کیسا ہے؟ حرام یا مکروہ۔ اور مکروہ ہے تو اشراق تک یا اس کے بعد بھی مکروہ ہے؟

**الجواب:** حامداً ومصلياً ومسلماً

مکروہ ہے، طلوع آفتاب تک یہ حکم ہے۔ (درمختار علی ہامش الشامی ۱/ ۲۸۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد غنی عنہ خانپوری، ۲۹ / صفر ۱۳۱ھ

الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ غنی عنہ

## التحيات الخ كاشان نزول

**سوال:** "التحيات لله والصلوات والطيبات" کب اور کہاں یہ دعا نازل ہوئی؟ کیا اس دعا کو نماز میں نہ پڑھنے سے نماز ضائع ہو جاتی ہے؟ معراج میں پانچ نمازیں فرض ہونے سے پہلے جو دو نمازیں فرض تھیں کیا ان نمازوں میں یہ دعا پڑھی جاتی تھی؟

الجواب: حامداً ومصلياً ومسلماً

”کبیری شرح منية المصلى“ میں شیخ ابراہیم حلبی رحمۃ اللہ علیہ نے اس کی تفصیل تحریر فرمائی ہے، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ واقعہ معراج میں حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے ابتدائی کلمات بطور تجنیہ بارگاہ الہی میں عرض کئے، اس کے جواب میں باری تعالیٰ کی طرف سے ”السلام عليك ايها النبي ورحمة الله وبركاته“ فرمایا گیا الخ۔ (کبیری ۳۲۹)

اس کا قعدہ میں پڑھنا واجب ہے، اور اگر بھول سے چھوٹ گئی ہو تو سجدہ سہو واجب ہوگا، اور سجدہ سہو نہ کرنے کی صورت میں نماز کا اعادہ واجب ہوگا۔ (کما هو مصرح فی کتب الفقہ)

ابتدائے اسلام میں پڑھی جانے والی نماز میں اس کے ہونے نہ ہونے کی تصریح کسی کتاب میں نہیں دیکھی۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۳۰/ صفر ۱۴۱۷ھ

الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

## نماز و روزہ کے فدیہ کا حیلہ

سوال: میرے والد بزرگوار خدا کی آغوش رحمت میں روپوش ہو چکے ہیں، خدا ان کو غریق رحمت فرمائے، ان کی زندگی میں زیادہ تر احکام خداوندی میں سے نماز، روزہ سے غفلت ہوئی ہے، اب یہ ہے کہ اس سلسلہ میں کچھ فدیہ کے متعلق وصیت تو کی نہیں ہے، جو ایک تہائی مال میں سے ادا ہو سکتی ہو سکے، دیگر یہ کہ جو ترک ہے اور اس کے



وارثین ہیں، ان میں دونوں بالغ ہیں، اب اگر بالغ ورثاء اپنے اپنے حصص میں ادا کرنا چاہیں تو صلوة وصوم کا کتنا ادا کرے؟ کیا اس میں کسی قسم کا حیلہ کتب فقہ و فتاویٰ میں مرقوم ہے یا نہیں؟ اگر زیادہ فدیہ ہے جس کی ادائیگی ورثاء کے لیے مشکل ہے، تو اب کیا کیا جاوے؟ اور دوسری بات یہ کہ ورثاء کو تمنا بھی ہے کہ ہمارے والد کو کسی طرح فرائض خداوندی سے رہائی حاصل ہو جائے، امید ہے حضرت والا اس سلسلہ میں رہبری فرمائیں گے، عمدۃ الفقہ میں حسب ذیل طریقہ مذکور ہے، جو قلم کے حوالہ کیا جا رہا ہے:

”اگر کسی متوفی نے کچھ ترک نہیں چھوڑا یا جو چھوڑا ہے اس کی تہائی اس کی قضاء نمازوں، روزوں وغیرہ کے کفارہ کے لیے کافی نہیں ہے، یا اسی نے کچھ وصیت نہ کی ہو، تو اس کے وارث پر کوئی چیز واجب نہیں ہے؛ لیکن اگر اس کا وارث اپنی طرف سے احسان کے طور پر ادا کرنا چاہے تو جائز ہے، پس اگر وہ ترکہ میں سے بغیر وصیت کے احساناً فدیہ ادا کرے تو یہ اس وقت جائز ہے کہ ترکہ تقسیم ہو جائے، اور پھر وہ وارث اپنے حصہ میں سے دے یا سب وارث مل کر رضامندی سے دیں، اور ان میں کوئی نابالغ نہ ہو یا نابالغ کا حصہ نکال کر بالغ اپنے حصہ میں سے دے، اور ترکہ نہ ہونے کی صورت میں وارث یہ حیلہ کرے تو جائز ہے کہ نصف صاع گیبوں یا ایک صاع جو یا اس کی قیمت اپنے پاس سے یا قرضہ لے کر کسی مسکین کو فدیہ میں دیدیں، اور اس کا قبضہ کرادیں، اور پھر وہ مسکین اپنی طرف سے اس کے کسی وارث کو ہبہ یا صدقہ کر دے، اور وہ بھی اس پر قبضہ کرے، پھر یہ مسکین کو دیدے، اسی طرح لوٹ پھیر کرتے رہیں؛ یہاں تک کہ سب کفارہ پورا ہو جائے، اور جب بہت زیادہ نمازیں، روزے وغیرہ ہوں تو پھر لوٹ پھیر کے اور کم کرنے کی سہولت کے لیے، مثلاً ایک سال یا دو سال کا فدیہ حساب

کر کے اپنے پاس سے یا قرضہ سے لے کر لوٹ پھیر کریں، اور ایک ایک یا دو دو سال کا حساب کر کے پورا فدیہ ادا کر دیں، اور اگر وصیت کی ہے؛ مگر ترکہ اتنا کافی نہیں کہ سب کا فدیہ ادا ہو سکے تو جس قدر ادا ہو سکتا ہے اس قدر اس تہائی ترکہ میں سے دیا جائے، اور باقی رہی ہوئی نمازوں، روزوں وغیرہ کے لیے وہی حیلہ کریں جو بیان ہوا۔

الجواب: حامداً ومصلياً ومسلماً

ایک روزہ کا فدیہ نئے وزن کے حساب سے ایک کلو چھ سو باسٹھ (۱۶۶۲) گرام گیہوں یا اس کی قیمت ہے، ہر نماز کا فدیہ بھی اسی مقدار ہے، وتر چوں کہ واجب ہے، اس لیے اس کا بھی فدیہ مستقلاً دیا جائے، مورث نے جب وصیت نہیں فرمائی ہے، تو ورثاء پر ترکہ میں سے فدیہ دینا ضروری نہیں ہے؛ لیکن اس کے باوجود وہ دیں گے تو اللہ تعالیٰ کی ذات سے امید ہے کہ قبول کرے گا، اگر ورثاء فدیہ دینے پر قادر نہیں ہیں، یا فوت شدہ نمازوں اور روزوں کی زیادتی کی وجہ سے اس کی مقدار فدیہ پر قادر نہیں ہیں، تو وہ مرنے والے کے لیے دعاء مغفرت کا اہتمام کریں۔

عمدة الفقه کے حوالہ سے آپ نے جو طریقہ نقل فرمایا وہ حیلہ اسقاط کہلاتا ہے، بعض فقہاء نے اس کی صورتیں بتلائی ہیں، جو طریقہ فقہاء نے بتایا ہے وہ اگر پوری طرح ادا کیا جائے تو مباح ہے؛ لیکن لوگ اس کو ضروری اور لازم سمجھ لیتے ہیں، اور پھر وہ ایک رسم بن جاتی ہے اور تارک کو لعن طعن کرنے لگتے ہیں، اس لیے اس کو رواج دینا نہیں چاہیے۔ (ازکفایات الفقی ۳/۱۶۷، ۱۶۸) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

## تشہد میں انگلی اشارہ کے بعد کس طرح رکھیں؟

**سوال:** نماز میں تشہد پڑھتے وقت ”لا“ پر انگلی اٹھاتے ہیں اور ”إلا“ پر انگلی نیچے رکھ دینی چاہیے یا قبلہ کی طرف اشارہ کرنا چاہیے، سنت کیا ہے؟

یہاں پر بعض علماء کا فعل یہ ہے کہ ”إلا“ پر انگلی جھکا دیتے ہیں یعنی انگشت وسطیٰ اور انگوٹھے کا حلقہ بنا کر انگشتِ سبابہ نیچے رکھ دیتے ہیں، اور بعض علماء کا فعل یہ ہے کہ ”إلا“ پر انگشتِ سبابہ سے قبلہ کی طرف اشارہ کرتے ہیں، اور پھر آخر تک یہی صورت رہتی ہے انگشتِ سبابہ کو نیچے نہیں رکھتے، صحیح کیا ہے؟

**الجواب:** حامداً ومصلياً ومسلماً

”إلا الله“ پر انگلی کے اشارہ کو ختم کر کے کچھ نیچے کو رخ کر دیا جائے اور یہ ہیئتِ اخیر تک باقی رہے۔ (فتاویٰ محمودیہ ۶۸/۱۳)

يرفع السبابة عند النفي ويضعها عند الإثبات (شامی ۸/۳۷۷) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

## نماز میں دھیان کا طریقہ

**سوال:** بندہ کو نماز وغیرہ میں اللہ کا دھیان رکھنا ہے، ظاہر ہے کہ تصور پر یہ چیز ہوگی تو اللہ تعالیٰ شکل و صورت سے منزہ ہے؛ مگر دھیان بغیر صورت کے کیسے ہوگا؟ ہمارے سامنے بڑی چیز انسانی صورت ہے، لامحالہ یہی ذہن میں آئے گی تو دھیان

جمانے میں کیا کیا جاوے؟

**الجواب:** حامداً ومصلياً ومسلماً

دھیان کا طریقہ حدیث میں بتلا دیا ہے، جس کا انسانی صورت سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ ”أن تعبد الله كأنك تراه، فإن لم تكن تراه فإنه يراك“ (مشکوٰۃ ۱۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۲۵/ محرم الحرام ۱۴۱۸ھ  
الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

## نماز میں وساوس کا علاج

**سوال:** جب میں نماز کے لیے مسجد میں جاتا ہوں تو آپ ﷺ کی حدیث ہے کہ جو شخص رکوع یا سجدے میں (یا انہیں کہ رکوع کا لفظ ہے یا سجدے کا) امام سے پہلے چلا جائے تو اللہ تعالیٰ اس کے چہرے کو گدھے کا سا کر دیں گے اور میں امام کے رکوع یا سجدے میں جانے کے بعد رکوع یا سجدہ کرتا ہوں تب بھی مسخیت کے خیالات آتے ہیں کہ تجھے (یعنی مجھے) آزمانا ہو تو آزما لے کہ اللہ تعالیٰ مسخیت کے اوپر قادر ہے کہ نہیں تو میں دل ہی دل میں کہتا ہوں مجھے نہیں آزمانا اور یہ کہتا ہوں إن اللہ علی کل شیء قدير تو پوچھنا یہ ہے کہ ان خیالات کو دور کرنے کے لیے مجھے کیا کرنا چاہیے؟

**الجواب:** حامداً ومصلياً ومسلماً

ان خیالات کو دور کرنے کے لیے ان کی طرف کوئی توجہ کرنے کی ضرورت نہیں بلکہ آپ نماز میں جو تلاوت و تسبیحات وغیرہ ادا کرتے ہیں ان کی طرف اپنی

توجہ مرکوز رکھیں تو خود بہ خود دیگر خیالات سے حفاظت ہو جائے گی۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

أماہ: العبد احمد خانپوری، ۴ شعبان المعظم ۱۴۲۳ھ

الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ

## تکبیر اولیٰ کا وقت کب تک رہتا ہے؟

**سوال:** ایک مقتدی آدمی امام کی نماز شروع ہو جانے کے بعد شامل ہوا، اب کہاں تک شامل ہونے سے کہا جائے گا کہ اس نے تکبیر اولیٰ پالی؟ مختصراً یہ کہ تکبیر اولیٰ کا وقت کب تک رہتا ہے؟

**الجواب:** حامداً ومصلياً ومسلماً

جو آدمی پہلی رکعت کے رکوع میں امام کے ساتھ شریک ہو جائے اس کو یہ فضیلت حاصل ہو جاتی ہے، اس مسئلہ میں قول صحیح یہی ہے۔ (فتاویٰ محمودیہ ۲/۲۵۸) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عنی عنہ خانپوری، ۷ شعبان ۱۴۱۶ھ

## دو وقتوں کی نماز ساتھ پڑھنا

**سوال:** یہاں معمولی سی بارش کی وجہ سے ایک ساتھ دو وقتوں کی نماز ایک ساتھ پڑھی جاتی ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ سنت ہے تو کیا یہ کسی امام کے نزدیک جائز ہے؟

**الجواب:** حامداً ومصلياً ومسلماً

حنفیہ کے نزدیک یہ جائز نہیں ہے۔ ہر ایک نماز اپنے اپنے وقت میں پڑھنا ضروری ہے۔ البتہ یوم عرفہ کو حاجی کے لیے عرفات میں ظہر و عصر کو جمع کرنے کا حکم چند

شرائط کے ساتھ ہے۔ اور مزدلفہ میں مغرب و عشاء کو، اس کے علاوہ میں جائز نہیں ہے۔ امام شافعی و امام مالک وغیرہ کے نزدیک بعض صورتوں میں (چند شرائط کے ساتھ) اس کی اجازت ہے۔ (او جز المسائلک ۳/ ۸۴) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۲۰/ ربیع الاول ۱۴۱۳ھ

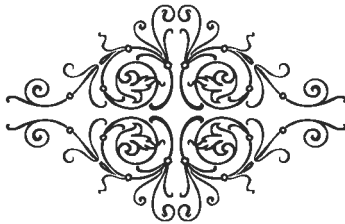
## نسبندی کرانے والے کی نماز و روزہ کا حکم

**سوال:** آدمی ہو یا عورت نسبندی کرنے سے اولاد کا ہونا بند ہو جاتا ہے، کیا ایسے آدمی کی نماز اور روزہ اللہ کے یہاں قبول ہوتا ہے یا نہیں؟

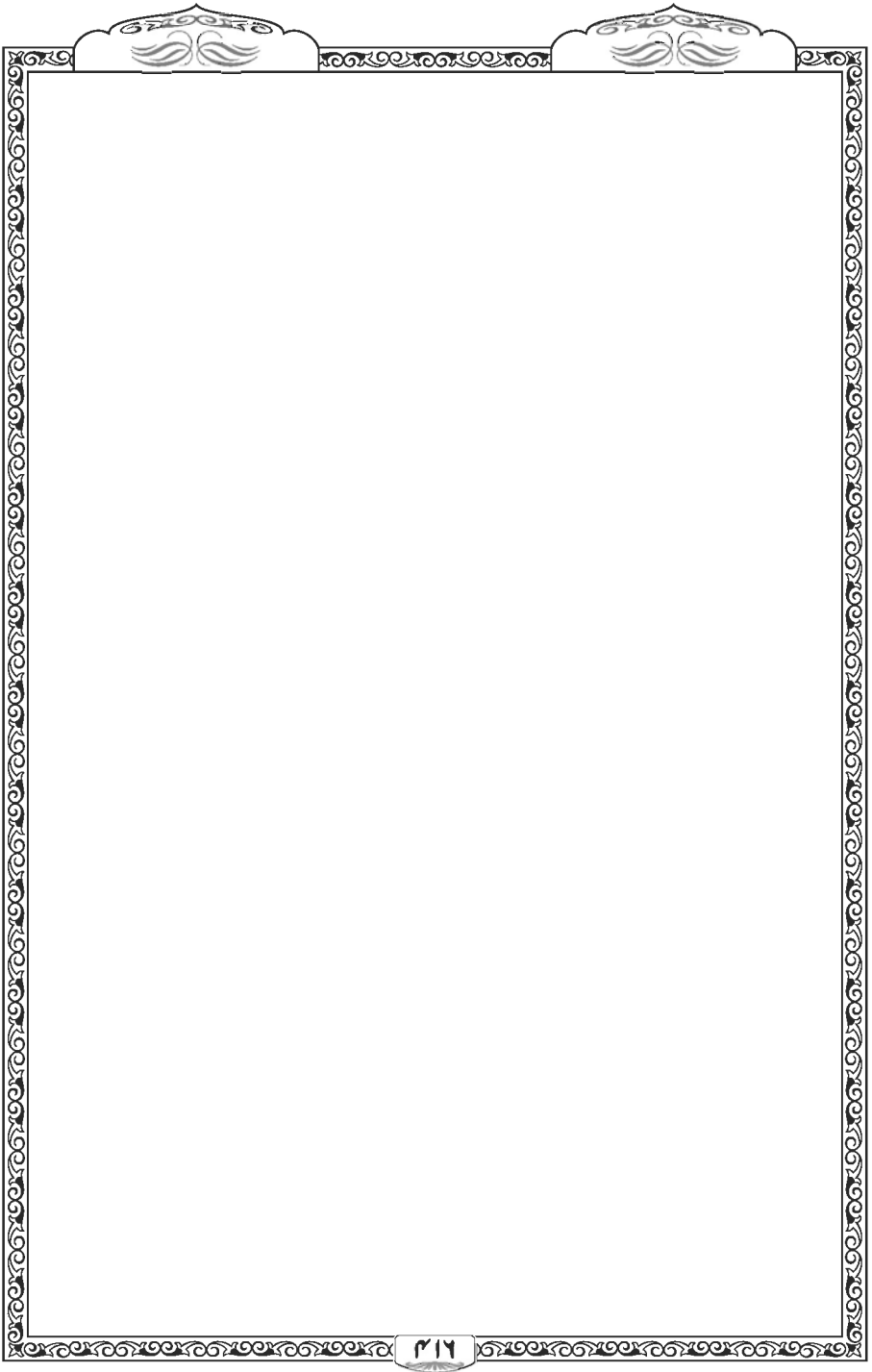
**الجواب:** حامداً و مصلياً و مسلماً

نسبندی کرانا گناہ ہے، رہا نماز و روزہ کا قبول ہونا، یہ اللہ تعالیٰ کے اختیار کی چیز ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری



# كتاب الزكاة





## باب وجوب الزکوٰۃ

زکوٰۃ کے چند مسائل: حوائجِ اصلیہ کی تحدید نہیں

سوال ①: حوائجِ اصلیہ (زکوٰۃ کے باب میں) کیا ہیں؟ فی زمانہ کونسی چیزیں حوائجِ اصلیہ میں داخل ہوں گی؟ عام فہم زبان میں سمجھائیں۔

② ایک آدمی نوکری کرتا ہے، اس کو مثلاً ۵ / ہزار روپیہ وظیفہ (Salary) ملتا ہے، اس میں سے تقریباً ۴ / ہزار روپے خرچ ہو جاتے ہیں، ایک ہزار یا کبھی اس سے کم روپے بچتے ہیں، پورا سال اسی طرح ہوتا ہے، اس شخص کے پاس ایک تولہ سونا بھی ہے، تو کیا اس پر زکوٰۃ واجب ہوگی؟

③ ایک شخص کے پاس صرف پانچ سو (۵۰۰) روپے ہیں اور دو تولہ سونا ہے، تو کیا اس پر زکوٰۃ واجب ہوگی؟

④ ایک شخص کی دوکان ہے، تو مال تجارت پر وہ زکوٰۃ کس حساب سے دے گا، خرید کی قیمت پر یا فروخت کی قیمت پر؟ اگر فروخت کی قیمت ہو تو اگر یہ شخص ایک ہی چیز تیس روپے میں بیچتا ہے، بیچنے وہی کبھی ۷۰ / روپے میں بیچتا ہے، مطلب کوئی قیمت فکس نہیں ہے، تو زکوٰۃ کیسے دے گا؟

⑤ تاجر کے پاس جو نقد روپے ہوتے ہیں اس میں روزانہ کمی بیشی ہوتی رہتی ہے، کبھی لاکھ، کبھی دس ہزار، کبھی ہزار، کبھی سو؛ تو وہ زکوٰۃ کے لیے حساب کیسے لگائے گا؟

⑥ چاندی ۲۹ / ہزار روپے کلو ہو تو کتنے روپے پر زکوٰۃ واجب ہوگی؟

⑥ ایک شخص ظاہراً تندرست جوان ہے، ایسے شخص کو زکوٰۃ دینے سے زکوٰۃ ادا ہو جائے گی؟

⑧ بہت سے بھیک مانگنے والے صاحب نصاب ہوتے ہیں یا غیر مسلم ہوتے ہیں، بظاہر ان کی یہ حالت زکوٰۃ دینے والے کو پتہ نہیں ہوتی تو، کیا ان کو زکوٰۃ دے دی تو ادا ہوگی یا نہیں؟

⑨ ایک شخص ہے (مرد ہو یا عورت) اس کے پاس بڑا گھر ہے، سامان راحت ہے، اس کے بچے کماتے ہیں اور اس کو پالتے ہیں، بظاہر خود یہ شخص کچھ نہیں کر رہا ہے، تو اس کو زکوٰۃ دینا کیسا ہے؟

⑩ ایک آدمی نے ۱۰۰ روپے کے حساب سے ۵۰۰/ شیئرز (حصص) لیے تھے، ایک سال کے بعد اس کی قیمت ۳۰/ روپے ہو گئی، تو اس پر زکوٰۃ کس حساب سے واجب ہوگی؟

الجواب: حامداً ومصلياً ومسلماً

① حوائجِ اصلیہ میں وہ اشیاء داخل ہوتی ہیں جن کے بغیر انسان کو ہلاکت کا خطرہ ہو، مثلاً: ضروری نفقہ، رہائشی مکانات، اخراجات، آلاتِ جنگ اور سردی، گرمی کے وہ کپڑے جن کی اپنے موسم کے اعتبار سے ہر وقت ضرورت ہوتی ہے؛ نیز وہ اشیاء جن کے بارے میں انسان ہر وقت صحیح معنی میں متفکر رہتا ہے، مثلاً: واجب الادا قرضہ، پیشہ اور کاریگری کے اوزار و آلات اور گھر کے ضروری اثاث و سامان اور سواری کے جانور اور علماء کے لیے دینی کتابیں یہ سب حوائجِ اصلیہ میں شامل ہیں؛ لہذا اگر کسی کے



زکوٰۃ واجب ہوگی۔ (فتاویٰ دارالعلوم زکریا ۳/۱۱۵، ۱۱۶ سے ماخوذ)

② اس کے پاس نقد روپیہ جو بھی موجود ہو، اور ایک تولہ سونے کی بازار میں جو قیمت ہے وہ دونوں ملا کر ۳۵-۶۱۲ گرام چاندی کی قیمت کے برابر ہو جاتا ہے تو اس پر زکوٰۃ واجب ہوگی۔

③ اگر پانچ سو روپے اور ساتھ میں دو تولہ سونے کی قیمت ملا کر ۳۵-۶۱۲ گرام چاندی کی قیمت کے برابر ہو جاتی ہے تو اس پر زکوٰۃ واجب ہوگی۔

④ زکوٰۃ کی ادائیگی میں قیمت فروخت کا اعتبار ہوگا، زکوٰۃ دیتے وقت بازار میں اس مال کی جو قیمت ہوگی وہ معتبر ہے۔

⑤ جس تاریخ کو زکوٰۃ کا سال پورا ہو رہا ہے اس روز جو نقد اس کے پاس موجود ہے اس کو حساب میں جوڑ لے۔

⑥ چاندی کا نصاب ۳۵-۶۱۲ گرام ہے، ایک گرام چاندی کی جو قیمت ہو اس کو اس میں ضرب دے دیا جائے، صورتِ مسئلہ میں 15.17758 روپے ہوتے ہیں۔

⑦ اگر اس کے پاس چاندی کے نصاب کی قیمت کے بقدر حوائجِ اصلیہ سے زائد مال موجود نہ ہو، تو اس کو زکوٰۃ دینے سے ادا ہو جائے گی۔

⑧ زکوٰۃ دینے والے کے لیے ضروری ہے کہ تحقیق کر لے، ظاہری قرائن سے مستحق سمجھ کر زکوٰۃ دے دی، بعد میں اس کا صاحبِ نصاب ہونا معلوم ہوا تب بھی زکوٰۃ ادا ہو جائے گی، اور اگر بعد میں اس کا غیر مسلم ہونا معلوم ہوا تو زکوٰۃ ادا نہیں ہوگی، دوبارہ زکوٰۃ ادا کرے۔

۹) اگر اس کی ملکیت میں حوائجِ اصلیہ کے علاوہ اتنا مال موجود ہو جس کی قیمت ۳۵-۶۱۲ گرام چاندی کی قیمت کے برابر ہے اگرچہ وہ مال تجارت کا نہ ہو، تو ایسے آدمی کو زکوٰۃ دینا درست نہیں۔

۱۰) زکوٰۃ کا سال جس روز ختم ہو رہا ہے اس روز شیئرز کی جو قیمت ہوگی اس کے مطابق حساب لگائے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

املاءہ: العبد احمد غنی عنہ خانیپوری، یکم شعبان المعظم ۱۴۳۳ھ  
الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ الجواب صحیح: عبدالقیوم راجکوٹی

## کتنی رقم پر زکوٰۃ واجب ہے؟

سوال: سات تولہ سونا یا باون تولہ چاندی پر زکوٰۃ واجب ہوتی ہے، رقم کتنی ہو جس پر زکوٰۃ واجب ہوگی؟ واضح فرمائیں۔

الجواب: حامداً ومصلياً ومسلماً

ساڑھے باون تولہ چاندی کی قیمت کے برابر رقم ہوگی، تو اس پر زکوٰۃ واجب ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد غنی عنہ خانیپوری

## زکوٰۃ میں حوائجِ اصلیہ کی تشریح

سوال: ۱) ایک مولوی صاحب جو شرعاً غریب ہیں، اُن کے پاس مکان بنانے کے لیے کہیں سے زکوٰۃ کی رقم آئی، تو اس زکوٰۃ کی رقم پر بعد حوالانِ حول زکوٰۃ

واجب ہے یا نہیں؟

② حاجتِ اصلیہ میں کون کون سی اشیاء داخل ہیں؟

③ حاجتِ اصلیہ کی حد کتنے زمانہ تک کی ہے؟

④ اگر زکوٰۃ کی رقم پر زکوٰۃ واجب ہو تو پھر اب وہ شرعاً مالدار ہے؛ لہذا اب

اُس کے لیے مکان وغیرہ حاجتِ اصلیہ کے لیے اخذِ زکوٰۃ کا کیا حکم ہے؟

⑤ اگر کسی (اہلیہ وغیرہ) کو مالک بنا کر اخذِ زکوٰۃ کرے تو شرعاً کیا حکم ہے؟

⑥ مکان کے لیے جمع کی گئی رقم کا شمار حاجتِ اصلیہ میں ہے یا نہیں؟ جب کہ

حاجتِ اصلیہ میں سے اُن کا مکان مستقل نہیں ہے۔

الجواب: حامداً ومصلياً ومسلماً

① واجب ہے۔

إن الزكاة تجب في النقد كيف ما أمسكه للنماء أو للنفقة (شامي ۶/۲)

② حاجتِ اصلیہ سے مراد وہ اشیاء ہیں جن کے ذریعہ آدمی اپنی ذات سے

ہلاکت دور کرتا ہو۔

وفسرہ ابن ملك بما يدفع عنه الهلاك، تحقيقاً كثيابه، أو تقديراً

كدينه (در مختار علی هامش الشامي ۶/۲)

اس میں رہائشی مکان، استعمالی کپڑے اور گھریلو ضروری سامان، سواری کا

جانور، خدمت کے غلام اور ضروری ہتھیار داخل ہیں۔

كلام الهداية مشعر بأن المراد نفس الحوائج، فإنه قال: وليس في

دور السكنى وثياب البدن وأثاث المنازل ودواب الركوب وعبيد الخدمة

وسلاح الاستعمال زکاۃ، لأنها مشغولة بحاجته الأصلية، وليست بنامية  
أيضاً، اه (شامی ۶/۲)

③ جب تک آدمی زندہ ہے اس کی حاجت باقی ہے۔ کما هو ظاهر  
④ اُس کے پاس آنے کے بعد اب وہ اُس کی ملک ہوگی، زکوٰۃ کی رقم نہیں  
رہی، اور اس کا حکم عبارت منقولہ نمبر (۱) کے مطابق ہو گیا؛ اس لیے اب وہ صاحبِ  
نصاب ہونے کی وجہ سے زکوٰۃ نہیں لے سکتا۔

⑤ اُس رقم کو اپنی ملکیت سے نکال دینے کے بعد وہ صاحبِ نصاب نہیں رہا تو  
اپنی ضرورت کے لیے (کوئی دے تو) زکوٰۃ لے سکتا ہے، سوال پھر بھی نہ کرے۔

⑥ خود مکان حاجتِ اصلیه میں داخل ہے۔ نقد رقم اس مقصد کے لیے جمع کر  
رکھی ہے تو اُس پر زکوٰۃ واجب ہوگی بشرطیکہ بقدرِ نصاب ہو۔ کما تدل علیہ  
عبارة الهدایة المنقولة عن الشامي.

آپ ایسا کیجیے کہ جوں جوں رقم آتی رہے اُس کو جمع کرنے کے بجائے مکان کا  
سامان (ککڑی، اینٹ وغیرہ) خریدنے میں صرف کرتے رہیے تو کوئی اشکال نہیں  
رہے گا۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔  
کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

کیا ٹی وی اور کمپیوٹر کا شمار حوائجِ اصلیه میں ہے؟

سوال: صدقہ فطر کن لوگوں پر واجب ہے؟ گھر میں رکھے ہوئے ٹی وی،  
ریڈیو، کمپیوٹر کی مالیت کو بھی نصاب میں شمار کریں گے یا نہیں؟ یعنی ضرورتِ اصلیه کی  
اشیاء کے علاوہ میں۔

**الجواب:** حامداً ومصلياً ومسلماً

جو لوگ حوائجِ اصلیہ کے علاوہ مقدارِ نصاب کے مالک ہوں، چاہے اُس نصاب پر سال نہ گزرا ہو، اور چاہے وہ نامی یعنی بڑھنے والا نہ ہو، تب بھی اُس پر صدقہ فطر واجب ہے، ٹی وی حوائجِ اصلیہ میں داخل نہیں، اور کمپیوٹر اگر اُس کے ذریعہ معاش کا حصہ ہے تو وہ حوائجِ اصلیہ میں داخل شمار ہوگا؛ ورنہ نہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

**ضرورت کے لیے جو رقم ہے کیا اُس پر زکوٰۃ ہوگی؟**

**سوال:** ایک شخص کے پاس کئی ہزار روپیے جمع ہیں، اُس پر سال بھی گذر چکا ہے؛ مگر اُس کے پاس نہ مکان ہے اور نہ ہی گھریلو سامان، ابھی شادی بھی نہیں کی، ان ہی ضروریات کے لیے روپیہ جمع کر رکھا ہے، اس پر زکوٰۃ فرض ہے یا نہیں؟

**الجواب:** حامداً ومصلياً ومسلماً

اس پر زکوٰۃ فرض ہے، البتہ اگر سال پورا ہونے سے قبل تعمیر مکان کا سامان یا گھریلو استعمال کی اشیاء وغیرہ خرید لے، تو زکوٰۃ فرض نہ ہوگی۔ (احسن الفتاویٰ ۲/۴۹۱ بحوالہ شامی ۲/۷) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

**حج کے لیے جمع کرائی ہوئی رقم پر زکوٰۃ کا حکم**

**سوال:** ایک شخص رمضان میں زکوٰۃ نکالتا ہے، اس سال حج میں جانے کا ارادہ



ہے؛ لہذا حج کو جانے کے لیے پیشگی رقم جمع کرائی ہے، اب اس کی روانگی شعبان میں متوقع ہے؛ لہذا جو رقم جمع کی گئی ہے اُس کی زکوٰۃ نکالنی ہوگی یا نہیں؟

(الجواب): حامداً ومصلياً ومسلماً

آمدورفت کا کرایہ اور معلم وغیرہ کی فیس کے لیے جو رقم دی گئی ہے اُس پر زکوٰۃ نہیں ہے، اس سے زائد رقم جو کرنسی کی صورت میں اُس کو واپس ملے گی اُس میں سے یکم رمضان المبارک تک جتنی رقم بچے گی اُس پر زکوٰۃ فرض ہے، جو خرچ ہوگئی اُس پر نہیں۔ (احسن الفتاویٰ ۳/۲۶۳ بحوالہ شامی ۱/۷) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عنی عنہ خانپوری

## گھر کے لیے جمع شدہ رقم پر زکوٰۃ اور حج کا حکم

(سوال): ایک شخص برطانیہ میں رہتا ہے جہاں پر گھر بہت گراں بکتے ہیں، معمولی مکان خریدنے کے لیے ۳۰،۳۵ ہزار پاؤنڈ ہوتے ہیں، اور عام معمولی شخص کی تنخواہ ۱۲۵ پونڈ ہفتہ کے ہوتی ہیں برطانیہ میں عام طور پر لوگ گھر خریدنے کے لیے بنک کی لون لیتے ہیں، جس پر سود لگتا ہے، اور آدمی کی اکثر زندگی اسی میں چلی جاتی ہے، اب ایسی حالت میں جب کہ تنخواہ کم، اور گھر کی قیمت زیادہ، اور سودی معاملہ سے پرہیز کرنے کے لیے ایک شخص کرایہ پر رہتا ہے، اور پیسہ جمع کرتا ہے؛ تاکہ گھر خرید لے، تو اس رقم پر جو گھر خریدنے کے لیے ہے، کیا اس پر زکوٰۃ ادا کرنی پڑے گی؟ امداد الفتاویٰ میں احتیاطاً ادا کرنے کو لکھا ہے، مگر اوپر کی حالت کو مدنظر رکھتے ہوئے، نیز اقتصادی حالت پر غور

کرتے ہوئے، زکوٰۃ نہ ادا کرنے کی صورت ہو سکتی ہے؟ اسی طریقہ سے کیا ایسے شخص پر حج فرض ہوگا کہ نہیں؟

**الجواب:** حامداً ومصلياً ومسلماً

علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ نے اس مسئلہ پر جو بحث فرمائی ہے اس سے تو یہی معلوم ہوتا ہے کہ اس رقم پر زکوٰۃ فرض ہے۔

فالاولى التوفيق بحمل مافي البدائع وغيرها على ما زاد امسكه ينفق منه كلما يحتاجه فحال الحول وقد بقى معه منه نصاب أنه يركى ذلك الباقي وإن كان قصده الانفاق منه أيضا في المستقبل لعدم استحقاق صرفه إلى حوائجه الأصلية وقت حولان الحول بخلاف ما إذا حال الحول وهو مستحق الصرف إليها (شامی ۷۲)

جس زمانہ میں لوگ حج کو جا رہے ہیں اور اس آدمی کے پاس یہ رقم موجود ہے تو اس پر حج بھی فرض ہوگا۔

وان لم يكن له مسكن ولا شى من ذلك وعنده دراهيم تبلغ به الحج وتبلغ ثمن مسكن وخادم وطعام وقوت وجب عليه الحج وإن جعلها في غيره أثم لكن هذا إذا كان وقت خروج أهل بلده كما صرح به في اللباب أما قبله فيشتري به ما شاء لأنه قبل الوجوب الخ (شامی ۱۵۶/۲) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عنی عنہ خانپوری، جمادی الاخریٰ ۱۳۱۳ھ

الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عنی عنہ

## ٹریکٹر، سلائی مشین اور حج کے لیے جمع رقم پر زکوٰۃ کا وجوب

**سوال:** کسی کے پاس ٹریکٹر ہے جس سے گھر پر کھیتی کا کام بھی کرتا ہے اور باہر بھی جاتا ہے اور کماتا ہے سرکاری کام بھی کرتا ہے، جس سے آمدنی بھی آتی ہے، تو کیا ٹریکٹر میں زکوٰۃ ہے یا نہیں؟ اگر نہیں تو اس کی آمدنی میں زکوٰۃ ہے کہ نہیں؟ اور ایک آدمی سلائی کا یا بھرت کا کام کرتا ہے اور پانچ ہزار کی مشین ہے تو اس میں زکوٰۃ ہے یا نہیں؟ ایک آدمی مال جمع کرتا ہے اور قیمت زیادہ ہونے پر بیچتا ہے تو اس مال پر کبھی کبھی سال بھی گزر جاتا ہے تو اس پر زکوٰۃ ہے؟ اور حاجی نے حج کے لیے پیسے جمع کئے پچاس ہزار پڑے ہیں سال پورا گذر گیا؛ لیکن نیت حج کی ہے تو ان پیسوں میں زکوٰۃ ہے یا نہیں؟ یا پیسے تو تھے مگر سال پورا نہ ہوا تھا، دس مہینے ہوئے تھے کہ حج کے ٹکٹ اور خرچہ کے لیے بھردے پھر سال پورا ہوا تو اب زکوٰۃ ہے یا نہیں؟ اگر زکوٰۃ ہے تو جو پیسے واپس مکہ میں ملنے والے ہیں ان کی ہے یا پورے پیسوں کی زکوٰۃ ہے؟

**الجواب:** حامداً ومصلياً ومسلماً

ٹریکٹر مال نامی نہیں ہے اس لیے اس میں زکوٰۃ واجب نہیں ہے۔ اس کی آمدنی اگر بقدر نصاب ہے اور حاجت اصلیہ سے زائد ہونے کے ساتھ اس پر سال گذر گیا تو زکوٰۃ واجب ہوگی۔ بھرت کا کام کرنے والے کی مشین میں زکوٰۃ واجب نہیں ہے۔ جس مال کو وہ جمع کر رہا ہے وہ اگر خریدتا ہے اور اسی لیے کہ قیمت زیادہ ہونے پر بیچنا مقصود ہے تو اس مال پر سال گذرنے سے زکوٰۃ واجب ہوگی۔ حج کے لیے جو رقم جمع کی گئی ہے اس پر سال گذرنے پر زکوٰۃ واجب ہوگی۔ اور سال ختم ہونے سے پہلے

اس رقم سے ٹکٹ وغیرہ خرید لیا تو اب اس رقم پر زکوٰۃ نہیں ہے البتہ جو رقم واپس مکہ مکرمہ میں ملے گی اس میں سال ختم ہو چکا ہے تو زکوٰۃ واجب ہوگی۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۳۰/ محرم الحرام ۱۴۱۳ھ

## شادی پر دینے کے لیے رکھے ہوئے زیورات پر زکوٰۃ

**سوال:** کسی صاحب نصاب نے اپنی بیٹی کے لیے زیور کا ایک سیٹ ۵/ تولہ کا خرید کر رکھا ہے اس کی شادی پر اس کو دیں گے، تو اس ۵/ تولہ پر زکوٰۃ ہوگی؟

**الجواب:** حامداً ومصلياً ومسلماً

جی ہاں! اس آدمی پر اس کی زکوٰۃ واجب ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۲۰/ رمضان ۱۴۱۷ھ

## روزانہ پس انداز رقم کی زکوٰۃ کب ادا کرے؟

**سوال:** بکر روزانہ پچاس روپیہ جمع کرتا ہے، ایک برس بعد اٹھارہ ہزار جمع ہوں گے، اس کی زکوٰۃ کس طرح دی جائے؟ کیوں کہ اٹھارہ ہزار کو ایک سال کامل نہیں گذرا۔

**الجواب:** حامداً ومصلياً ومسلماً

اگر پہلے سے اس کے پاس سونا، چاندی یا دوسری نقد رقم کی شکل میں مقدار نصاب موجود ہے، تو اس اصل نصاب پر سال گذرنے سے اس زائد جمع شدہ کی زکوٰۃ بھی واجب ہو جائے گی، اس کے ساتھ اس کی زکوٰۃ بھی ادا کرے، اور اگر اس کے

پاس پہلے سے کوئی نصاب سونا، چاندی یا نقد کی صورت میں موجود نہیں ہے، تو روزانہ پس انداز ہونے والے یہ پچاس روپے کی مجموعی تعداد چاندی کے نصاب (ساڑھے باون تولہ چاندی) کی قیمت کے بقدر ہو جائے، اس دن سے سال کی ابتداء ہوگی، وہ جب مکمل ہو جائے تو مکمل ہونے کے دن جتنی بھی رقم ہوگی (یعنی بعد میں اس میں جو اضافہ ہوا اس کو بھی داخل کر لیا جائے) سب کی زکوٰۃ ادا کرے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۱۴ / شعبان المعظم ۱۴۱۱ھ

الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

## حکومت کی طرف سے بچوں کو دی جانے والی امداد پر زکوٰۃ

**سوال:** اس ملک میں حکومت کی طرف سے قانون ہے کہ: ہر بچہ کی پیدائش سے لے کر اٹھارہ سال تک حکومت کی طرف سے سالانہ ۴۰۰ / چار سو ڈالر کے حساب سے امداد کی جاتی ہے، اور یہ ساری رقم اٹھارہ سال پورے ہونے کے بعد اس بچہ ہی کو دی جاتی ہے نہ کہ اُس کے والدین کو، اور بالفرض والتقدیر اگر یہ بچہ اٹھارہ سال پورے ہونے سے پہلے ہی وفات پا جائے، تو یہ ساری رقم اُس کے والدین کو نہیں دی جاتی؛ بلکہ حکومت غریبوں، مساکین کے درمیان تقسیم کر دیتی ہے۔ اب پوچھنا یہ ہے کہ: اس رقم کا مالک بچہ ہوگا یا نہیں؟ نیز اٹھارہ سال پورے ہونے کے بعد یہ رقم بچہ کو دے دی گئی تو اس رقم میں زکوٰۃ واجب ہوگی یا نہیں؟ اگر ہوگی تو والدین پر ہوگی یا بچہ پر؟ اگر بچہ پر ہوگی تو مکمل اٹھارہ سال کی واجب ہوگی یا پھر بعد البلوغ والے سالوں کی؟ اس آخری مسئلہ کی صورت یہ ہے کہ: حکومت کا ایک پلان ہے کہ بچے کے نام

سے ہر ماہ ۵۰ / ڈالر جمع کروائیں، (پیدائش سے لے کر ۱۸ / سال کی عمر ہونے تک) اب اٹھارہ سال ہونے پر بچے کو مثلاً ستر ہزار ڈالر ملے گا، جو خاصۃً بچوں کی کالج یا یونیورسٹی کی پڑھائی کے خرچ میں کام آئیں گے، اُن ڈالر پے زکوٰۃ کا کیا مسئلہ رہے گا؟ زکوٰۃ کیسے ادا کریں گے؟

**الجواب:** حامداً ومصلياً ومسلماً

حکومت کی طرف سے سالانہ چار سو ڈالر کے حساب سے جو امداد بچہ کو اٹھارہ سال پورے ہونے کے بعد دی جاتی ہے، تو چوں کہ یہ رقم حکومت کی طرف سے ایک قسم کی امداد ہے؛ اس لیے جب تک بچہ کے ہاتھ میں وہ نہیں آئے گی وہاں تک وہ اُس کا مالک نہیں کہلائے گا، اور چوں کہ اٹھارہ سال پورے ہونے پر یہ رقم اُس کو دی جاتی ہے؛ اس لیے جس وقت یہ رقم اُس کو دی جائے گی، اُس وقت وہ اُس کا مالک ہو کر صاحب نصاب بھی کہلائے گا، اب رقم ملنے پر ایک سال پورا ہونے پر اُس رقم پر زکوٰۃ کی ادائیگی واجب ہوگی؛ البتہ اگر اُس کی ملک میں پہلے سے بقدر نصاب مال موجود ہے تو اس صورت میں اُس نصاب پر جب سال پورا ہوگا، اس رقم کی زکوٰۃ بھی اُسی کے ساتھ لازم ہوگی۔

نوٹ: اس سوال کے آخری پیرا گراف میں مسئلہ کی جو صورت آپ نے تحریر فرمائی ہے، وہ سمجھ میں نہیں آئی۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

املاہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۹ / صفر المظفر ۱۴۲۵ھ

الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ

## بچوں کے نام بینک میں جمع رقم کی زکوٰۃ کس پر ہے؟

**سوال:** بچوں کے نام بینک میں کھاتے کھولے ہیں، ہر ماہ اس میں کچھ رقم پابندی سے جمع ہوتی ہے، اس پر مجھے زکوٰۃ دینی ہوگی یا نہیں؟

**الجواب:** حامداً ومصلياً ومسلماً

اگر وہ رقم بچوں کی ہے، اور ان کی نیت سے ہی جمع کراتے ہیں تو اس رقم کی زکوٰۃ آپ پر واجب نہیں، اس لیے کہ وہ آپ کی ملک نہیں رہی؛ بلکہ بچوں کی ملک ہوگئی، اور اگر آپ کی نیت بچوں کو دینے کی نہیں؛ بلکہ صرف قانونی بچاؤ کی غرض سے ان کے نام پر جمع کرائی ہے، تو وہ رقم آپ کی ہی ہے، اگر آپ صاحب نصاب ہیں تو اس کی زکوٰۃ بھی آپ پر واجب ہوگی، پہلی صورت میں بچے خود چوں کہ نابالغ ہیں اس لیے ان پر زکوٰۃ واجب نہیں، ہاں بالغ ہو جانے کی صورت میں اگر ان کی ملک میں بقدر نصاب مال ہے تو زکوٰۃ واجب ہوگی۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد غنی عنہ خانپوری

## پراویڈنٹ فنڈ پر زکوٰۃ

**سوال:** سرکاری ملازمین کے پراویڈنٹ فنڈ میں لاکھوں روپیے جمع رہتے ہیں، یہ ایسی رقم ہوتی ہے جسے ملازمین اپنی ضرورت کے وقت نکال سکتے ہیں، کیا اس رقم پر زکوٰۃ واجب ہے؟

الجواب : حامداً ومصلياً ومسلماً

تنخواہ سے جو رقم پر ایڈنٹ فنڈ میں کاٹی جاتی ہے اور اُس پر ماہ بہ ماہ جو اضافہ محکمہ اپنی طرف سے جمع کرتا ہے، پھر مجموعہ پر جو رقم سالانہ (بنام سود یا انٹرسٹ) ملازم کے حساب میں جمع کرتا ہے، امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے مذہب پر ان میں سے کسی رقم پر سالہائے گذشتہ کی زکوٰۃ واجب نہیں، ہاں! وصول ہونے کے بعد سے ضابطہ کے مطابق اُس پر زکوٰۃ واجب ہوگی، جس کی تفصیل آگے آرہی ہے؛ مگر صاحبین رحمۃ اللہ علیہم کے نزدیک یہ رقم وصول ہونے کے بعد سالہائے گذشتہ کی زکوٰۃ بھی واجب ہوگی؛ لہذا اگر کوئی شخص تقویٰ اور احتیاط پر عمل کرتے ہوئے سالہائے گذشتہ کی زکوٰۃ بھی دے دے تو افضل اور بہتر ہے، نہ دے تو کوئی گناہ نہیں؛ کیوں کہ فتویٰ امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے قول پر ہے، فنڈ تنخواہ جبری ہو یا اختیاری، زکوٰۃ کے مسائل میں دونوں کے احکام یکساں ہیں۔

مذکورہ بالا حکم اُس وقت ہے جب کہ ملازم نے اپنے فنڈ کی رقم اپنی ذمہ داری پر کسی دوسرے شخص یا کمپنی وغیرہ کی تحویل میں منتقل نہ کروادی ہو، اگر ایسا کیا یعنی اپنے فنڈ کی رقم اپنی طرف سے اپنی ذمہ داری پر کسی شخص یا بینک، بیمہ کمپنی، کسی اور مستقل تجارتی کمپنی یا ملازمین کے نمائندوں پر مشتمل بورڈ وغیرہ کی تحویل میں دلاوادی، تو یہ ایسا ہے جیسے خود اپنے قبضہ میں لے لی ہو؛ کیوں کہ اس طرح جس کمپنی وغیرہ کو یہ رقم منتقل ہوئی وہ اُس ملازم کی وکیل ہوگی، اور وکیل کا قبضہ شرعاً موکل کے قبضہ کے حکم میں ہے؛ لہذا جب یہ رقم اُس کمپنی وغیرہ کی طرف منتقل ہوگی اُس وقت اُس پر زکوٰۃ کے احکام جاری ہو جائیں گے، اور ہر سال کی زکوٰۃ ضابطہ کے مطابق واجب ہوتی



رہے گی۔ (پراویڈنٹ فنڈ پر زکوٰۃ اور سود کا مسئلہ ۲۶، ۲۷) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

## پراویڈنٹ فنڈ پر زکوٰۃ کے مختلف مسائل

**سوال:** ① سرکاری ملازم کے پراویڈنٹ فنڈ کے نام سے جو پیسے سرکاری تجوری میں جمع ہوتے ہیں، اس پر زکوٰۃ واجب ہے یا نہیں؟ (پراویڈنٹ فنڈ کی رقم ملازم اپنے اختیار سے جب چاہے نکال نہیں سکتا)۔

② پراویڈنٹ فنڈ دو قسم کا ہوتا ہے: ایک فرضیات، دوسرا مرضیات، فرضیات فنڈ تنخواہ پر اسے ۱۰ فی صد تک ہوتا ہے، وہ جمع کرنا ہر ملازم پر ضروری ہوتا ہے۔ دوسرا مرضیات فنڈ، یعنی اپنی مرضی سے ہر ماہ جتنی چاہے رقم اس فنڈ میں جمع کروائے، تو وہ رقم بھی اسی پراویڈنٹ میں جمع ہو جاتی ہے، اور اس کو بھی ملازم اپنی مرضی سے جب چاہے نکال نہیں سکتا، تو اسی فرضیات فنڈ کے علاوہ مزید جمع کی گئی رقم پر زکوٰۃ واجب ہوگی یا نہیں؟

③ پراویڈنٹ فنڈ کی جمع کی ہوئی رقم پر دو قسم سے سود ملتا ہے: (۱) ملازم اگر سرکاری ہے تو اس کو ہر سال کی جمع رقم ۱۰٪ پر سے ۱۲ فی صد سود جمع کیا جاتا ہے۔ (۲) اور اگر ملازم غیر سرکاری یعنی کسی فیکٹری یا پرائیویٹ کمپنی کا ہے، تو جتنی رقم فنڈ میں ملازم کی ہے، اتنی ہی رقم کمپنی اپنی طرف سے ملازم کے فنڈ میں جمع کرائے گی، اور دونوں رقمیں مل کر جمع ہوئی رقم پر سرکار سے چھ فی صد سود جمع کرے گی، ان دونوں صورتوں میں سود کی جمع رقم ملازمت ختم ہونے سے ملازم کے قبضے میں آتی ہے، ایسی

سود کی رقم حرام یا حلال؟

④ پراویڈنٹ فنڈ کی جمع رقم جو سرکاری ملازم کو ملازمت کے ۱۵-۲۰ سال پورے ہونے پر اور ملازمت کے ختم ہونے پر نقد ملتی ہے، تو تب یہ نقدی رقم ملنے پر رقم کی زکوٰۃ ادا کرنی ضروری ہے یا نہیں؟

⑤ بہت سے ملازمین انکم ٹیکس معاف ہو جانے یا گھٹانے کی غرض سے مجبوراً پراویڈنٹ فنڈ میں زیادہ رقم جمع کرا دیتے ہیں، اور اس زیادہ رقم پر بھی سود ملتا ہے اور رقم بھی اچھی خاصی جمع ہو جاتی ہے، تو ایسی مجبوری سے جمع کی گئی رقم جو انکم ٹیکس کو بچانے کے لیے جمع کرائی ہے، اس پر زکوٰۃ واجب ہے یا نہیں؟

⑥ انکم ٹیکس سے بچنے کے لیے پراویڈنٹ فنڈ میں زیادہ رقم جمع کرنے کے بعد بھی اگر انکم ٹیکس سے راحت نہیں ہوتی، تو بیمہ پالیسی خریدنی پڑتی ہے، اور بیمہ (انشورنس) میں رقمیں بھرنی ہوتی ہے، ایسی مجبوری میں انکم ٹیکس سے بچنے کے لیے بیوں میں ڈالی گئی رقم پر بھی سود اور دیگر منافع حاصل ہوتے ہیں، ایسی حالت میں سودی کاروبار کی لعنت کا مصداق ہوگا یا نہیں؟

⑦ کوئی سرکاری ملازم جس کے پاس اپنے خود کا مکان نہیں ہے وہ اپنے پراویڈنٹ فنڈ یا بیمہ پالیسی سے لون لے کر مکان بنانا یا خریدنا چاہتا ہے، ایسی لون کی ادائیگی کے ہفتے کی رقم ہر مہینہ متعین ہوتی ہے جو ۱۵-۲۰ سال تک ادا کرتا رہتا ہے، اور ایسے مہینوں کی رقم پر بھی انکم ٹیکس میں راحت ملتی ہے، تو کیا ایسے ملازم کو جس کا اپنا مکان نہیں لون لے کر اپنا مکان بنانا یا خریدنا شرعاً جائز ہے یا نہیں؟

الجاب: حامداً ومصلياً ومسلماً

①، ② تنخواہ سے جو رقم پراویڈنٹ فنڈ میں کاٹی جاتی ہے اور اس پر ماہ بہ ماہ جو اضافہ محکمہ اپنی طرف سے کرتا ہے، پھر مجموعہ پر جو رقم سالانہ (بہ نام سود یا انٹرسٹ) ملازم کے حساب میں جمع کرتا ہے، امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے مذہب پر ان میں سے کسی رقم پر سالہائے گذشتہ کی زکوٰۃ واجب نہیں ہے۔ ہاں! وصول ہونے کے بعد سے ضابطے کے مطابق اس پر زکوٰۃ واجب ہوگی؛ مگر صاحبین کے نزدیک یہ رقم وصول ہونے کے بعد سالہائے گذشتہ کی زکوٰۃ بھی واجب ہوگی؛ لہذا اگر کوئی شخص تقویٰ اور احتیاط پر عمل کرتے ہوئے سالہائے گذشتہ کی زکوٰۃ بھی دے دے، تو افضل اور بہتر ہے، نہ دے تو گناہ نہیں؛ کیوں کہ فتویٰ امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے قول پر ہے۔ فنڈ خواہ جبری ہو یا اختیاری، زکوٰۃ کے مسائل میں دونوں کے احکام یکساں ہیں۔

یہ حکم اس وقت ہے جب کہ ملازم نے اپنے فنڈ کی رقم اپنی ذمہ داری پر کسی دوسرے شخص یا کمپنی وغیرہ کی تحویل میں منتقل نہ کروادی ہو، اگر ایسا کیا یعنی اپنے فنڈ کی رقم اپنی طرف سے اپنی ذمہ داری پر کسی شخص یا بینک یا بیمہ کمپنی یا کسی اور مستقل تجارتی کمپنی یا ملازمین کے نمائندوں پر مشتمل بورڈ وغیرہ کی تحویل میں دلوادی، تو یہ ایسا ہے جیسے خود اپنے قبضے میں لے لی ہو؛ کیوں کہ اس طرح جس کمپنی وغیرہ کو یہ رقم منتقل ہوئی وہ اس ملازم کی وکیل ہوگی، اور وکیل کا قبضہ شرعاً مؤکل کے قبضہ کے حکم میں ہے؛ لہذا جب سے یہ رقم اس کمپنی وغیرہ کی طرف منتقل ہوگی اس وقت سے اس پر زکوٰۃ کے احکام جاری ہو جائیں گے، اور ہر سال کی زکوٰۃ ضابطے کے مطابق واجب ہوتی رہے گی۔

(ضمیمہ پراویڈنٹ فنڈ پر زکوٰۃ اور سود کا مسئلہ ص: ۲۶، ۲۷)

۳) جبری پروویڈنٹ فنڈ میں ملازم کی تنخواہ سے جو رقم ماہ بہ ماہ کاٹی جاتی ہے، اور اس پر ہر ماہ جو اضافہ محکمہ اپنی طرف سے کرتا ہے، پھر مجموعہ پر جو رقم سالانہ بہ نام سود جمع کرتا ہے، شرعاً ان تینوں رقموں کا حکم ایک ہے، اور وہ یہ کہ: یہ سب رقمیں درحقیقت تنخواہ ہی کا حصہ ہے، اگرچہ سود یا کسی اور نام سے دی جائے؛ لہذا ملازم کو ان کا لینا اور اپنے استعمال میں لانا جائز ہے، ان میں سے کوئی رقم بھی شرعاً سود نہیں؛ البتہ پروویڈنٹ فنڈ میں رقم اگر اپنے اختیار سے کٹوائی جائے تو اس پر جو رقم محکمہ بہ نام سود دے گا، اس سے اجتناب کیا جاوے؛ کیوں کہ اس میں تشبہ بالرباب بھی ہے، اور سود خوری کا ذریعہ بنالینے کا خطرہ بھی ہے؛ اس لیے خواہ وصول ہی نہ کرے، یا وصول کر کے صدقہ کر دے۔

یہ حکم اس وقت ہے جب کہ پروویڈنٹ فنڈ کی رقم ملازم نے اپنی طرف سے کسی شخص یا کمپنی وغیرہ کی تحویل میں نہ دلوائی ہو؛ بلکہ محکمہ نے اپنے تصرف میں رکھی ہو، یا کسی شخص یا کمپنی وغیرہ کو دی ہو تو اپنے طور سے اپنی ذمہ داری پر دی ہو، اور اگر ملازم نے اپنی ذمہ داری پر یہ رقم کسی شخص یا بینک یا بیمہ کمپنی یا کسی اور مستقل کمیٹی مثلاً ملازمین کے نمائندوں پر مشتمل بورڈ وغیرہ کی تحویل میں دلوا دی، تو یہ ایسا ہے جیسے خود وصول کر کے اس کی تحویل میں دی ہو، اب اگر بینک یا کمپنی وغیرہ اس رقم پر کچھ سود دیں تو یہ شرعاً بھی سود ہی ہوگا، جس کا لینا ملازم کے لیے قطعاً حرام ہے، فنڈ خواہ جبری ہو یا اختیاری۔ (ایضاً: ۲۶، ۲۵)

۴) جواب نمبر ۱، ۲ دیکھ لیں۔

۵) جواب نمبر ۱، ۲ دیکھ لیں۔

۶) اس نے انکم ٹیکس سے بچنے کے لیے جو بیمہ پالیسی خریدی اپنے اختیار سے

خریدی ہے؛ اس لیے سودی معاملے کی وعیدیں اس پر لاگو ہوں گی۔  
 ④ پروویڈنٹ فنڈ کی رقم اس کا حق ہے، اس کو مکان بنانے کے لیے بہ طور قرض  
 لے سکتا ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عنی عنہ خانپوری، ۷/ جمادی الاولیٰ ۱۴۲۱ھ  
 الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ

## کیا دلالی سے جمع کی ہوئی رقم پر زکوٰۃ ہے؟

سوال: زید دلالی کرتا ہے، اور خریدار سے کہتا ہے کہ: فلاں شخص اتنے روپے  
 دیتا تھا؛ مگر میں نے اُس کو نہیں دیا، گا ہک اس ترغیب سے خرید لیتا ہے، اور زید کو  
 اجرت دلالی کی دیتا ہے، زید کے پاس ایسی اجرت سے بقدر نصاب روپیہ جمع ہو گیا  
 ہے، تو زید پر زکوٰۃ واجب ہے یا نہیں؟

الجواب: حامداً ومصلياً ومسلماً

اس صورت میں زید جھوٹ بولنے کی وجہ سے گنہ گار ہوا، اور حدیث شریف میں  
 ہے کہ: ایسی بیع میں برکت نہیں ہوتی؛ لیکن زید اُس رقم کا مالک ہو جاتا ہے، اور زکوٰۃ  
 لازم ہوگی۔ (فتاویٰ دارالعلوم بحوالہ ہدایہ ۶/ ۹۴) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عنی عنہ خانپوری

## امانت کی رقم پر زکوٰۃ کا حکم

سوال: میرے پاس کسی کی امانت ہے تو اُس پر زکوٰۃ دینا میرا فرض ہے یا جس  
 کی رقم ہے وہ زکوٰۃ دے گا؟

**الجواب:** حامداً ومصلياً ومسلماً

جس شخص کی امانت آپ کے پاس ہے، آپ کے ذمہ اُس کی زکوٰۃ نہیں؛ بلکہ اُس کی زکوٰۃ امانت رکھوانے والے کے ذمہ ہے، اگر اُس نے آپ کو اختیار دے دیا ہے تو آپ بھی اُس رقم سے ادا کر سکتے ہیں۔ (آپ کے مسائل اور ان کا حل ۳/۳۵۲) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

## فکس ڈپوزٹ والی رقم پر زکوٰۃ

**سوال:** فکس ڈپوزٹ پر زکوٰۃ ہے یا نہیں؟

**الجواب:** حامداً ومصلياً ومسلماً

جو رقم بینک میں فیکس ڈپوزٹ کے طور پر رکھی ہوتی ہے اس کی زکوٰۃ واجب ہے؛ لیکن بینک میں اس طرح رقم رکھنے کا مقصد چوں کہ سود حاصل کرنا ہی ہوتا ہے؛ اس لیے یہ رکھنا حرام ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

## جمع رقم پر زکوٰۃ

**سوال:** ایک شخص نے مکان خریدنے کے لیے روپے جمع کئے اور ایک لاکھ

ہو گئے اور ایک سال بھی گزرا، تو کیا اس پر بھی زکوٰۃ واجب ہوئی؟

**الجواب:** حامداً ومصلياً ومسلماً

جی! اس رقم پر زکوٰۃ واجب ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

## موتی، لال برتن، ہیرہ اور تانبے پر زکوٰۃ

سوال: ① موتی پر زکوٰۃ واجب ہے یا نہیں؟

② لال برتن پر زکوٰۃ واجب ہے یا نہیں؟ (یہ برتن بے حد قیمتی ہوتا ہے)

③ ہیرا پر زکوٰۃ واجب ہے یا نہیں؟

④ شیر کی خرید قیمت دس روپیہ ہے، پھر وہ بیس روپیے کا ہو گیا تو زکوٰۃ کس پر

ہوگی: دس روپیہ والے پر یا بیس روپیہ والے پر؟ وضاحت فرمائیں، اور اگر وہ دو روپیہ کا ہو گیا تو کیا کریں؟

⑤ تانبے پر زکوٰۃ واجب ہے یا نہیں؟

الجواب: ① حامداً ومصلياً ومسلماً

① تا ③ موتی، لال برتن اور ہیرا اگر تجارت کے لیے نہیں ہیں تو ان میں زکوٰۃ

واجب نہیں۔

④ سال ختم ہونے پر اس کی جو قیمت ہے اس پر زکوٰۃ واجب ہوگی، چاہے وہ

دس ہوں یا بیس ہو یا کم و بیش۔ یہ یاد رہے کہ ختم سال والے دن بازار میں جو قیمت ہوگی اس کا اعتبار کیا جائے گا۔

⑤ تانبا اگر تجارت کے لیے نہیں ہے تو اس میں زکوٰۃ واجب نہیں۔ فقط واللہ

تعالیٰ اعلم۔

أماہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۱۰/رمضان ۱۴۲۱ھ

الجواب صحیح: عباس داود بسم اللہ

## سونے کے دانت پر زکوٰۃ

**سوال:** اگر سونے کا دانت لگایا ہے تو کیا زکوٰۃ اس پر واجب ہے؟ اگر واجب ہے تو نصاب کیا ہے؟

**الجواب:** حامداً ومصلياً ومسلماً

اگر اس آدمی کے پاس اس کے علاوہ دوسرا سونا اتنا ہے کہ دونوں ملا کر سونے کے نصاب کی مقدار (ساڑھے سات تولے یعنی ۷۹/۳۷۷ گرام) پوری ہو جاتی ہے، یا اس کے پاس دوسری چاندی یا نقد رقم ہے اور وہ چاندی یا رقم ملا کر چاندی کا نصاب پورا ہو جاتا ہے، تو اس پر اس کی زکوٰۃ واجب ہے؛ ورنہ نہیں، چاندی اور سونا آدمی کے پاس جس صورت و شکل میں ہو، اس کی زکوٰۃ (مقدار نصاب ہونے کی صورت میں) واجب ہوتی ہے۔ (بدائع الصنائع ۲/۱۷۷) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عنی عنہ خانپوری

## شمنین کو نقد رقم کے ساتھ ملا کر نصاب مکمل کیا جائے گا

**سوال:** ایک شخص کے پاس پونے سات تولہ سونا اور تیس ہزار روپے نقد ہیں، صرف پانچ تولہ سونے پر سال مکمل ہوا ہے، جو بھی رقم موجود ہے اُس میں سے گھر کی ضروریات میں استعمال کیا جاتا ہے، جس کا سالانہ اندازہ آٹھ دس ہزار روپے ہیں، اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ: کیا سونے کے اندر زیورات کو نقد رقم میں ملا کر نصاب مکمل کیا جائے گا یا نہیں؟ جب کہ وہ نقدی گھر کی ضروریات میں استعمال ہوتی رہتی



ہے؛ البتہ سال ختم ہونے پر اتنی رقم باقی رہ جاتی ہے کہ ساڑھے سات تولہ سونے کی قیمت بن سکتی ہے، درمیانی سال میں اس رقم میں اضافہ ہوتا رہتا ہے۔

**الجواب:** حامداً ومصلياً ومسلماً

پونے سات تولہ سونے کے ساتھ نقد رقم ملا کر نصاب مکمل کر لیا جائے گا، اور سال کے ختم پر سونے کے ساتھ جتنی رقم باقی ہوگی دونوں پر زکوٰۃ واجب ہوگی، درمیانی سال ہونے والے اضافہ یا کمی سے کوئی فرق نہیں پڑے گا۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

کیا ہر رقم پر سال گزرنا ضروری ہے؟

**سوال:** بھینسوں کے کاروبار میں سال بھر کا کل منافع ایک لاکھ ہوا ہے؛ مگر بعض رقم پر سال گزرا ہے اور بعض پر نہیں گزرا؛ کیوں کہ منافع ہر ماہ تھوڑا تھوڑا ہوتا ہے تو زکوٰۃ کی ادائیگی کس طرح ہوگی؟

**الجواب:** حامداً ومصلياً ومسلماً

منافع کی مقدار نصاب تک پہنچنے سے سال کی ابتداء شمار ہوگی، اس کے بعد اُس کی جنس کا جتنا اضافہ ہوا ہے اُس کو بھی اصل نصاب کے ساتھ ملا لیا جاوے گا، اور سال پورا ہونے پر سب مال (اصل نصاب اور بعد کا اضافہ) پر زکوٰۃ واجب ہوگی۔

والمستفاد ولو بهبة أو إرث وسط الحول يضم إلى نصاب من جنسه،  
فيزكيه بحول الأصل (درمختار)

(قوله: إلى نصاب) قيد به؛ لأنه لو كان النصاب ناقصاً وكمل

بالمستفاد فإن الحول ينعقد عليه عند الكمال (شامی ۲/۲۰) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

## بیس ہزار روپے اور ڈھائی تولہ سونے میں زکوٰۃ

**سوال:** اگر کسی کے پاس ڈھائی تولہ سونا ہو اور بیس ہزار روپیہ ہو؛ لیکن اس بیس ہزار روپیہ میں سے پندرہ ہزار روپیہ تجارت کے واسطے کسی کو دیا ہو، اور وہ تاجر ہر مہینہ پانچ سو روپیہ دیتا ہو اور وہ پانچ سو روپیہ میں سے چار سو روپیہ سے ہر مہینہ قرض چکاتے ہو، (قرض چھتیس سو روپیہ ہے) جس میں سے ایک سو روپیہ باقی رہتے ہیں، ایسے مرد پر زکوٰۃ دینا فرض ہے؟ اور وہ بیس ہزار روپیہ بھی ایک آدمی نے محض تجارت کے واسطے ہی دیا ہے، قرض کے طور پر نہیں ہے، اس نے ہمیں ہی وہ پیسے دے دیے (فی سبیل اللہ) تو آپ جواب ارسال فرمائیے کہ ایسے مرد پر زکوٰۃ دینا فرض ہے یا زکوٰۃ کا مستحق ہے؟ اب تک جو گھر چل رہا تھا وہ لوگوں کے پاس پیسہ باقی تھے اس سے گھر چلتا تھا، مستقبل کے لیے کچھ نہیں ہے، گھر میں کوئی کمانے والا نہیں ہے، ڈھائی تولہ سونا جو ہے اس میں ڈیڑھ تولہ سونا والدہ کے مہر کا ہے۔

**الجواب:** حامداً ومصلياً ومسلماً

بیس ہزار روپیہ چوں کہ اس کی ملک ہیں اور ساتھ میں ڈھائی تولہ سونا بھی اس کی ملک ہے، اس لیے اس پر صاحب نصاب ہونے کی وجہ سے زکوٰۃ واجب ہوگی؛ البتہ چوں کہ اس پر چھتیس سو روپیہ قرض ہے، اس لیے قرض کی رقم کو اس بیس ہزار اور سونے کی قیمت میں سے وضع کر کے باقی رقم پر زکوٰۃ واجب ہوگی، یہ یاد رہے کہ ڈھائی تولہ

سونا اگر اس آدمی کی ملک میں ہے تب ہی اس کا شمار ہوگا، اور اگر پورے ڈھائی تولے اس کی ملک نہیں ہے؛ بلکہ اس میں سے ڈیڑھ تولے سونا والدہ کی ملک ہے، تو اس ڈیڑھ تولے کی زکوٰۃ اس آدمی پر واجب نہیں ہوگی؛ بلکہ اس ڈیڑھ تولے کے سلسلہ میں اس کی والدہ کو دیکھا جائے گا، اگر ان کے پاس اس سونے کے علاوہ دوسری چاندی یا نقد رقم ملا کر نصاب پورا ہوتا ہے، تو ان پر اس کی زکوٰۃ واجب ہوگی۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۱۶ / شعبان المعظم ۱۴۱۰ھ

الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ

## سونے، کپڑے اور نقد روپیوں میں زکوٰۃ

**سوال:** میرا عنقریب نکاح ہونے والا ہے جس میں میرے والد صاحب نے مجھے سات تولے سونا اور بیس جوڑے کپڑے دیئے ہیں، اور میرے پاس میری ملکیت کے نقد تین ہزار روپے ہیں، تو ان چیزوں پر سال گزرنے سے مجھ پر زکوٰۃ واجب ہوگی یا نہیں؟  
نوٹ: میرے والد صاحب نے مجھے سونے اور کپڑوں کا مالک بنا دیا ہے۔

**الجواب:** حامداً ومصلياً ومسلماً

بیس جوڑا کپڑے پہننے کے لیے ہیں اس لیے ان پر زکوٰۃ واجب نہیں؛ البتہ سات تولے سونا اور نقد تین ہزار روپیوں پر جب سال پورا ہوگا زکوٰۃ واجب ہوگی، مطلب یہ ہے کہ اب سونے کے مالک آپ بن چکے ہیں اس لیے اس کی زکوٰۃ بھی آپ ہی پر واجب ہوگی۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۱۹ / ذوالقعدة الحرام ۱۴۱۶ھ

## نقد رقم اور زیورات پر زکوٰۃ

**سوال:** ایک لڑکی ہے جس کے والدین حیات نہیں ہے اور ذریعہ معاش کچھ نہیں ہے؛ مگر اس کے پاس خود کئی سالوں سے اب تک جمع شدہ نقد ۴۰ ہزار روپے اور ۶۰۰-۲۸/گرام سونے کے زیور اور کچھ چاندی، مراد دو تین تولہ کے قریب چاندی ہے، زیور اسے ہدیہ میں ہی ملے ہیں اور وہ سورت میں بہنوں کے پاس رہتی ہے اور بمبئی میں بھی بہن کے پاس رہتی ہے؛ مگر بمبئی میں نفقہ اسی جمع شدہ رقم سے استعمال کرتی ہے، اب اس پر زکوٰۃ واجب ہے یا نہیں؟ اور واجب ہے تو کتنی رقم زکوٰۃ میں دینی ہوگی؟

**الجواب:** حامداً ومصلياً ومسلماً

اس پر زکوٰۃ واجب ہے، نقد چالیس ہزار میں سے ایک ہزار زکوٰۃ کے طور پر نکالے، اور سونے چاندی کے زیورات کی جو قیمت اس وقت ہے اس قیمت کا چالیسواں حصہ زکوٰۃ میں نکالے گی۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

## کچھ سونا اور کچھ نقد و چاندی ہو تو زکوٰۃ واجب ہے؟

**سوال:** ① ایک شخص کے پاس پانچ تولہ سونا اور ساتھ ساتھ میں ایک ہزار نقد بھی ہے، اور سال بھی اس کے اوپر پورا ہو چکا ہے تو کیا ایسے شخص پر زکوٰۃ واجب ہوگی یا نہیں؟

② میری امی کے پاس ڈھائی تولہ سونا ہے؛ لیکن ساتھ ساتھ ان کے ناک کی نتھ میں باریک سی کڑی چاندی کی نہ ہونے کے برابر ہے اور ان کے پاس ہمیشہ نقدی بھی سو، دوسور و پیہ رہتی ہے، تو کیا وہ نہ ہونے کے برابر والی چاندی کے ساتھ سونے کو ملا کر زکوٰۃ ادا کرنی پڑے گی یا اس کا ہونا نہ ہونا برابر ہے؟

الجواب: حامداً ومصلياً ومسلماً

① اگر پانچ تولہ سونے کی قیمت اور نقد ایک ہزار روپیہ ملا کر چھ سو بارہ گرام پینتیس ملی گرام چاندی کی قیمت کے برابر ہو جاتا ہے تو زکوٰۃ فرض ہوگی۔

② وہ چاندی اور نقدی دونوں کے ساتھ ڈھائی تولہ سونے کی قیمت ملا کر چاندی کا نصاب مکمل ہو جاتا ہے تو زکوٰۃ فرض ہوگی۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۲۵/ شوال ۱۴۱۷ھ

سونے کے ساتھ روپیہ بھی ہو تو؟

سوال: کچھ سونا ہے مثلاً دو تولہ، چاندی نہیں ہے، اور روپیہ دو سو ہے، تو اس پر زکوٰۃ ہے؟ مطلب کہ کچھ سونا ہے کچھ روپیہ ہے تو دونوں نصاب کے لیے ملائے، اگر ساڑھے باون تولہ کے برابر ہو جائے تو صاحب نصاب ہو گا یا نہیں؟

الجواب: حامداً ومصلياً ومسلماً

جی ہاں! اگر سونے کے ساتھ روپیہ بھی موجود ہو تو دونوں کو ملا کر نصاب مکمل کیا جاوے گا، اور زکوٰۃ واجب ہوگی۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۱۸/ شعبان ۱۴۱۶ھ

## رانگ ملے ہوئے سونے کی زکوٰۃ کا حکم

**سوال:** زیور بنتا ہے تو اس میں رانگ ملاتے ہیں، ۱۰/تولہ کے زیور میں ایک تولہ رانگ ملایا ہو، تو زکوٰۃ ۹/تولہ کی دینی پڑے گی یا دس تولہ کی؟

**الجواب:** حامداً ومصلياً ومسلماً

اس صورت میں زکوٰۃ دس تولہ کی واجب ہوگی، وہ ملاوٹ بھی سونے کے حکم میں ہے۔  
وغالب الفضة والذهب فضة وذهب (در مختار ۴/۳۴) فقط والله تعالى اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفیٰ خانپوری، ۱۵/ربیع الثانی ۱۴۱۲ھ

الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفیٰ عنہ

## زیورات میں کس قیمت کا اعتبار ہوگا؟

**سوال:** ہمارے گھروں میں عورتوں کے پاس جو زیورات ہیں اس میں زیور بناتے وقت تھوڑا بہت پیتل جو ہری ضرور ملاتا ہے، اس زیور کو اگر ہم فروخت کریں تو خالص سونے کی جو قیمت ہے وہ نہیں ملتی اس سے کم ملتی ہے، اس زیورات کی زکوٰۃ ادا کرتے وقت انفع للفقراء کو مد نظر رکھتے ہوئے خالص سونے کی قیمت کا اعتبار ہوگا یا ملاوٹ والے سونے کا؟

**الجواب:** حامداً ومصلياً ومسلماً

بازار میں خالص سونے کا دام الگ ہے اور زیورات والے سونے کا دام الگ ہے، زیورات کی زکوٰۃ بصورت قیمت ادا کی جا رہی ہو تو اس کا جو دام ہوگا وہ شمار ہوگا؛

البتہ اگر زیورات کی زکوٰۃ سونے کی صورت میں ادا کی جارہی ہو تو وزن کا اعتبار ہوگا چاہے وہ خالص سونا ہو یا ملاوٹ والا۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

## صرف روپیوں پر زکوٰۃ

**سوال:** کسی کے پاس سونا چاندی نصاب میں نہیں ہے، (یعنی ساڑھے سات تولہ یا ساڑھے باون تولہ چاندی) دیگر پیسے ایک ہزار یا اس سے زیادہ ہیں، اس پر سال گذر گیا ہے تو اس پر زکوٰۃ واجب ہوگی یا نہیں؟ یعنی اسے زکوٰۃ دینا چاہیے یا نہیں؟

**الجواب:** حامداً ومصلياً ومسلماً

اگر صرف روپے موجود ہیں اور ان پر سال گذر چکا ہے، تو اگر ساڑھے باون تولہ چاندی کی قیمت کے برابر ہیں تو ان میں زکوٰۃ واجب ہوگی۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

## مالِ مستفاد پر زکوٰۃ کا ایک مسئلہ

**سوال:** ① میں نے اپنی ایک دکان فروخت کی کیوں کہ اس رقم سے مجھے دوسری دکان خریدنی ہے، جو دکان فروخت کی اس کی رقم مجھے رمضان مہینہ کے پہلے (پندرہ دن پہلے) ملی، ابھی دوسری دکان کا سودا طے نہیں ہوا، اس لیے رقم میرے پاس ہے، اب مجھے یہ جاننا ہے کہ اس رقم پر مجھے زکوٰۃ ادا کرنا واجب ہے یا نہیں؟

② دوسرا یہ کہ اگر زکوٰۃ ادا کرنا واجب ہے تو اس زکوٰۃ کی رقم سے میں ہمارے

ایک رشتہ دار جو غریب ہے ان کے رہنے کا گھر چھپر اور مٹی کا ہے انہیں گھر کی تکلیف ہے، تو کیا اس زکوٰۃ کی رقم سے میں ان کو گھر بنا کر دے سکتی ہوں؟

**الجواب:** حامداً ومصلياً ومسلماً

① اگر آپ کے پاس موجود نصاب کا سال ماہ رمضان المبارک کے شروع میں پورا ہو رہا ہے تو اس کے ساتھ اس پر بھی زکوٰۃ فرض ہو جائے گی۔

② آپ زکوٰۃ کی رقم انہیں دے دیں وہ از خود اپنا مکان بنالیں گے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد غنی عنہ خانپوری، ۱۳/ شوال المکرم ۱۴۱۶ھ

یکے بعد دیگرے فیکٹری خریدی تو زکوٰۃ کا کیا حکم ہے؟

**سوال:** ایک آدمی ایک فیکٹری لگاتا ہے، اس سے جو آمدنی ہوتی، ابھی سال نہیں گذرنے پائے کہ اس سے دوسری پھر سال نہ گذرے کہ تیسری بنالی، اب زکوٰۃ کی ادائیگی کا کیا طریقہ ہوگا؟ نیز فیکٹری پر زکوٰۃ آئے گی کہ نہیں؟

**الجواب:** حامداً ومصلياً ومسلماً

جب وہ رقم اس نے فیکٹری میں لگا دی تو اب اس پر زکوٰۃ نہیں ہے، اور فیکٹری لگانے سے مقصود خود فیکٹری کی تجارت ہے تب تو اس فیکٹری پر واجب ہے، اور اگر مقصود فیکٹری کی تجارت نہیں؛ بلکہ پیداوار ہے تو فیکٹری پر زکوٰۃ واجب نہیں ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد غنی عنہ خانپوری



## فیکٹری کی جگہ اور مشینری پر زکوٰۃ واجب نہیں

**سوال:** ہمارے پاس الیکٹرک وائرنگ کی پٹیاں اور پائپ اور لائٹ باکس بنانے کی مشین ہے، اب ہمیں زکوٰۃ اُس مشین پر نکالنی ہے یا اُس سے حاصل ہونے والی آمدنی پر؟

**الجواب:** حامداً ومصلياً ومسلماً

فیکٹری کی جگہ اور مکان اور مشینری پر زکوٰۃ واجب نہیں ہے، آپ کے پاس جو کچا مال اور تیار شدہ مال اور اُس کی قیمت سے حاصل شدہ رقم جمع ہو، اُس پر زکوٰۃ واجب ہوتی ہے، جس دن سال پورا ہو اُس دن کچے اور تیار شدہ مال کی جو قیمت بازار میں ہو وہ لگا کر اُس میں نقد رقم ملا کر جو مجموعی مالیت ہوتی ہو، اُس کا چالیسواں حصہ بطور زکوٰۃ ادا کریں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

## جس زمین کی مٹی سے اینٹیں بنائی جائیں اس میں زکوٰۃ نہیں

**سوال:** ایک آدمی کی ملکیت میں زمین ہے، اور وہ تجارت کے لیے نہیں ہے، اور وہ مالک اسی زمین کے اوپر اسی زمین کی مٹی سے اینٹیں بنواتا ہے، تو زمین کے اندر زکوٰۃ ہے یا نہیں؟

**الجواب:** حامداً ومصلياً ومسلماً

جب وہ زمین تجارت کے لیے نہیں ہے، تو اس میں زکوٰۃ واجب نہیں

ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

نصاب کے برابر مقروض پر زکوٰۃ واجب نہیں

سوال: صاحب نصاب پر مال نصاب کے بقدر قرضہ ہو تو وہ کیا کرے؟

الجواب: حامداً ومصلياً ومسلماً

اس صورت میں اس پر زکوٰۃ واجب نہیں ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

سونے چاندی کے ناقص نصاب میں وجوب زکوٰۃ

سوال: ① ایک شخص کے پاس نہ سونے کا نصاب ساڑھے سات تولہ پورا

ہے، نہ چاندی کا نصاب پورا ہے، وہ زکوٰۃ کس طرح ادا کرے؟

② اگر چاندی اور سونے دونوں کو ملا کر کسی ایک کے بقدر نصاب ہو جاتا ہے تو

صرف نصاب کے ڈھائی فیصد ادا کرنے ہیں یا نصاب سے زائد جو روپے ہوں ان

تمام کے ڈھائی فیصد ادا کرنے ہیں؟

③ ایک شخص کے پاس جتنی قیمت کا زیور ہے اتنی ہی مقدار یا اس سے زیادہ اس

پر قرض ہے تو اس پر زکوٰۃ واجب ہے یا نہیں؟

الجواب: حامداً ومصلياً ومسلماً

① کسی کے پاس نہ تو پوری مقدار سونے کی ہے، نہ پوری مقدار چاندی کی؟

بلکہ تھوڑا سونا اور تھوڑی چاندی، تو اگر دونوں کی قیمت ملا کر ساڑھے باون تولہ (یعنی ۶۱۲/گرام اور ۳۵/میلی گرام) چاندی کے برابر ہو جائے تو زکوٰۃ واجب ہے، اور اگر دونوں چیزیں اتنی تھوڑی تھوڑی ہیں کہ دونوں کی قیمت اتنی چاندی کے برابر نہیں ہوتی تو زکوٰۃ واجب نہیں۔ (بہشتی زیور ۳/۲۳۰)

② دونوں کو ملا کر جو رقم بنتی ہے اس کا چالیسواں حصہ ادا کرے۔

③ اگر قرض ادا کرنے کی بقدر روپے بھی نہیں ہیں تو اس پر زکوٰۃ واجب نہیں۔

فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عنی عنہ خانپوری

## بینک میں جمع رقم سے زکوٰۃ کیسے ادا کرے؟

(سوال): عبد اللہ نامی ایک شخص کا بینک (BANK) کھاتا (Account)

ہے، ہر سال اس میں سے استعمال کے لیے پیسے لیے جاتے ہیں اور جمع بھی کئے جاتے ہیں یعنی کمی زیادتی ہوتی رہتی ہے؛ البتہ ایک رقم تو ہمیشہ بینک میں موجود رہتی ہے تو اس پر زکوٰۃ کی ادائیگی کا کیا طریقہ ہوگا؟ اور حساب کیسے ہوگا؟ یہ مسئلہ تین سال کی زکوٰۃ کا ہے، بینک میں جس طرح ان سالوں میں حساب رہا ہے وہ میں آپ پر بھیج رہا ہوں: سود کی جو رقم ہے وہ ایک طرف لکھ دی ہے؛ مگر اس بات کا دھیان رہے کہ سود کی رقم آتے ہی فوراً اس کو یہ شخص نکال لیتا ہے یعنی کہ فی الحال بینک میں سود کی کوئی رقم نہیں ہے۔

سال اول کی مجموعی رقم: 1,44,000 ہوئی، جس میں سود کی رقم: 5381 ہے۔

سال دوم کی مجموعی رقم: 1,55,500 ہوئی، جس میں سود کی رقم: 13791 ہوئی۔  
سال سوم کی مجموعی رقم: 1,80,500 ہوئی، جس میں سود کی رقم: 20741 ہوئی۔

الجواب: حامداً ومصلياً ومسلماً

صورتِ مسئلہ میں عبداللہ نے اگر اب تک کی زکوٰۃ ادا نہیں کی ہے تو اس پر

پہلے سال کی زکوٰۃ: 3465.48

دوسرے سال کی زکوٰۃ: 3406.09

تیسرے سال کی زکوٰۃ: 3822.19

تین سال کی مجموعی زکوٰۃ: 10693.76 واجب الاداء ہے۔

سود کی رقم کے سلسلہ میں ایک وضاحت حضرت مولانا محمد برہان الدین صاحب  
سنجھلی مدظلہم کی کتاب ”موجودہ زمانہ کے مسائل کا شرعی حل“ کے حوالہ سے پیش  
خدمت ہے۔

”یہاں یہ بتا دینا بھی ضروری معلوم ہو رہا ہے کہ بینک سے ملنے والی رقم کے سود  
ہونے کا قطعی فیصلہ اور حکم اس وقت ہوگا جب کھاتے دار اپنی کل جمع شدہ رقم بینک سے  
نکال لے اور اس پر اضافہ ملے، یہ ”اضافہ“ ہی درحقیقت سود ہوگا، اور اسی کا صدقہ کرنا  
ضروری ہوگا، اس کا مطلب یہ ہوا کہ کھاتے دار نے اگر جمع شدہ اپنی اصلی رقم سے  
زیادہ کچھ وصول نہیں کیا ہے تو بینک سے نکال جانے والی رقم سود نہیں ہوگی؛ بلکہ اصل  
جمع شدہ رقم کا جزء ہوگی خواہ بینک میں اس کے کھاتے کے اندر سود کے نام سے کچھ رقم  
جمع کر دی گئی ہو؛ اس لیے اس کا صدقہ کرنا ضروری نہ ہوگا“۔ (۱۷۲/ الطبع ثانی جمادی الاولیٰ

۱۳۱ھ) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: احمد عفی عنہ خانپوری، ۱۵/ جمادی الاولیٰ ۱۳۱ھ  
الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ

## زکوٰۃ کا وجوب اصلی رقم پر ہے نہ کہ سود پر

**سوال:** زید نے پندرہ ہزار روپیہ فکس میں رکھے ہیں، جو چھ سال رکھنے کے بعد دو چنڈ، یعنی تیس ہزار ہو جائیں گے، تو فکس رکھنے کے بعد پندرہ ہزار کی زکوٰۃ دے یا تیس ہزار کی؟ یا چھ برس گزرنے پر تیس ہزار کی زکوٰۃ دے؟

**الجواب:** حامداً ومصلياً ومسلماً

فکس میں اس لیے رقم رکھنا کہ کچھ مدت کے بعد دو چنڈ ہو جائے گی، ناجائز اور حرام ہے، جو زیادتی اس پر ملی ہے وہ سود ہے، اس کو چاہیے کہ اپنی اس حرکت سے تائب ہو کر وہ زائد رقم فقراء و مساکین کو دیدے، اور نیت یہ ہو کہ اللہ تعالیٰ اس وبال سے نجات عطا فرمائے، ثواب کی نیت نہ ہو، پندرہ ہزار چوں کہ اس کی اپنی ملک تھی اور ہے، اس لیے ان پر گذشتہ تمام سالوں کی زکوٰۃ واجب ہوگی۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: احمد عفی عنہ خانپوری

## زیور کی زکوٰۃ کون اور کس طرح نکالے؟

**سوال:** (الف): عورت کے زیور کا مالک شوہر ہے؟ ساس سسر یا خود عورت؟  
(ب) عورت کے پاس ساڑھے سات تولہ سونا ہے؛ مگر اس کے پاس رقم نہیں

ہے جو بطور زکوٰۃ نکال سکے، اگر اس کے زیور کا مالک شوہر ہے اور اس کے پاس بھی کھاپی کر کچھ نہیں بچتا ہے، ایسی صورت میں زیور بیچ کر زکوٰۃ دے یا پھر کیا کرے؟ زیور کا کچھ حصہ بیچ کر زکوٰۃ ادا کرنے کے لیے عورت تیار نہیں ہے یا پھر قرض لے؟

(ج) عورت کے پاس ساڑھے پانچ تولہ صرف چاندی ہے، گھر میں کھاپی کر کچھ بچتا نہیں ہے، شوہر کے پاس ۶،۵ ہزار روپے بینک بیلنس ہے، گھر میں ہر وقت کوئی نہ کوئی بیمار رہتا ہے، کب کیا ضرورت پڑ جائے اس کے حساب سے ۶،۵ ہزار ہمیشہ یہ شوہر رکھتا ہے، اور موجودہ زمانہ میں ۶،۵ ہزار روپے اس مہنگائی کے زمانہ میں کوئی وقعت نہیں رکھتے جب کہ چاندی کے حساب سے ۵ / ہزار کا مالک صاحب نصاب ہو جاتا ہے، سونے اور چاندی کے نصاب میں بڑی نا انصافی معلوم ہوتی ہے؟ ایسی صورت میں کس طرح زکوٰۃ ادا کرے؟

(د) خالد کے دو لڑکے زید اور سعید دونوں کی بیویاں ہیں، دونوں ایک ساتھ رہتے ہیں، زکوٰۃ کے لیے دونوں بیویوں کے زیورات اکٹھا کر کے نصاب مانا جائے گا یا نصاب کے لیے دونوں کا زیور الگ الگ حکم رکھتا ہے؟ بہت سے لوگ جن کی دو تین بہو ہیں، ہر ایک ایک کو الگ الگ زیور کا مالک بناتے ہیں، اس صورت میں کسی تنہا بیوی کا زیور نصاب کو نہیں پہنچتا، شرعاً کیسا ہے؟

(ه) جنید اور خالد دو بھائی ہیں، خالد کے تین لڑکے ہیں اور یہ تینوں نوکری کرتے ہیں، خالد اپنے تینوں لڑکوں کی عورتوں کا اور اپنی بیوی کا ملا کر نصاب لگاتے ہیں اور پھر زکوٰۃ ادا کرتے ہیں، جنید اپنی عورت کا زیور خالد اور ان کی اولاد کے ساتھ نہیں ملاتے، وہ کہتے ہیں کہ ہماری بیوی کے زیور نصاب تک نہیں پہنچتے، اس لیے نہ میں زکوٰۃ

نکالوں گا اور نہ ہی آپ کے ساتھ مل کر نصاب میں شامل ہوں گا، شرعاً کیسا ہے؟ جب کہ خالد اور جنید ایک ساتھ رہتے ہیں، کھانا پینا رہنا سہنا سب ایک ساتھ ہے۔  
 (و) جنید اور خالد دونوں بھائی ہیں، خالد کے تین لڑکے ہیں، تینوں شادی شدہ ہیں، کوئی عورت صاحب نصاب ہے اور کوئی نہیں، تو زکوٰۃ خالد پر واجب ہوگی جو گھر کے مالک ہیں یا جس عورت کا زیور نصاب کو پہنچ رہا ہے اس کے نام ہوگی؟ اور اگر تینوں لڑکے اور تینوں عورتیں صاحب نصاب ہیں اور جنید بھی صاحب نصاب تو سب پر قربانی لازم ہوگی یا گھر کے مالک ہونے کی صورت میں صرف خالد پر یا خالد، جنید لڑکوں کے باپ اور چچا دونوں پر واجب ہوگی؟

الجواب: حامداً ومصلياً ومسلماً

(الف) عورت کے زیور کی مالکہ عورت ہی ہے؛ البتہ اگر وہ زیور اس کو چڑھاوے میں دیا گیا ہے تو اس میں عرف کا اعتبار ہوگا۔  
 (ب) زیور جس کی بھی ملکیت میں ہو اس پر اس کی زکوٰۃ واجب ہے، اگر اس کے پاس زکوٰۃ کی ادائیگی کے لیے نقد رقم موجود نہیں تو خود زیور کا چالیسواں حصہ زکوٰۃ میں نکالے؛ بلکہ اصل حکم تو یہی ہے کہ جس مال میں زکوٰۃ واجب ہو اسی مال کا چالیسواں حصہ زکوٰۃ کے طور پر دیا جائے لیکن اگر کوئی آدمی اس مال کے چالیسویں حصہ کے بجائے اتنی قیمت زکوٰۃ کے طور پر دیدے تو بھی زکوٰۃ ادا ہو جائے گی، زکوٰۃ ایک فریضہ ہے، اس کا ادا نہ کرنے والا فاسق ہے اور مستحق عذاب و عقاب، اگر قرض لے کر زکوٰۃ ادا کرے تب بھی ادا ہو جاتی ہے۔

(ج) عورت کے پاس چاندی کا نصاب ہے، اس کی زکوٰۃ اس پر واجب ہے، مرد کے پاس نصاب کے بقدر روپے ہیں ان کی زکوٰۃ اس پر واجب ہے، شریعت مطہرہ کی مقرر فرمودہ مقدار و نصاب پر نا انصافی کا اطلاق ایک مومن کی شان نہیں، اس سے تو بہ ضروری ہے، اللہ تعالیٰ ایمان کی حفاظت فرمائے۔

(د) زیور اگر بہوؤں کی ملک ہے، اور ہر ایک بہو کا زیور الگ سے مقدار نصاب نہیں ہے تو کسی پر زکوٰۃ واجب نہیں ہے، اور اگر وہ خسر کی ملکیت ہے اور دونوں ملا کر بقدر نصاب ہیں تو خسر پر زکوٰۃ واجب ہے۔

(ہ) کھانا پینا ایک ساتھ ہونے کا مطلب یہ نہیں ہے کہ تمام اشیاء کی ملکیت میں شرکت ہے، اس کے باوجود بہت سی اشیاء میں ہر ایک کی مستقل ملکیت ہوتی ہے، زکوٰۃ میں ملکیت کا اعتبار ہوتا ہے جیسا کہ اوپر (د) میں بتلادیا گیا ہے۔

(و): زکوٰۃ کی تفصیل اوپر آچکی ہے، جن جن حضرات کے پاس نصاب کے بقدر مال موجود ہے اور وہ ضروریات و حوائجِ اصلیہ سے زائد ہے تو چاہے وہ سونا چاندی نہ ہو اور اس پر سال بھی نہ گزرا ہو ان سب پر قربانی واجب ہے، صرف گھر کے ذمہ دار پر نہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد غنی عنہ خانپوری

لڑکی کے لیے زیور بنوا کر رکھا تو اُس کی زکوٰۃ کس پر ہے؟

(سوال) : جو زیور لڑکیوں کی شادی کے لیے بنوا کر رکھا جاتا ہے تو لڑکی کے لیے

ایسے زیور پر زکوٰۃ اُس کے والدین پر ہے یا لڑکی پر؟



**الجواب:** حامداً ومصلياً ومسلماً

اگر وہ زیور لڑکی کی ملک کر دیا ہے تو اُس پر زکوٰۃ بلوغ سے پہلے فرض نہیں ہے، نہ لڑکی پر، نہ والدین پر؛ بالغ ہونے کے بعد خود لڑکی پر فرض ہوگی، اگر لڑکی کی ملک نہیں کیا تو جس کی ملک ہے اُس پر زکوٰۃ فرض ہوگی۔ (فتاویٰ محمودیہ ۱۱/۱۳۶) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

## بیوی کی زکوٰۃ بیوی ہی ادا کرے

**سوال:** ایک آدمی کی آمدنی ماہانہ پچیس سو روپیہ ہے اور اس کا خرچ مہنگائی کے لحاظ سے آمدنی کے برابر ہو جاتا ہے اور کچھ بچت ہو ہی جاتی ہے اور اس کے پاس تقریباً بارہ تولہ سونا ہے، جو کہ اس کی بیوی کے میکے سے آیا ہے اور بیوی کہتی ہے کہ آپ زکوٰۃ اپنی آمدنی سے ادا کریں، میں آپ کو سونا بیچنے نہیں دوں گی، وہ آدمی زکوٰۃ کس طرح ادا کرے؟ اور زکوٰۃ جو کہ عموماً ساڑھے سات تولہ پر واجب ہے، تو زکوٰۃ ساڑھے بارہ تولے کی ادا ہوگی، یا پورے ۲۰/ تولے کی ادا کرنی ہوگی؟ اس آدمی پر تقریباً ۱/ ہزار روپے کا قرض ہے، اور اس شخص کا پراویڈنٹ فنڈ تقریباً ۳۰۰۰۰ (تیس ہزار) روپے ہے، تو کیا فنڈ پر بھی زکوٰۃ واجب ہے، اور ہے تو اس شخص کو کل کتنی زکوٰۃ اور کس طرح ادا کرے؟

**الجواب:** حامداً ومصلياً ومسلماً

آپ کی تحریر سے معلوم ہوتا ہے کہ سونا بیوی کی ملکیت ہے، اس لیے اس کی زکوٰۃ بیوی پر واجب ہے، جتنا سونا ہے اس کا چالیسواں حصہ زکوٰۃ میں دینا ضروری

ہے، اگر بارہ تولہ ہے تو اس کا چالیسواں حصہ، اور اگر بیس تولہ ہے تو اس کا چالیسواں حصہ زکوٰۃ میں نکالا جائے، اگر وہ چالیسواں حصہ زکوٰۃ میں واجب ہوا، اس کی جگہ پر اس کی قیمت کے روپے زکوٰۃ کی نیت سے فقراء کو دے گی، تب بھی زکوٰۃ ادا ہو جائے گی، سو نا جب بیوی کی ملکیت ہے تو اس کی زکوٰۃ بھی اسی پر واجب ہے۔

پراویڈنٹ فنڈ میں جو رقم جمع ہے، اس کی تفصیل کیجیے، کیا یہ ساری رقم وہ ہے جو اس کی تنخواہ سے جبری طور پر کاٹی گئی تھی، یا اس میں کچھ ایسی بھی ہے جو اس نے اختیاری طور پر کٹوائی تھی؟ نیز اس میں اس کی تنخواہ میں سے کاٹی ہوئی رقم کتنی ہے اور اضافہ کتنا ہے؟ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

## عورت کے پاس نقد موجود نہ ہو تو زکوٰۃ کیسے نکالے؟

**سوال:** ایک شوہر نے اپنی شادی کے وقت اپنی بیوی کو سونے کے زیورات ہدیہ میں دیے، وہ آدمی مالدار ہے یا اس کی آمدنی کم ہے، اب زکوٰۃ نکالنے کے وقت شوہر اپنی بیوی سے کہتا ہے کہ: میں نے تجھے ہدیہ دیا، تو جانے تیرا کام جانے، اور اس عورت کے پاس پیسہ نہیں ہے اور نہ وہ کام کرتی ہے، کیا اس کو کام کرنا پڑے گا؛ تاکہ وہ اپنی زکوٰۃ دے سکے؟

**الجواب:** حامداً ومصلياً ومسلماً

جو زیورات عورت کو دیے گئے ہیں اگر وہ مقدر نصاب ہیں یا ان کے ساتھ نقد ملا کر نصاب پورا ہو جاتا ہے تو ان کی زکوٰۃ عورت پر واجب ہے۔ عورت کے پاس نقد

موجود نہ ہو تو خود ان زیورات میں سے چالیسواں حصہ زکوٰۃ کے طور پر نکالے، اس کے لیے کام کرنے کی ضرورت نہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد غنی عنہ خانپوری، ۱۸/ شوال ۱۵۳۱ھ  
الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ غنی عنہ

شوہر مقروض ہو تو بھی بیوی کے مملوک زیور پر زکوٰۃ آئے گی

**سوال:** سید بشیر کے اوپر تقریباً دو لاکھ روپیہ کا قرض ہے، جب کہ اُس کی بیوی کے پاس ساڑھے آٹھ تولہ سونے کے زیورات ہیں، زیورات کی مالک بیوی ہی ہے، تو کیا شوہر کے مقروض ہونے کی وجہ سے ان زیورات پر زکوٰۃ آئے گی؟

**الجواب:** حامداً ومصلياً ومسلماً

چوں کہ ساڑھے آٹھ تولہ سونے کے زیورات کی مالک بیوی ہے، اور اُس پر کوئی قرضہ بھی نہیں ہے؛ اس لیے اُس پر ان زیورات کی زکوٰۃ فرض ہے، اگر اُس کے پاس زکوٰۃ کی ادائیگی کے لیے کوئی رقم موجود نہ ہو تو اس زیور کا چالیسواں حصہ نکال کر بطور زکوٰۃ غرباء میں تقسیم کر دے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد غنی عنہ خانپوری

شوہر مقروض اور بیوی صاحب نصاب ہو تو؟

**سوال:** شوہر اور بیوی دونوں کام کرتے ہیں، اور دونوں کی تنخواہ اتنی ہے کہ گھر کے سامان وغیرہ کے لیے کافی ہو، اور شوہر کا قرضہ ہے، اور اس کی بیوی کے پاس

زیورات ہیں، کیا اس کی بیوی کو زکوٰۃ دینا پڑے گا یا نہیں؟

**الجواب:** حامداً ومصلياً ومسلماً

بیوی پر اپنے زیورات کی زکوٰۃ واجب ہے، خود ان زیورات میں سے چالیسواں حصہ زکوٰۃ کے طور پر نکالنا ضروری ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۱۸/شوال ۱۴۱۵ھ  
الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

**سونہ چاندی کے نصاب میں فرق کی وجہ**

**سوال:** نصاب زکوٰۃ کے لیے سونہ ساڑھے سات تولہ (۸۵ گرام) جس کی قیمت ۳۵/ ہزار تک آتی ہے، اور چاندی: ساڑھے باون تولہ (۵۹۵ گرام) جس کی قیمت تقریباً ۵/ ہزار تک آتی ہے، دونوں کے نصاب میں سات گنا فرق ہے، اس کی کیا وجہ ہے؟

**الجواب:** حامداً ومصلياً ومسلماً

یہ دونوں نصاب حضور اکرم ﷺ سے اسی طرح ثابت ہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔  
کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

**سونے چاندی کا نصاب جدید حساب سے**

**سوال:** موجودہ دور میں ساڑھے باون تولہ چاندی یا ساڑھے سات تولہ سونہ کتنا گرام ہوتا ہے؟

**الجواب:** حامداً ومصلياً ومسلماً

ساڑھے سات تولہ سونا ۸۷۴۹۷۹ گرام اور ساڑھے باون تولہ چاندی ۶۱۲۴۳۵ گرام۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۲۵ شوال المکرم ۱۴۱۳ھ  
الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

**آرڈر پر کام لینے والا زکوٰۃ کیسے ادا کرے؟**

**سوال:** ایک آدمی جس کا کاروبار یہ ہے کہ وہ آدمی ایک آدمی سے آرڈر لیتا ہے اور دوسرے کاریگر کو وہ کام دیتا ہے اور کاریگر کو اس کا معاوضہ دیتا ہے؛ مگر بعض اوقات ایسا ہوتا ہے، جس آدمی سے وہ آرڈر لیتا ہے، وہ آتا ہی نہیں ہے، یا پھر اسے وہ کام پسند نہیں آتا ہے، کاریگر کو اس کی مزدوری تو دینی ہی پڑتی ہے، جس سے کبھی بہت نقصان بھی ہوتا ہے، یہ آدمی زکوٰۃ کس طرح ادا کرے، یعنی کہ سالانہ آمدنی میں سے وہ تمام نقصانات کو نفی کر کے زکوٰۃ ادا کرے، یا پھر پوری آمدنی پر ادا کرے؟

**الجواب:** حامداً ومصلياً ومسلماً

اگر کاروبار تجارت کا ہے، تو ختم سال پر اس کے پاس جتنی رقم اور مال موجود ہے، اس کی زکوٰۃ ادا کرے، اور اگر تجارت نہیں ہے تو پھر اس کی نوعیت واضح فرمائیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

## بھینسوں پر زکوٰۃ کا حکم

**سوال:** زید صاحب نصاب ہے اور اس کا بھبھی میں ایک بھینسوں کا اصطلب ہے، جس میں ۱۰۰ بھینسیں ہیں جن کا دودھ بیچتا ہے، اور بھینسوں کو تجارت کی نیت سے نہیں خریدا اور وہ بھینسیں سائتمہ بھی نہیں ہیں؛ بلکہ انہیں گھاس دانہ خرید کر کھلایا جاتا ہے؛ تو کیا حولان حول پر ان بھینسوں پر زکوٰۃ واجب ہوگی یا اس کے منافع پر زکوٰۃ واجب ہوگی؟

**الجواب:** حامداً ومصلياً ومسلماً

سائتمہ نہ ہونے کی وجہ سے بھینسوں کی زکوٰۃ واجب نہیں ہے۔

وشرطه أي شرط افتراض أدائها حولان حول وهو في ملكه،  
وثنية المال كالدرهم والدنانير لتعينهما للتجارة بأصل الخلقه فتلزم  
الزکوٰۃ كيفما أمسكهما ولو للنفقة أو (السوم) لقيدها الآتی.

(درمختار علی هامش الشامی ۲/۱۱)

ان بھینسوں سے حاصل شدہ منافع، رقم کی صورت میں موجود ہے، اور اس پر سال گزر جائے تو دیگر شرائط کا لحاظ کرتے ہوئے زکوٰۃ واجب ہوگی۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۷/ ربیع الاول ۱۴۰۹ھ

**سوال:** بھینسوں پر زکوٰۃ واجب ہونے کی صورت میں جب کہ بعض بھینسوں پر حولان حول ہوا ہے، اور بعض بھینسوں پر نہیں ہوا ہے، تو زکوٰۃ کی ادائیگی کی کیا شکل ہوگی؟

**الجواب:** حامداً ومصلياً ومسلماً

سوال میں دریافت کردہ صورت پر بھینسوں پر زکوٰۃ واجب نہیں ہوگی۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

**نصاب صدقۃ الفطر میں زمین کا شمار ہوگا؟**

**سوال:** صدقۃ الفطر کے نصاب کو پورا کرنے کے لیے زمین کی مالیت داخل ہوگی یا نہیں؟

**الجواب:** حامداً ومصلياً ومسلماً

اگر زمین قدر کفایت سے زائد ہے، تو زائد مقدار شمار ہوگی۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۲۵ شوال المکرم ۱۴۱۳ھ

الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

**بیوی کا صدقۃ الفطر کس کے ذمہ ہے؟**

**سوال:** عقیلہ کی شادی اور رخصتی دونوں ہو چکی ہے، اور آٹھ روز ٹھہر کر اپنے سسرال سے عقیلہ اپنے والدین کے یہاں جا چکی ہے، اور پورا رمضان عقیلہ نے اپنے والدین ہی کے گھر گزارا، تو صدقۃ الفطر عقیلہ کی جانب سے کون ادا کرے گا؟ جب کہ عقیلہ کے پاس صدقۃ الفطر کا نصاب بھی موجود نہیں ہے؛ البتہ اس کے شوہر اور اس کے والدین کے پاس نصاب موجود ہے۔

**الجواب:** حامداً ومصلياً ومسلماً

عقيلہ کے پاس اگر نصابِ صدقۃ الفطر ہے، تو خود اپنا صدقۃ الفطر ادا کرے گی، ورنہ والدین یا شوہر میں سے کسی پر عقيلہ کی طرف سے صدقۃ الفطر کی ادائیگی نہیں ہے، چاہے وہ حضرات صاحبِ نصاب ہوں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۲۵/شوال المکرم ۱۴۱۳ھ

الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

**تعمیر مکان کے لیے خریدی گئی اشیاء پر صدقۃ الفطر**

**سوال:** عقیل نامی شخص کا مکان ٹی سیٹ کا خستہ مکان ہے، اس نے از سر نو

مکان بنانے کے لیے چودہ ہزار روپے کی اینٹ خریدی ہے، اور اس کے پاس کل زمین دو کٹھ ہے، جس کی مالیت صرف سولہ ہزار روپے ہے، اور گھر میں سونا چاندی بھی موجود ہے، البتہ نقد کی شکل میں پندرہ سو روپے اس کے پاس موجود ہیں، اور کسی کا قرض بھی نہیں ہے، تو کیا اس پر صدقۃ الفطر واجب ہوگا؟

**الجواب:** حامداً ومصلياً ومسلماً

گھر میں موجود سونا چاندی اور نقد پندرہ سو روپے ملا کر ساڑھے باون تولہ چاندی کی قیمت کے برابر ہو جاتا ہے تو عقیل پر صدقۃ الفطر اور زکوٰۃ دونوں واجب ہے اور اگر یہ سب ملا کر ساڑھے باون تولہ چاندی کے برابر نہیں ہوتا، تو زکوٰۃ واجب نہیں؛ البتہ چوں کہ چودہ ہزار روپے کی اینٹ ابھی غیر مستعمل پڑی ہے، اس لیے صدقۃ الفطر نیز قربانی واجب ہے۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۲۵/شوال المکرم ۱۴۱۳ھ

الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ



## قرض اور زکوٰۃ کے مسائل

### مانع زکوٰۃ قرض

**سوال:** کتنا قرضہ ہو کہ جس کی بنا پر آدمی پر زکوٰۃ فرض نہیں ہوتی ہر آدمی پر کچھ تو کچھ قرضہ ہوتا ہی ہے۔

**الجواب:** حامداً ومصلياً ومسلماً

آدمی کے پاس زکوٰۃ واجب ہونے والا جو مال ہے اس کی مجموعی مقدار میں سے اس کا جتنا بھی قرضہ ہے وضع (کم) کیا جائے اس کے بعد جو مال بچ گیا وہ مقدارِ نصاب یا زیادہ ہے تو اس کی زکوٰۃ ادا کی جائے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

أما: العبد احمد خانپوری، ۹ رجب المرجب ۱۴۲۳ھ

الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ

### فیکٹری مالکان تجار کا دین محیط اور وجوب زکوٰۃ

**سوال:** ① ایک آدمی (زید) نے ایک کروڑ روپے کی پراپرٹی کرایہ پر دینے کی نیت سے خریدی اور کرایہ پر دے دی، قیمت کے بیس لاکھ روپے ادا کر دیے، جب کہ سابقہ اسی (۸۰) لاکھ روپے کئی سالوں میں قسط وار ادا کرنے ہیں، واضح ہو کہ اس پراپرٹی کا کرایہ سالانہ دس لاکھ روپیہ آتا ہے جس میں سے دو لاکھ روپے نقد ادا کردہ بیس لاکھ کے مقابلہ میں بیٹھتا ہے، جب کہ آٹھ لاکھ روپے واجب الادا قرض

اسی ۸۰ لاکھ کے مقابلہ میں پڑتا ہے، اس پر اپرٹی پر حاصل شدہ کرایہ کی زکوٰۃ کی ادائیگی کے سلسلہ میں مقامی علمائے کرام سے مسئلہ دریافت کرنے پر انہوں نے بتلایا کہ: ”کرایہ میں سے اولاً ایک سال کی واجب الاداء قسطیں وضع کر لی جائیں، بعدہ اگر بقدر نصاب مال بچ جائے تو زکوٰۃ واجب ہوگی؛ ورنہ نہیں“؛ مگر اس پر اشکال یہ ہے کہ اس صورت میں پورا کرایہ سالانہ قسطوں کی ادائیگی میں خرچ ہو جاتا ہے، اور اُس شخص پر کوئی زکوٰۃ واجب نہیں ہوتی، اور ہمارے یہاں اربابِ اموال قسط وار ادائیگی کی شرط پر قرض لیتے چلے جاتے ہیں، اور کرایہ پر دینے کی نیت سے پر اپرٹیاں خرید کر کرایہ پر دیتے چلے جاتے ہیں، اور حاصل شدہ کرایہ سے صرف قسطیں ہی ادا ہو پاتی ہیں؛ بلکہ بعض اوقات تو قسطوں کی ادائیگی میں کرایہ ناکافی ہونے پر جیب سے بھی پیسے نکالنے پڑتے ہیں، یوں ان حضرات کی املاک بڑھتی جاتی ہیں اور زکوٰۃ اُن پر واجب نہیں ہوتی، یہ میری سمجھ سے باہر ہے، میرے خیال میں نقد ادا کردہ قیمت کے مقابلہ میں آنے والے کرایہ میں سے ٹیکس کی رقم وضع کرنے کے بعد بقیہ پیسوں پر زکوٰۃ واجب ہونی چاہیے، مثلاً: سوال میں ذکر کردہ صورت کے مطابق نقد ادا کردہ قیمت بیس لاکھ کے مقابلہ میں آنے والے دو لاکھ روپیوں پر ٹیکس وضع کرنے کے بعد زکوٰۃ واجب ہونی چاہیے، امید ہے کہ اس کا معقول حل پیش فرمائیں گے۔

② دوسرا مسئلہ یہ ہے کہ اگر کوئی مالدار مسلمان کسی دوسرے مسلمان کو ایک بڑی (معتدبہ) رقم بطور قرض دیتا ہے، اور قرض دار اُس رقم سے پر اپرٹی (املاک) بہ نیت تجارت خریدے، اور قرض کی رقم اُسے قسط وار کئی سالوں میں ادا کرنی ہے، تو ایسی صورت میں مسئلہ پوچھنے پر معلوم ہوا کہ قرض دار کو ایک سال کی قسطیں وضع کرنے

کے بعد اُس پر اپرٹی کی قیمت پر زکوٰۃ ادا کرنی ہے، اور قرض خواہ کو بھی قرض دی ہوئی رقم کی زکوٰۃ وصولی کے بعد گذشتہ سالوں کی بھی ادا کرنی ہے، اس صورت میں ایک ہی پیسے پر دوہری زکوٰۃ لازم آتی ہے؛ کیوں کہ قرض دار کے پاس جو پر اپرٹی ہے وہ اسی رقم کا عوض ہے؛ لہذا گزارش ہے کہ اس کا تشفی بخش جواب مرحمت فرما کر ممنون فرمائیں۔

③ ایک شخص نے ایک کروڑ روپے کا مال تجارت خریدا، جس میں سے ۵۰ لاکھ نقد ادا کر دیے اور ۵۰ لاکھ قسط وار ادا کرنے ہیں، تو ایسی صورت میں زکوٰۃ کی ادائیگی کا طریقہ کیا ہونا چاہیے؟ آیا اس طرح ادا کرے کہ جو قیمت نقد ادا کر دی ہے اُس کے مقابلہ میں آنے والے مال تجارت پر زکوٰۃ ادا کر دی جائے، اور جو قسط وار ادا کرنی باقی ہے اُس کی زکوٰۃ واجب نہ ہوگی، یا پھر کوئی اور صورتِ حال ہے؟ برائے مہربانی واضح اور تشفی بخش رہنمائی فرما کر ممنون فرمائیں۔

الجواب: حامداً ومصلياً ومسلماً

آپ کے سوال کا جواب دینے سے پہلے بطور تمہید چند امور ذکر کیے جاتے ہیں: شریعتِ مطہرہ میں زکوٰۃ کے واجب ہونے کے لیے چند شرائط کا ہونا ضروری ہے، ان میں سے ایک یہ ہے کہ: وہ مال بقدر نصاب ہو۔ چنانچہ ”فتاویٰ عالمگیری“ میں شرائطِ وجوب کو جہاں شمار کرایا ہے اُس میں تحریر فرماتے ہیں: ومنہا کون المال نصاباً، فلا تجب فی أقل منہ، ہکذا فی العینی شرح کنز (۱/۱۷۲)

ان ہی شرائطِ وجوب میں سے ایک یہ بھی ہے کہ: وہ مال نصاب نامی ہو۔

① ”کنز الدقائق“ میں ہے: وشرط وجوبها: العقل، والبلوغ، والإسلام والحریة، وملك نصاب حولي فارغ عن الدين وحاجته

الأصلية، نام ولو تقديراً (كنز الدقائق: ۵۶)

② ”عالمگیری“ میں ہے: ومنها كون النصاب نامياً حقيقةً بالتوالد والتناسل والتجارة، أو تقديراً بأن يتمكن من الاستنماء بكون المال في يده أو في يد نائبه، وينقسم كل واحد منهما إلى قسمين خلقي وفعلي هكذا في التبيين (۱/ ۱۷۴)

③ ”بدائع الصنائع“ میں ہے: ومنها كون المال نامياً؛ لأن معنى الزکوٰۃ وهو النماء لا يحصل إلا من المال النامي (۱۷/ ۲)

اور مال نامی کی تشریح میں فقہاء نے اٹمان چاہے وہ خلقی ہوں۔ جیسے: سونا اور چاندی۔ یا عرفی،۔ جیسے: سکہ رائج الوقت۔ اور مال تجارت اور سوائم کو شمار کیا ہے۔

”المحيط البرهاني“ میں ہے: فنقول: مال الزکوٰۃ الأثمان، وهي الذهب والفضة وأشباههما والسوائم وعروض التجارة (۳/ ۱۰۶)

اس لیے اٹمان اور سوائم کے علاوہ میں جب تک تجارت کی نیت نہ ہو زکوٰۃ واجب نہیں ہوگی؛ چنانچہ اگر کسی آدمی نے زمین یا مکان یا اور کوئی چیز تجارت کے علاوہ کسی اور نیت سے خریدی، مثلاً: رہائش کے لیے یا کرایہ پر دینے کے لیے، تو اس میں زکوٰۃ واجب نہیں ہوگی۔

”ہدایہ“ میں ہے: وليس في دور السكنى وثياب البدن وأثاث المنزل ودواب الركوب وعبيد الخدمة وسلاح الاستعمال زكاة؛ لأنها مشغولة بالحاجة الأصلية وليست بنامية أيضاً (هدایہ ۱/ ۱۸۶)

”امداد الفتاویٰ“ میں ہے:

سوال: چرمی فرمایند علمائے دین اندریں مسئلہ کہ: برمکانات و دکانات کہ زائد از

سکونت ہست و براں کرایہ گرفتہ می شود، آیا زکوٰۃ واجب ست یا نہ؟

الجواب: زکوٰۃ برانہا واجب نیست؛ زیرا کہ نامی شدن نصاب از شرائط زکوٰۃ است، و مکانات نامی نیستند۔ و منها کون النصاب نامیاً (عالمگیری ۱/۱۷۷) ولا في ثياب البدن وأثاث المنزل ودور السكنى ونحوها (درمختار) قوله: (ونحوها) كحوانيت وخانات يستغلها (طحطاوي مصري ۱/۳۹۲) (امداد الفتاویٰ ۲/۱۷)

نیز یہ بھی ضروری ہے کہ وہ مالِ نصاب دیون اور قرضوں سے خالی ہو، اگر مالکِ نصاب پر اتنا قرض ہے کہ پورا مال اُس کی ادائیگی میں ختم ہو سکتا ہے تو اُس پر زکوٰۃ نہیں، اور اگر قرض تو ہے؛ لیکن اُس کی ادائیگی کے بعد بھی بقدرِ نصاب مال بچ جاتا ہے، تو قرض کی مقدار منہا کرنے کے بعد بچے ہوئے مال پر زکوٰۃ واجب ہوگی۔

”المحيط البرهاني“ میں ہے: الفصل العاشر في بيان ما يمنع وجوب الزکوٰۃ، فنقول: ما يمنع وجوب الزکوٰۃ أنواع: منها الدين، قال أصحابنا: كل دين له مطالب من جهة العباد يمنع وجوب الزکوٰۃ، سواء كان الدين للعباد أو لله تعالى إلخ (۳/۲۲۸)

قال محمد رحمه الله في ”الجامع“ أيضاً: رجل له دراهم ودينانير، وعروض التجارة، والسوائم، ومال قنية، وعقار، وعليه دين مستغرق فلا زكاة عليه، وقد مر هذا وإن استغرق الدين بعض هذه الأموال ذكر في عامة نسخ ”الجامع“: أنه يصرف الدين إلى نصاب الدراهم والدينانير [ثم] إلى مال التجارة، وهكذا ذكر في ”النوادر“ وذكر في بعض نسخ ”الجامع“: أنه يصرف الدين إلى الدراهم والدينانير، وأموال التجارة، وسوى بين الدراهم والدينانير وأموال التجارة، والأول أصح.

يجب أن يعلم أنه إذا كان للمديون صنف من الأموال المختلفة، والدين مستغرق بعض هذه الأموال، فالدين أولاً يصرف إلى الدراهم والدنانير، إما لأن قضاء الدين استبدل من حيث إن الدين تقضى بأمثالها، و[القضاء] بالمثل مبادلة، فكان صرفه إلى مال معدّ للاستبدال أولى، والدراهم والدنانير معدّة للاستبدال دون غيرها، وإما لأن الدراهم والدنانير أيسر المالين قضاءً، والدين أبداً يصرف إلى أيسر المالين قضاءً؛ فإن فضل شيء من الدين يصرف إلى عروض التجارة دون السائمة، إلخ. (۲۳۱، ۲۳۲ / ۳)

اور دین کے سلسلہ میں فقہاء نے تصریح کی ہے کہ: وہ دین چاہے فوری ادائیگی والا ہو یا مؤجل، بہر صورت وہ وجوب زکوٰۃ سے مانع ہے۔

”تبيين“ میں ہے: ولا فرق في الدين بين المؤجل والحال (۱ / ۲۰۴)  
 ”بحر الرائق“ میں صاحب کنز کے قول ”فارغ عن الدين“ کی تشریح میں ہے: أطلقه فشمّل الحال والمؤجل (بحر الرائق ۲ / ۲۱۹)

”بدائع الصنائع“ میں ہے: ومنها أن لا يكون عليه دين مطالب به من جهة العباد عندنا، فإن كان فإنه يمنع وجوب الزكاة بقدره، حالاً كان أو مؤجلاً (۶ / ۲)

”امداد الاحكام“ میں ہے:

سوال: ایک شخص نے چار ہزار روپیہ میں ایک زمین خریدی، جس کی اداس قسطوں میں قرار پائی ہے، ایک قسط وہ ادا کر چکا اور زمین پر قابض ہو گیا، دوسری قسط کے لیے ڈھائی سو روپیہ اُس کے پاس رکھا ہے جس پر حوالانِ حول ہو چکا ہے، تو اُس

رقم پر زکوٰۃ واجب ہے یا نہیں؟ اور زمین کا قرض مانع وجوب زکوٰۃ ہے یا نہیں؟  
 الجواب: اُس رقم پر زکوٰۃ واجب نہیں، قرض بہر حال مانع وجوب زکوٰۃ ہے خواہ  
 زمین کی وجہ سے ہو یا کسی اور وجہ سے، اور خواہ اُس کی ادا بالاقساط مشروط ہو یا بلا  
 اقساط۔ واللہ اعلم۔ (۲۸/۲)

معلوم ہوا جس قرض کی ادائیگی قسطوں کی شکل میں تجویز ہوئی ہو وہ بھی بہر حال  
 وجوب زکوٰۃ سے مانع ہے۔

مالِ نصاب میں سے دین اور قرض کو منہا کرنے کے سلسلہ میں بھی حضرات فقہا  
 نے ترتیب ملحوظ رکھی ہے، مثلاً: کسی آدمی کے پاس مختلف نصاب ہیں، یعنی دراہم  
 ودنانیر والا نصاب بھی ہے اور مالِ تجارت والا نصاب بھی ہے، اور سوائم (موشیوں)  
 والا نصاب بھی ہے، اور وہ آدمی مدیون بھی ہے، تو اُس کا دین اولاً دراہم ودنانیر والے  
 نصاب سے منہا کیا جائے گا، اگر اُس میں سے منہا کرنے سے وہ دین پورا ہو جاتا  
 ہے تو اُس نصاب کی زکوٰۃ اُس پر واجب نہ ہوگی؛ لیکن بقیہ نصابوں (مالِ تجارت اور  
 سوائم) کی زکوٰۃ اُس پر واجب ہوگی، اگر دراہم ودنانیر سے بھی وہ دین پورا نہیں ہو رہا  
 ہے تو پھر مالِ تجارت والے نصاب میں سے منہا کیا جائے، اس کے بعد جو نصاب بچ  
 جائے اُس کی زکوٰۃ وہ ادا کرے گا۔

”عناہ“ شرح ہدایہ میں ہے: اعلم أن المديون إذا كان له صنوف من  
 الأموال المختلفة والدين يستغرق بعضها، صرف أولاً إلى النقود، فإن  
 فضل شيء منه صرف إلى عروض التجارة دون السائمة، فإن فضل  
 شيء منه صرف إلى مال القنية، فإن كان له نصب من الإبل والبقر

والغنم یصرف إلى أقلها زكاة الخ (عنايه على هامش فتح القدير ۲/۱۶۱)  
 ”محیط برہانی“ میں ہے: يجب أن يعلم أنه إذا كان للمديون  
 صنوف من الأموال المختلفة، والدين مستغرق بعض هذه الأموال،  
 فالدين أولاً يصرف إلى الدراهم والدنانير، إما لأن قضاء الدين استبدل  
 من حيث إن الديون تقضى بأمثالها، و[القضاء] بالمثل مبادلة، فكان  
 صرفه إلى مال معدّ للاستبدال أولى، والدراهم والدنانير معدّة  
 للاستبدال دون غيرها، وإما لأن الدراهم والدنانير أيسر المالين قضاء،  
 والدين أبداً يصرف إلى أيسر المالين قضاء؛ فإن فضل شيء من الدين  
 يصرف إلى عروض التجارة دون السائمة، الخ (۳/۲۳۲، ۲۳۱)

آگے تحریر فرماتے ہیں: فإن كان له نصاب من السوائم والإبل والبقر  
 والغنم فالدين يصرف إلى أقلها زكاة، حتى إن في هذه المسألة يصرف  
 الدين إلى الإبل والغنم الخ (۳/۲۳۲)

اس ضروری وضاحت کے بعد آپ کے سوالات کے جوابات بالترتیب دیے جا  
 رہے ہیں:

① مذکورہ بالا پوری تمہید سے یہ بات صاف ہو چکی کہ، اگر کسی کے پاس اموال  
 زکوٰۃ (نقد، مالی تجارت، سوائم) میں سے کوئی مال بقدر نصاب ہو اور وہ دین سے خالی  
 ہو، تب ہی اُس پر زکوٰۃ واجب ہوگی، چاہے وہ دین معجل ہو یا مؤجل، چاہے بالاقساط  
 ہو یا بلا اقساط، ہر حال میں وہ دین وجوب زکوٰۃ سے مانع ہے۔

آپ نے اپنے سوال میں جو صورت مسئلہ پیش کی ہے اُس میں زید ۸۰ لاکھ  
 روپیہ کا مدیون ہے (اگرچہ یہ رقم اُس کو کئی سالوں میں قسط وار ادا کرنی ہے) تو جب



زید کا زکوٰۃ کا سال پورا ہوگا اُس وقت اُس کے پاس اموالِ زکوٰۃ میں سے جتنی بھی اصناف موجود ہوں گی، اُن میں سے بالترتیب اُس کا یہ قرض منہا کیا جائے گا، اِس کے بعد اگر اُس کے پاس اموالِ زکوٰۃ میں سے کوئی مال بقدر نصاب بچ جاتا ہے تو اُس پر زکوٰۃ واجب ہوگی؛ ورنہ نہیں۔

صورتِ مسئلہ میں زکوٰۃ کا سال پورا ہونے پر زید کے پاس جو نقد رقم موجود ہے چاہے اُس پر اپرٹی کے کرایہ کی شکل میں حاصل شدہ ہو یا اور کسی ذریعہ سے اُس کی ملک میں آئی ہو، وہ اور جتنا سونا اور چاندی اُس کی ملک میں ہے، اُس کی قیمت لگا کر اُس کے مجموعہ سے ۸۰ لاکھ روپیے قرض منہا کیا جائے، اگر بقدر نصاب مال بچتا ہے تو اِس بچے ہوئے پر زکوٰۃ واجب ہوگی؛ ورنہ بقایا قرض کو مالِ تجارت میں سے منہا کیا جائے، اگر اُس سے قرض پورا ہو جاتا ہے اور بچا ہو مال بقدر نصاب ہے، تو اُس پر زکوٰۃ واجب ہوگی؛ ورنہ نہیں۔ آپ نے اپنی سمجھ سے وجوبِ زکوٰۃ کا جو حساب لکھا ہے وہ درست نہیں۔

نوٹ: البتہ اِس صورت میں یہ اشکال ہوتا ہے کہ اِس زمانہ میں بڑے بڑے مالداروں کا کاروبار ہی یہ ہو گیا ہے کہ قابلِ زکوٰۃ مال جتنا بڑھتا جاتا ہے اُس سے زیادہ قرض لیتے جاتے ہیں، اور نئی نئی ملیں، کارخانے کھولتے جاتے ہیں، اگر ان سب قرضوں کو منہا کیا جائے تو ایسے مالداروں کو شاید زکوٰۃ دینے کی توفیق ہی نہ ہو، جو مقاصدِ شریعت کے خلاف معلوم ہوتا ہے؛ اِسی لیے دورِ حاضر کے بعض اربابِ فتویٰ خصوصاً حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا فتویٰ یہ تھا کہ: ایسے کاروباری حضرات کے لیے اپنے آپ کو زکوٰۃ سے فارغ سمجھنا مناسب نہیں، اور جس قدر اپنا مال قابلِ زکوٰۃ ہے اُس کی زکوٰۃ دینی چاہیے، بالخصوص جب کہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک کسی بھی قسم

کے قرض کو زکوٰۃ سے منہا کرنے کی گنجائش نہیں؛ لیکن اُن کا فتویٰ بطورِ وجوب نہیں؛ بلکہ بطورِ مشورہ ہے؛ اس لیے کہ حنفیہ کا مسلک (جیسا کہ اوپر آچکا) یہی ہے کہ اگر کوئی صاحبِ نصاب مقروض ہو تو قابلِ زکوٰۃ مالیت میں سے قرض منہا کیا جائے گا، منہائی کے بعد اگر وہ شخص صاحبِ نصاب ہی نہ رہا تو زکوٰۃ واجب نہیں؛ ورنہ صرف باقی مال کی زکوٰۃ واجب ہوگی۔

حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی مدظلہ کی کتاب ”فقہی مقالات“ ۳/ ۱۵۵ پر ”قرضوں کی منہائی“ کے عنوان کے ماتحت ”قرضوں کی تقسیم“ اور پھر ”تجارتی قرضے کب منہا کیے جائیں“ ان عنوانات سے جو حکم بیان کیا ہے اُس کی بنیاد بھی حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا یہی موقف ہے۔

② آپ کے اس سوال کی بنیاد بھی وہی نظریہ ہے جو اوپر ذکر کیا گیا؛ ورنہ حنفیہ کا جو اصل مسلک ہے اُس کے اعتبار سے قرض دار پر بنیتِ تجارت خریدی ہوئی اس پر اپرٹی کی قیمت میں سے پورا قرض منہا کرنے کے بعد جو حصہ بچے گا، اُسی کی زکوٰۃ واجب ہوگی، اور اس صورت میں آپ کا یہ اشکال کہ ایک ہی پیسہ پر دوہری زکوٰۃ لازم آتی ہے، وارد نہیں ہوتا۔

③ آپ کے اس سوال کی بنیاد بھی وہی نظریہ ہے جو اوپر بیان کیا جا چکا۔ صورتِ مسئلہ میں اُس پر پچاس لاکھ کی جو ادائیگی باقی ہے وہ پورا دینِ مالِ تجارت میں سے منہا کرنے کے بعد جو مال بچ جائے گا، اُس پر بقدرِ حساب زکوٰۃ واجب ہوگی۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

آملآہ: احمد عفی عنہ خانپوری، ۱۴/ جمادی الاولیٰ ۱۴۲۹ھ

## دین مہر مانع وجوب زکوٰۃ ہے یا نہیں؟

**سوال:** شاہد مالک نصاب ہے، اور اس پر اس کی بیوی شاہدہ کا دین ہے بصورت مہر مؤجل، اور مہر اتنا ہے کہ اگر شاہد مہر ادا کرے تو شاہد مالک نصاب نہیں رہتا؛ مگر شاہد مہر کی ادائیگی کی نیت نہیں رکھتا تو شاہد پر زکوٰۃ واجب ہوگی یا نہیں؟

مسئلہ بالا میں زید اور بکر کے درمیان اختلاف ہو گیا یا اس طور کہ زید کا کہنا ہے کہ شاہد پر اس صورت میں زکوٰۃ واجب ہوگی، اور کہتا ہے کہ حضرت حکیم الامت مولانا تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے وجوب زکوٰۃ کا فتویٰ دیا ہے، اس کے جواب میں بکر کا کہنا ہے کہ ذکر کردہ صورت میں شاہد پر زکوٰۃ واجب نہیں ہوگی؛ کیوں کہ دین کسی بھی طرح کا ہو بشرطیکہ اس کا مطالبہ من جہتہ العباد ہو تو وہ مانع وجوب زکوٰۃ ہے، اور بکر نے حضرت حکیم الامت مولانا تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے فتوے کے جواب میں کہا کہ حضرت اقدس کا فتویٰ سر آنکھوں پر؛ مگر اس پر ایک اعتراض واقع ہوتا ہے کہ اگر صورت بالا میں شاہد کو مسئلہ بتا کر کہ تم پر زکوٰۃ واجب ہے، زکوٰۃ ادا کرادی گئی اور پھر شاہد فوت ہو گیا تو آیا دین مہر جو اس کی بیوی کا اس کے ذمہ قرض ہے وہ معاف ہو جائے گا یا قیامت میں اس کا حساب کتاب ہوگا؟ اگر حساب نہیں ہوگا اور زکوٰۃ کی ادائیگی سے دین ساقط ہو گیا تب تو درست ہے، اور اگر روز جزاء اس کا حساب ہوگا تو پھر دین کی ادائیگی کی ترغیب دلا کر دین مہر ادا کرائی جانی چاہیے، نہ کہ وجوب زکوٰۃ کا مسئلہ بتلا کر زکوٰۃ ادا کرائی جانی چاہیے، اب آل محترم سے التماس ہے کہ مسئلہ بالا کا شرعی حکم کیا ہے؟ بلا کسی اگر مگر دولوک شرعی حکم مدلل عنایت فرمائیں، اور زید و بکر دونوں میں سے کون صحیح پر ہے؟ نیز

حضرت اقدس مولانا تھانوی نور اللہ مرقدہ وبرد مضجعہ کے فتوؤں کی تشریح فرما کر عند اللہ ماجور ہوں۔

**الجواب:** حامداً ومصلياً ومسلماً

دین مہر مانع عن وجوب الزکوٰۃ ہے یا نہیں؟ اس سلسلہ میں کتب فقہ میں مختلف اقوال مذکور ہیں، سب سے پہلے چند کتب فقہ کی عبارتیں پیش کرتا ہوں، اس کے بعد ان کا خلاصہ لکھوں گا:

(۱) ولو كان عليه مهر لإمرأته وهو لا يريد أداءه لا يجعل مانعاً عن الزکوٰۃ، ذكره في التحفة عن بعضهم لأنه لا يعده ديناً، وذكر قبله مهر المرأة يمنع مؤجلاً كان أو معجلاً؛ لأنها متى طلبت أخذته، وقال بعضهم: إن كان مؤجلاً لا يمنع؛ لأنه غير مطالب به عادة انتهى وهذا يفيد أن المراد المؤجل عرفاً لا شرطاً مصرحاً به، وإلا لم يصح قوله "لأنها متى طلبت أخذته" ولا بأنه غير مطالب به عادة؛ لأن هذا في المعجل لا المؤجل شرطاً فلا معنى لتقتيد عدم المطالبة فيه بالعادة فتح القدير (۱/ ۴۸۸)

(۲) وعلى هذا يخرج مهر المرأة، فإنه يمنع وجوب الزکوٰۃ عندنا معجلاً كان أو مؤجلاً؛ لأنها إذا طالبتة يؤاخذ به، وقال بعض مشائخنا: إن المؤجل لا يمنع؛ لأنه غير مطالب به عادة فأما المعجل فيطالب به عادة فيمنع، وقال بعضهم: إن كان الزوج على عزم من قضاؤه يمنع، وإن لم يكن على عزم القضاء لا يمنع؛ لأنه لا يعده ديناً وإنما يؤاخذ المرأ بما عنده في الأحكام (بدائع الصنائع ۶/۲)

(۳) ومؤجلاً ولو صدق زوجته المؤجل للفراق (درمختار) (قوله:

المؤجل) وقيل: المهر المؤجل لا يمنع؛ لأنه غير مطالب به عادة بخلاف المعجل، وقيل: إن كان الزوج عزم على الأداء منع وإلا فلا، لأنه لا يعد ديناً بحر عن غاية البيان في القهستاني، والصحيح أن المؤجل غير مانع كما في الجوهرة، وقوله للفراق: متعلق بالمؤجل وسواء كان الفراق بطلاق أو موت كما في البحر (طحطاوي على الدر المختار ۱/۳۹۷)

(۴) أطلقه فشمّل الحال والمؤجل ولو صدق زوجته المؤجل إلى الطلاق أو الموت، وقيل: المهر المؤجل لا يمنع لأنه غير مطالب به عادة بخلاف المعجل، وقيل: إن كان الزوج على عزم الأداء منع وإلا فلا لأنه لا يعد ديناً كذا في الغاية البيان (البحر الرائق ۲/۲۱۹)

(۵) وكذلك المهر يمنع مؤجلاً كان أو معجلاً لأنه مطالب به، كذا في محيط السرخسي وهو الصحيح على ظاهر المذهب، وذكر البزدوي في شرح الجامع الكبير، قال مشائخنا في رجل عليه مهر مؤجل لإمرأته وهو لا يريد أدائه لا يجعل مانعاً من الزکوٰۃ لعدم المطالبة في العادة وأنه حسن أيضاً هكذا في جواهر الفتاوى (فتاوى عالمگیری ۱/۱۷۳)

(۶) أو مؤجلاً ولو صدق زوجته المؤجل للفراق (درمختار) (قوله أو مؤجلاً) عزاه في المعراج إلى شرح الطحاوي وقال: وعن أبي حنيفة لا يمنع وقال الصدر الشهيد لا رواية فيه ولكل من المنع وعدمه وجه زاد في القهستاني عن الجواهر والصحيح أنه غير مانع. (شاي ۲/۶۷)

مندرجہ بالا عبارات فقہیہ سے چار اقوال معلوم ہوئے: ① دین خواہ مؤجل ہو یا معجل، مہر ہو یا غیر مہر، بہر صورت مانع و جب زکوٰۃ ہے۔ ② دین مؤجل مانع نہیں

مہر ہو یا غیر مہر۔ (۳) صرف مہر مؤجل مانع نہیں۔ (۴) زوج ادائے مہر کا عزم رکھتا ہو تو مانع ہے ورنہ نہیں۔

حضرت حکیم الامت رحمۃ اللہ علیہ نے آخر میں قول رابع کو ترجیح دی ہے، حضرت مولانا مفتی محمد کفایت اللہ رحمۃ اللہ علیہ نے کفایت المفتی ۳/ ۲۴۶ میں اور حضرت مولانا ظفر احمد صاحب عثمانی رحمۃ اللہ علیہ نے امداد الاحکام ۲/ ۳ میں اور حضرت فقیہ الامت مولانا مفتی محمود حسن گنگوہی دامت برکاتہم نے فتاویٰ محمودیہ ۱۳/ ۱۰۴ میں اسی کو اختیار فرما کر اس پر فتویٰ دیا ہے، حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے فتاویٰ دارالعلوم دوم (امداد المفتیین) مطبوعہ کراچی ص ۴۵۱ میں لکھا ہے: ”دین مہر ہمارے ملک میں مانع زکوٰۃ نہیں“۔ احقر کے خیال میں اس کی بنیاد بھی قول رابع ہی ہے، اس لیے کہ ہمارے یہاں عموماً زوج کا ارادہ و عزم ادائے مہر کا نہیں ہوتا۔ ہذا ما عندی، وکذا فہمت من فتاویٰ الأکابر رحمہم اللہ تعالیٰ۔

سوال میں بکر کا جو اعتراض ذکر کیا گیا ہے، اس سے اکابر کے فتاویٰ پر کوئی زد نہیں پڑتی، اس لیے کہ فقہاء احناف نے بالاتفاق یہ لکھا ہے کہ اگر دین ایسا ہے کہ بندوں کی طرف سے اس کا کوئی مطالبہ کرنے والا نہیں ہے تو وہ دین وجوب زکوٰۃ سے مانع نہیں، بکر والا مذکورہ اعتراض یہاں بھی وارد ہوتا ہے، کیا زکوٰۃ ادا کرنے کی وجہ سے آخرت میں اس دین کا مطالبہ نہیں ہوگا؟ مجھے کسی کتاب میں یہ صراحت نہیں ملی کہ قیامت کا مطالبہ اس صورت میں ساقط ہو جائے گا۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد غنی عنہ خانپوری، ۱۵/ ذوالقعدة الحرام ۱۴۱۶ھ

الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ غنی عنہ

## دین متوسط پر وجوبِ زکوٰۃ کی ایک صورت

**سوال:** ایک صاحب نے اپنی حیات میں اپنی ملکیت کو اپنی اولاد پر ہبہ کیا ہے اس طرح پر کہ اپنی کل مالیت کی قیمت لگا کر ”للذکر مثل حظ الانثیین“ کے حساب سے تقسیم کیا ہے، جس میں تین مکان ہیں، دو کی قیمت پانچ پانچ لاکھ روپیہ ہے اور ایک کی قیمت آٹھ لاکھ روپیہ ہے، وہ تینوں مکان تینوں لڑکوں کو دیا ہے، اور جس مکان کی قیمت آٹھ لاکھ روپیہ ہے اس سے یہ طے کیا ہے کہ وہ تین لاکھ روپیہ پانچ سال میں والد صاحب کو واپس کرے گا، اور والد صاحب نے ان تین لاکھ روپیہ میں سے ڈھائی لاکھ روپیہ اپنی ایک لڑکی کو دینے کا کہا ہے، جو اس کا حصہ بنتا ہے کہ جب وہاں سے روپیہ آئے گا پانچ سال میں تو وہ روپیہ میں تم کو (لڑکی) دے دوں گا، تو اس شکل میں اس تین لاکھ پر جس میں ڈھائی لاکھ لڑکی کا حصہ ہے پچاس ہزار والد کا حصہ ہے زکوٰۃ کس پر آئے گی؟ نیز ان تینوں لڑکوں سے ستر ستر ہزار روپیہ لینا بھی طے کیا ہے جو حسب سہولت تین، چار سال میں ادا کریں گے تو اس رقم پر بھی زکوٰۃ ہے یا نہیں؟

**الجواب:** حامداً ومصلياً ومسلماً

یہ دین متوسط کے قبیل سے ہے، اس لیے رقم وصول کرنے کے بعد گذشتہ سالوں کی زکوٰۃ واجب ہوگی، یہ یاد رہے کہ تمام زکوٰۃ باپ پر واجب ہوگی؛ اس لیے کہ باپ کے یہ کہہ دینے سے کہ اتنی رقم لڑکی کو دینا ہے اس پر لڑکی کی ملکیت یا استحقاق نہیں ہوتا جب تک کہ اس کے قبضہ میں نہ آجائے۔

نوٹ: باپ اگر اپنی زندگی میں اپنی جائیداد اولاد میں تقسیم کرتا ہے تو یہ شرعاً

میراث نہیں؛ بلکہ ہبہ ہے، اس لیے لڑکے اور لڑکیوں کو برابر دینا چاہیے، لڑکے کو لڑکی کے مقابلہ میں زیادہ دینا درست نہیں۔

لڑکوں سے ستر ہزار کی وصولیابی کس بنیاد پر ہے واضح کیجیے؟ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔  
کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۱۲/ شوال ۱۴۱۸ھ

## دین مؤجل بھی وجوب زکوٰۃ کے لیے مانع ہے

**سوال:** ایک آدمی کے پاس مثلاً زید کے پاس ۲۱ / لاکھ روپیہ ہیں جو بکر کو بطور قرض دے رکھے ہیں اور مقروض (بکر) قرض خواہ (زید) کو تھوڑا تھوڑا کر کے ادا کر دے گا، اسی عرصہ میں ان ۲۱ / لاکھ روپیہ پر سال گزر گیا، لہذا قرض خواہ (زید) نے ان ۲۱ / لاکھ کی زکوٰۃ ادا کر دی (اگرچہ وصولیابی کے بعد ادا کرتا تو بھی درست تھا) اسی طرح دوسرا سال چل رہا تھا اور سال پورا ہونے میں ۱۵ یا ۲۰ دن باقی تھے کہ قرض خواہ (زید) نے ایک فلیٹ ۹ / لاکھ میں ادھار خرید لیا، (بیچنے کی نیت نہیں) اور یہ کہا کہ میرے فلاں (بکر) کے پاس سے ۲۱ / لاکھ لینے ہیں، جب وہ دے گا تب ان میں سے ۹ / لاکھ ادا کر دوں گا اور باقی اس پر راضی بھی ہو گیا، اگرچہ ثمن کے ادا کرنے کی مدت مجہول ہونے کی وجہ سے بیع درست نہیں، لیکن بالفرض یہ بیع درست ہوتی اور جو دوسرے سال کے باقی ۱۵ یا ۲۰ دن گزر کر دوسرا سال بھی پورا ہو جائے گا تو ان ۹ / لاکھ جو مشتری (زید) پر قرض ہو گیا ہے، پر زکوٰۃ واجب ہوگی یا نہیں؟

اگر ان ۹ / لاکھ پر زکوٰۃ واجب ہوتی ہے تو کوئی سوال نہیں، اگر ان ۹ / لاکھ پر زکوٰۃ واجب نہیں ہوتی (زید کے ذمہ قرض ہونے کی وجہ سے) تو حضرت مفتی تقی عثمانی



صاحب دامت برکاتہم نے فتاویٰ عثمانی ۲/ ۷۰ میں ایک ایسے مسئلہ میں وجوب زکوٰۃ کا حکم دیا ہے۔

وہ سوال و جواب یہ ہے:

سوال: کینیڈا میں مکانوں کی قیمت اتنی زیادہ ہے کہ اس کی بیک وقت ادائیگی مشکل ہے، اس لیے مجبوراً قرض پر مکان خریدنا پڑتا ہے اور یہ قرض قسطوں میں ۲۵-۳۰ سال میں ادا کیا جاتا ہے۔ مذکورہ بالا صورت میں یعنی مکان کا قرضہ بھی ہر ماہ قسط کی صورت میں ادا ہو رہا ہے، اس کے باوجود ۵ یا ۱۰/ ہزار ڈالر جمع ہو گئے ہیں، کیا ان پر زکوٰۃ فرض ہوگی؟ اور حج بھی فرض ہوگا؟۔

جواب: اس رقم پر زکوٰۃ دینی چاہیے کیوں کہ مکان کا قرض مؤجل ہے اور قرض مؤجل علی الاصح مانع وجوب زکوٰۃ نہیں۔ وعن ابی حنیفۃ لا یمنع، و قال الصدر الشہید: لا روایۃ فیہ، و لكل من المنع وعدمہ وجہ زادہ القہستانی عن الجواہر و الصحیح انہ غیر مانع. (شامی ۲/ ۵۰) (فتاویٰ عثمانی ۲/ ۷۰)

چوں کہ یہ مسئلہ دو، تین عالموں کے سامنے پیش کیا تو انہوں نے عدم وجوب بتایا اور جب فتاویٰ عثمانی کا مسئلہ پیش کیا تو تحقیق کرنے کو کہا، اخیراً آپ حضرت کی خدمت میں اس امید کے ساتھ پیش کر رہا ہوں کہ آپ ضرور اس کی وضاحت فرمائیں گے۔

الجواب: حامداً ومصلياً ومسلماً

① آپ کے سوال کا جواب دینے سے پہلے بطور تمہید چند امور نقل کئے جاتے ہیں:

(الف) شریعت مطہرہ میں زکوٰۃ کے واجب ہونے کے لیے چند شرائط کا ہونا

ضروری ہے، ان میں سے ایک یہ ہے کہ وہ مال بقدرِ نصاب ہو؛ چنانچہ ”فتاویٰ عالمگیری“ میں شرائط و وجوب کو جہاں شمار کیا ہے اس میں تحریر فرماتے ہیں:

ومنہا کون المال نصاباً فلا تجب فی اقل منه، ہکذا فی العینی

شرح الکنز (۱/۱۷۴)

انہی شرائط و وجوب میں سے ایک یہ بھی ہے کہ وہ مال نصابِ نامی ہو۔

کنز الدقائق میں ہے: و شرط وجوبها العقل و البلوغ و الاسلام و الحرية و ملک نصاب حولی فارغ عن الدين و حاجته الاصلية نام ولو تقديرا (کنز الدقائق ۵۶)

اور مالِ نامی کی تشریح میں فقہاء نے اثمان - چاہے وہ خلقی ہوں جیسے: سونا اور چاندی، یا عرفی، جیسے: سکہ راج الوقت - اور مالِ تجارت اور سوائم کو شمار کیا ہے۔

”محیط البرہانی“ میں ہے: فنقول مال الزکوٰۃ الاثمان و ہی الذهب و الفضة و اشباههما، و السوائم و عروض التجارة (۳/۱۵۶)

اس لیے اثمان اور سوائم کے علاوہ میں جب تک تجارت کی نیت نہ ہو زکوٰۃ واجب نہیں ہوگی، چنانچہ اگر کسی آدمی نے زمین یا مکان یا اور کوئی چیز تجارت کے علاوہ کسی اور نیت سے خریدی مثلاً رہائش کے لیے یا کرایہ پر دینے کے لیے، تو اس میں زکوٰۃ واجب نہیں ہوگی۔

”ہدایہ“ میں ہے: و لیس فی دور السكنی و ثياب البدن و اثاث المنزل و دواب الركوب و عبید الخدمة و سلاح الاستعمال زکوٰۃ، لانہا مشغولة بالحاجة الاصلية و لیست بنامية ایضاً (ہدایہ ۱/۱۸۶)

نیز یہ بھی ضروری ہے کہ وہ مالی نصاب دیون اور قرضوں سے خالی ہو، اگر مالک نصاب پر اتنا قرض ہے کہ پورا مال اس کی ادائیگی میں ختم ہو سکتا ہے، تو اس پر زکوٰۃ نہیں، اور اگر قرض تو ہے لیکن اس کی ادائیگی کے بعد بھی بقدر نصاب مال بچ جاتا ہے، تو قرض کی مقدار منہا کرنے کے بعد بچے ہوئے مال پر زکوٰۃ واجب ہوگی۔

”المحیط البرہانی“ میں ہے: الفصل العاشر فی بیان ما یمنع وجوب الزکوٰۃ: فنقول ما یمنع وجوب الزکوٰۃ انواع منها: الدین، قال اصحابنا کل دین له مطالب من جهة العباد یمنع وجوب الزکوٰۃ سواء کان الدین للعباد او لله تعالیٰ الخ (۳/ ۲۲۸)

اور دین کے سلسلہ میں فقہاء نے تصریح کی ہے کہ وہ دین چاہے فوری ادائیگی والا ہو یا مؤجل، بہر صورت وہ وجوب زکوٰۃ سے مانع ہے۔

”تمیین الحقائق“ میں ہے: ولا فرق فی الدین بین المؤجل و الحال (۱/ ۲۵۴) بحر الرائق میں صاحب کنز کے قول: ”فارغ عن الدین“ کی تشریح میں ہے:

اطلقه فشمّل الحال و المؤجل (بحر الرائق ۲/ ۲۱۹)

”بدائع الصنائع“ میں ہے: ومنها ان لا یكون علیه دین مطالب من جهة العباد عندنا فان كان فانه یمنع وجوب الزکوٰۃ بقدره حالاً کان او مؤجلاً (بدائع الصنائع ۲/ ۶)

(ب) بیع فاسد کی وجوہات میں سے ایک وجہ ”بیع میں مدتِ ادائے ثمن کا مجہول ہونا ہے۔

”ہدایہ“ میں ہے: قال و البیع الی النیروز و المہرجان و صوم النصارى

و فطر اليهود اذا لا يعرف المتبايعان ذلك فاسد لجهالة الاجل و هي مفضية الى المنازعة في البيع لابتنائها على المماكسة الا اذا كانا يعرفانه لكونه معلوما عندهما. (۶۱/۳)

ترجمہ: اور بیع نوروز، مہرجان، نصاریٰ کے روزوں اور یہودوں کے افطار کے وعدہ پر فاسد ہے جب تک بائع اور مشتری اس کو پہچانتے نہ ہوں، کیوں کہ میعاد مجہول ہے اور بیع کے اندر میعاد مجہول ہونا مفضی الی المنازعة ہے کیوں کہ ٹال مٹول پر مبنی ہے، مگر جب کہ دونوں اس کو پہچانتے ہوں کیوں کہ بائع اور مشتری کو میعاد معلوم ہے۔ (ہدایہ اخیرین، باب البیع الفاسد، ص: ۶۱، ترجمہ از: اشرف الہدایہ، ۸/۲۳۸، ۲۳۹)

”عطر ہدایہ“ میں بیع فاسد کے احکام میں لکھا ہے:

① قبضہ سے پہلے اس کا کوئی حکم نہیں ہے۔

② اور قبضہ کے بعد بطور حرام ملک میں آجاتی ہے مگر اس کے لیے شرط یہ ہے کہ بائع کی طرف سے رضامندی ہو اور قبضہ کی اجازت ہو اور مجلس عقد میں قبضہ ہو جائے، اگر مجلس عقد کے بعد قبضہ ہو یا بائع کی اجازت کے بغیر قبضہ کر لیا تو ملک حاصل نہ ہوگی۔

③ قبضہ کے بعد اگر مال بعینہ موجود ہے تو مال واپس کر کے بیع کو فسخ کرنا

واجب ہے۔ (عطر ہدایہ، بیع فاسد کا حکم، ص: ۱۲۵)

در مختار میں ہے: (واذا قبض مشتری المبیع برضا) عبر ابن کمال باذن (بائعہ صریحاً او دلالتاً) بان قبضہ فی مجلس العقد بحضرتہ (فی البیع الفاسد) (ملکہ). قال الشامی (قوله ملکہ) ای ملکاً خبیثاً حراماً.

(الدر المختار مع رد المحتارہ/ ۸۸، ۸۹، دار الفکر؛ درر الحکام شرح مجلۃ الاحکام/ ۱/ ۳۳۱)

(و) يجب على كل واحد منهما (فسخه قبل القبض) (او بعدہ مادام) المبيع بحاله.

(در المختار مع رد المحتارہ ۹۱، ۹۰، دار الفکر؛ درر الحکام شرح مجلۃ الاحکام ۱/۳۹۶)

اس تمہید کے بعد پہلے سوال کا جواب یہ ہے کہ:

صورتِ مسئلہ میں زید نے فلیٹ یہ کہہ کر خریدا کہ میرے فلاں (بکر) کے پاس سے ۲۱ لاکھ لینے ہیں جب وہ دے گا تب ان میں سے ۹ لاکھ ادا کروں گا اور ادائے ثمن کی مدت متعین نہیں کی تھی تو یہ بیع فاسد ہے، اگر زید نے مجلسِ عقد میں فلیٹ پر قبضہ کر لیا ہے تو زید اس کا مالک ہے اور نولاکھ روپیہ اس پر بطورِ ثمن دین واجب ہے، اگر مجلسِ عقد میں قبضہ نہیں کیا تھا تو فلیٹ زید کی ملک نہیں ہے لہذا ثمن بھی واجب نہیں ہوا۔ پہلی صورت میں زید نولاکھ کا مقروض ہوا اس لیے نولاکھ حوائجِ اصلیہ میں رکھے ہوئے ہونے کی وجہ سے اس پر زکوٰۃ واجب نہیں، دین کے سلسلہ میں فقہاء کی تصریح سطورِ بالا میں گزر چکی ہے کہ دین مؤجل بھی وجوبِ زکوٰۃ سے مانع ہے۔

امداد الاحکام میں ہے:

سوال: ایک شخص نے چار ہزار روپیے میں ایک زمین خریدی، جس کی ادا دس قسطوں میں قرار پائی ہے، ایک قسط وہ ادا کر چکا اور زمین پر قابض ہو گیا، دوسری قسط کے لیے مال ۲۵۰ روپیہ اس کے پاس رکھا ہے، جس پر حوالانِ حول ہو چکا ہے، تو اس رقم پر زکوٰۃ واجب ہے یا نہیں، اور زمین کا قرض مانع وجوبِ زکوٰۃ ہے یا نہیں؟

الجواب: اس رقم پر زکوٰۃ واجب نہیں، قرض بہر حال مانع وجوبِ زکوٰۃ ہے، خواہ زمین کی وجہ سے ہو یا کسی اور وجہ سے، اور خواہ اس کی ادا بالاقساط مشروط ہو یا بلا

اقساط۔ واللہ اعلم (امداد الاحکام، کتاب الزکوٰۃ، ۲/۲۸، کراچی)

حضرت مولانا مفتی محمد تقی صاحب دامت برکاتہم کا فتویٰ کینیڈا کے مخصوص حالات اور احتیاط پر مبنی ہے، جواب کے الفاظ ”اس رقم پر زکوٰۃ دینی چاہیے“ اس پر دال ہیں، اگر زکوٰۃ واجب ہوتی تو یوں تحریر فرماتے: اس پر زکوٰۃ واجب ہے۔

نیز حضرت مولانا مدظلہ کے فتویٰ کا مبنی ایک دوسرا امر بھی ہو سکتا ہے جس کی تفصیل ”محمود الفتاویٰ“ سے نقل کی جاتی ہے۔

”اس زمانہ میں بڑے بڑے مالداروں کا کاروبار ہی یہ ہو گیا ہے کہ قابل زکوٰۃ مال جتنا بڑھتا جاتا ہے اس سے زیادہ قرض لیتے جاتے ہیں اور نئی نئی میلیں، کارخانے کھولتے جاتے ہیں اگر ان سب قرضوں کو منہا کیا جائے تو ایسے مالداروں کو شاید زکوٰۃ دینے کی توفیق ہی نہ ہو جو مقاصد شریعت کے خلاف معلوم ہوتا ہے، اسی لیے دورِ حاضر کے بعض اربابِ فتویٰ خصوصاً حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا فتویٰ یہ تھا کہ ایسے کاروباری حضرات کے لیے اپنے آپ کو زکوٰۃ سے فارغ سمجھنا مناسب نہیں، اور جس قدر اپنا مال قابل زکوٰۃ ہے، اس کی زکوٰۃ دینی چاہیے، بالخصوص جب کہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک کسی بھی قسم کے قرض کو زکوٰۃ سے منہا کرنے کی گنجائش نہیں۔

لیکن ان کا فتویٰ بطورِ وجوب نہیں؛ بلکہ بطورِ مشورہ ہے، اس لیے کہ حنفیہ کا مسلک (جیسا کہ اوپر آچکا) یہی ہے کہ اگر کوئی صاحبِ نصاب مقروض ہو تو قابل زکوٰۃ مالیت میں سے قرض منہا کیا جائے گا، منہائی کے بعد اگر وہ شخص صاحبِ نصاب ہی نہ رہا تو زکوٰۃ واجب نہیں، ورنہ صرف باقی مال کی زکوٰۃ واجب ہوگی۔

حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی مدظلہ کی کتاب ”فقہی مقالات“ ۳/۱۵۵ پر

”قرضوں کی منہائی“ کے عنوان کے ماتحت ”قرضوں کی قسمیں“ اور پھر ”تجارتی قرضے کب منہا کیے جائیں“ ان عنوانات سے جو حکم بیان کیا ہے اس کی بنیاد بھی حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا یہی موقف ہے۔ (محمود الفتاویٰ قدیم ۲/ ۳۷، ۳۸) بہت ممکن ہے فتاویٰ عثمانی کا یہ فتویٰ - جو آپ نے استفتاء میں نقل فرمایا ہے - کا مبنی بھی یہی ہو۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ مولانا مدظلہ کا فتویٰ وجوب کے طور پر نہیں بلکہ زکوٰۃ میں نفع للفقراء کے پہلو کو مد نظر رکھتے ہوئے ایک مشورہ ہے۔ باقی حنفیہ کا اصل مذہب وہی ہے جو سطور بالا میں کتب فقہ سے نقل کیا گیا۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد عبدالقیوم راجکوٹی، ۲۷/ صفر ۱۴۳۵ھ

الجواب صحیح: العبد احمد عفی عنہ خانپوری  
الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ

## قرض کی زکوٰۃ قرض دینے والے پر ہے

**سوال** : زید نے بکر کو ایک لاکھ روپیہ قرض دیا، بکر نے یہ رقم اپنی ضرورت پر خرچ کر دی، اور چار سال تک قرض دہندہ کو لوٹا نہیں سکا، کیا زید کی اس رقم پر جو کہ اُس کے پاس نقد کی صورت میں نہ تو زید کے پاس موجود ہے نہ بکر کے پاس، کیا اس صورت میں اُس رقم پر زکوٰۃ واجب ہے؟ اور اگر ہے تو اُس کی ادائیگی کی ذمہ داری کس پر ہے؟ زید پر یا بکر پر؟

**الجواب** : حامداً ومصلياً ومسلماً

زید نے جو رقم بکر کو بطور قرض دی ہے اُس کی زکوٰۃ زید پر واجب ہے، چاہے تو

ابھی دے دے اور چاہے تو قرض وصول ہونے کے بعد گزشتہ سالوں کی ادا کر دے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

املاء: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۲۷/۲ ذی قعدہ ۱۴۲۳ھ  
الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ

## قرض لی ہوئی رقم کی زکوٰۃ کون ادا کرے گا؟

**سوال:** میرے نسبتی بھائی کے پاس سے میں نے امانت ایک سال کے لیے بیس ہزار روپے میرے لڑکے کو باہر ملک بھیجنے لیا تھا؛ لیکن ایجنٹ نے دھوکہ دیا، بھیج نہیں سکا، تکرار چل رہی ہے، پیسے واپس کرتا ہوں کہہ کر دو سال گذر گئے، معلوم یہ کرنا ہے کہ اس رقم کی زکوٰۃ کون ادا کریں؟ میں محمد آدم علی جو رقم لیا ہوں، یا نسبتی بھائی جو اصل رقم والا یا ایجنٹ؟ معلوم ہو کہ رقم تو دھوکہ دینے والوں کے پاس ہے۔

**الجواب:** حامداً ومصلياً ومسلماً

آپ نے جو رقم اپنے نسبتی بھائی سے بطور قرض لی ہے، اس رقم کی زکوٰۃ آپ کے نسبتی بھائی پر ہی واجب ہے، البتہ یہ اختیار ہے کہ وہ زکوٰۃ ابھی ادا نہ کریں، اور جب اور جتنی رقم ان کے ہاتھ میں واپس آئے اس وقت اتنی رقم کی گزشتہ سالوں کی زکوٰۃ ادا کریں۔ (شامی) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۵/۵ رذی الحجہ ۱۴۲۳ھ

## سونا ادھا خریدنے پر زکوٰۃ

**سوال:** زید نے بکر کے پاس سے کچھ سونا یعنی بقدر نصاب یا اس سے زائد



ادھار لیا، سونا تو زید کی ملکیت میں آچکا ہے، تو اب حوالا ن حول کے بعد زکوٰۃ کس پر واجب ہوگی؟ آیا زید پر یا بکر پر؟ اور کیا یہ خرید و فروخت بھی صحیح ہے یا نہیں؟ اور صحیح نہ ہونے کی صورت میں زید کیا کرے؟ وضاحت کے ساتھ جواب تحریر فرمائیں۔

**الجواب:** حامداً ومصلياً ومسلماً

یہ خرید و فروخت اگر روپیوں کے عوض ہوئی ہے، تو درست ہے اور جب وہ سونا زید کی ملکیت میں آچکا ہے تو اس کی زکوٰۃ بھی زید پر ہی واجب ہوگی؛ البتہ اگر زید مقروض ہے اور قرض کی ادائیگی کے لیے نقد رقم نہیں ہے تو اتنی مقدار اس سونے کی قیمت میں سے کم کی جاوے گی اور بقیہ سونے پر شریعت مطہرہ کے مقرر فرمودہ قانون کے مطابق زکوٰۃ واجب ہوگی۔ (تملک فیحہ الملم، ۱/۵۸۹) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۱۶/ شعبان المعظم ۱۴۰۹ھ

الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

ادائے زکوٰۃ میں قرض لیے ہوئے سروسوں کا دام کس دن کا

وضع کرے؟

**سوال:** ہم نے رمضان کے قبل ۱۰۰ کونٹل سروسوں بطور قرض ایک دوسری پارٹی کے پاس سے لیا تھا، اور شرط کی تھی کہ ہم اس سروسوں کو بیچ دیں گے، اور آپ کو جس وقت ضرورت ہوگی تب ہم ایسا ہی مال آپ کو واپس دیں گے، وہ مال ہم نے ایک کونٹل سات سو روپے کے دام سے بیچ دیا تھا، اور اس وقت اس کا دام چھ سو روپے

چل رہا ہے، اور جس وقت اس پارٹی کو دینا ہوگا، اس وقت نہ جانے کیا دام ہوگا، اور اس پارٹی کو دینے کے لیے ابھی تک ہم نے سروسوں خریدی نہیں ہے، تو ہم پر یہ جو قرض ہے وہ جس دام سے ہم نے بیچا ہے اس دام سے گنا جائے گا یا یکم شوال کو جو دام ہے اس دام سے گنا جائے گا یا جس وقت ہم خرید کر اس پارٹی کو دیں گے اس وقت جو دام ہوگا وہ گنا جائے گا؟ رہنمائی فرمائیں۔

**الجواب:** حامداً ومصلياً ومسلماً

قرض میں مستقرض کے ذمہ وہی چیز واجب سمجھی جاتی ہے جو اس نے بطور قرض لی ہے۔ فقہ کا قاعدہ ہے: ”الاقراض تقضى بأمثالها“ اس لیے آپ پر سروسوں ہی واجب الادا ہیں، آپ جب زکوٰۃ ادا کریں اس وقت ایک سو کوئیٹل سروسوں کا جو بھاؤ بازار میں ہو، اتنی رقم وضع کرنے کے بعد بقیہ مال کی زکوٰۃ ادا کریں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

**بیع کی قیمت قسط وار وصولی کی صورت میں زکوٰۃ کی ادائیگی**

**سوال:** ایک آدمی نے ایک زمین بیچی، جس آدمی کو زمین دی، وہ قسط وار اس کی قیمت ادا کرتا ہے، جس آدمی نے زمین بیچی ہے اس نے ایک دن مقرر کر رکھا ہے زکوٰۃ ادا کرنے کے لیے، (صاحب نصاب آدمی ہے) اب جب وہ دن آیا تو اس کی زمین کی کل قیمت کی وصولیابی نہیں ہوئی تھی، جب زکوٰۃ ادا کرے گا تو صرف اتنے حصے کی ادا کرے گا جو وصول ہو چکا، یا ابھی جو رقم آنی باقی ہے اس کی بھی زکوٰۃ ادا کرے گا؟

**الجواب:** حامداً ومصلياً ومسلماً

جو رقم ابھی تک وصول نہیں ہوئی ہے اس کی زکوٰۃ کی ادائیگی اس وقت واجب نہیں ہے؛ بلکہ جب وہ وصول ہوگی اس وقت گذشتہ تمام مدت کی زکوٰۃ ادا کرے گا۔  
وتجب عند قبض أربعين درهما من الدين القوي، كقرض، وبدل مال تجارة، فكلما قبض أربعين درهما يلزمه درهم، وعند قبض مأتين منه لغيرها أي من بدل مال لغير تجارة، وهو المتوسط كثمن سائمة وعبيد خدمة و نحوهما مما هو مشغول بجوائجه الأصلية، كطعام وشراب واملاك ويعتبر ماضى من الحول قبل القبض في الأصح (درمختار) فقط والله تعالى اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۸/ جمادی الاخریٰ ۱۴۰۹ھ  
الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

**قرضِ حسنہ پر زکوٰۃ ہے یا نہیں؟**

**سوال:** جو روپیہ کسی کو قرضِ حسنہ دیا اس پر زکوٰۃ ہے یا نہیں؟

**الجواب:** حامداً ومصلياً ومسلماً

وصول ہونے کے بعد اس روپیہ کی زکوٰۃ دی جائے گی، اگر وصول ہونے سے قبل زکوٰۃ دے دے تو یہ بھی درست ہے۔ (فتاویٰ دارالعلوم ۶/۳۵ بحوالہ شامی ۲/۱۲) فقط والله تعالى اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

## ڈپازٹ پر زکوٰۃ نہیں

**سوال:** شہزبمبئی میں کرایہ پر گھر لینے کی صورت میں کرایہ کے ساتھ ڈپازٹ لینے کا رواج عام ہے، اور اب تو بغیر ڈپازٹ کے گھر ملنا دشوار ہو گیا ہے، اب سوال یہ ہے کہ: ایک بیوہ عورت ہے جس کے پاس ذاتی ملکیت کا مکان بھی نہیں ہے، وہ خود ڈپازٹ مع کرایہ دے کر رہتی ہے، نیز گھر میں کوئی کمانے والا بھی نہیں ہے، خود محنت کر کے کرایہ ادا کرتی ہے اور گھر کا گزاران چلاتی ہے، تو کیا اس کی ڈپازٹ کی رقم پر زکوٰۃ آئے گی؟ کیوں کہ اگر وہ ڈپازٹ کی رقم سے زکوٰۃ ادا کرے گی تو ایک وقت آئے گا کہ ڈپازٹ کی رقم ختم ہو جائے گی اور وہ بالکل بے گھر ہو جائے گی، تو کیا اس کی ڈپازٹ کی رقم ضرورتِ اصلیہ میں داخل ہوگی؟

**الجواب:** حامداً ومصلياً ومسلماً

ڈپازٹ کی رقم محکم رہن ہے، اور رہن کی زکوٰۃ نہ راہن پر واجب ہے نہ مرتہن پر، وہ واپس کر دی جائے گی تب بھی رہن کی (گذشتہ ایام کی) زکوٰۃ مالک کے ذمہ واجب نہ ہوگی۔ (از: فتاویٰ محمودیہ ۱۷/۱۲۱، ۱۲۰)

”اسلامک فقہ اکیڈمی کے اہم فقہی فیصلوں“ میں ہے: ”کرایہ دار کی طرف سے مالک دکان و مکان وغیرہ کو پیشگی دی گئی ضمانت کی رقم (Security Deposit) پر زکوٰۃ کرایہ دار کے ذمہ واجب نہیں ہوگی۔ (ص: ۷۷) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

## مقروض شخص کا صدقہ کرنا

**سوال:** جب اپنے پاس پورا پیسہ قرض کا ہے تو صدقہ دینا کیسا ہے؟

**الجواب:** حامداً ومصلياً ومسلماً

قرض لی ہوئی رقم سے صدقہ دینا درست ہے، مگر مناسب یہ ہے کہ قرض پہلے ادا کرو کہ وہ واجب ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: احمد خانپوری عفی عنہ، ۲۱/۲ ذوالحجہ ۱۴۱۲ھ

## قرض خواہ کے انتقال کے بعد نامعلوم قرض وصول ہو تو زکوٰۃ فرض ہوگی؟

**سوال:** زید کا انتقال ہوا، اس کے دس سال کے بعد بکر جو کسی دوسرے شہر میں رہتا تھا، اس نے کہا کہ: میرے ذمہ زید کا قرضہ تھا اور وہ قرض کی رقم زید کے ورثا کو دے دیتا ہے۔ اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ: اس رقم میں گزشتہ دس سال کی زکوٰۃ نکالنی ہوگی یا نہیں؟ ورثا بعد الزکوٰۃ تقسیم کریں یا بغیر ادا زکوٰۃ تقسیم کریں؟

**الجواب:** حامداً ومصلياً ومسلماً

اگر بکر پر زید کا دین ہے اس کا (زید کے ورثا کو) علم نہیں تھا، اور کوئی ثبوت بھی نہیں تھا، تو اس صورت میں گزشتہ سنین کی زکوٰۃ واجب نہ ہوگی۔ مال ضمار کے حکم میں ہے۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

۱۱/۲ ذوالقعدة الحرام ۱۴۱۵ھ

الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

## باب زکوٰۃ اموال التجارۃ

### تجارتی زمین پر زکوٰۃ ہے

**سوال:** زید نے ایک زمین اس نیت سے خریدی کہ اس پر مکانات تعمیر کر کے فروخت کریں گے، چند سال تک وہ زمین خالی پڑی رہی تو ان سالوں میں اس زمین کی زکوٰۃ نکالنی ہوگی یا نہیں؟

**الجواب:** حامداً ومصلياً ومسلماً

چوں کہ وہ زمین بھی مال تجارت کا ایک حصہ ہے؛ اس لیے جن سالوں میں وہ خالی پڑی رہی ان سالوں کی بھی زکوٰۃ زید پر واجب ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری ۲۴ رمضان المبارک ۱۴۱۹ھ

ہوٹل کے خام مال (آٹا، تیل، مصالحہ) پر کیا زکوٰۃ آئے گی؟

**سوال:** ہوٹل کے کاروبار میں ہر وقت ہوٹل چلانے کے لیے دس ہزار روپیے کا خام مال، مثلاً: آٹا، تیل، شکر وغیرہ رکھنا پڑتا ہے، جو حوالانِ حول کے وقت بھی ہوتا ہے، تو کیا اس اسٹاک مال پر زکوٰۃ ہوگی؟ اگر واجب ہوگی تو اجتماعی منافع میں سے سب کی اجازت سے ادا کرنے پر ادا ہو جائے گی؟ یا ہر حصہ دار کو اپنے حصہ کی زکوٰۃ ادا کرنی ہوگی؟

**الجواب:** حامداً ومصلياً ومسلماً

خام مال وہی ہے جو فروخت ہوتا ہے؛ اس لیے مال تجارت ہونے کی وجہ سے

اُس پر بھی زکوٰۃ واجب ہے؛ لیکن یہ حکم ہر اُس شریک کے لیے ہے جو صاحبِ نصاب شرعی ہو۔ جن شرکاء پر واجب ہے اُن کی اجازت سے اُن کی زکوٰۃ دیگر شریک نے ادا کر دی تو وہ درست ہو جائے گی۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

## مال تجارت کی زکوٰۃ میں کونسی قیمت کا اعتبار ہے؟

**سوال:** ایک دوکان دار ہے وہ اپنے مال کی زکوٰۃ مال ہی سے نکالنا چاہتا ہے مثلاً جو تے کی دکان ہے تو خرید قیمت سے نکالے یا فروخت قیمت سے؟

**الجواب:** حامداً ومصلياً ومسلماً

سال پورا ہونے پر جس قدر مال موجود ہو اس وقت اس کی جتنی قیمت ہو اس کے حساب سے زکوٰۃ ادا کرے۔ (فتاویٰ محمودیہ ۳/۳۹)

قیمتِ فروخت کا اعتبار ہوگا۔ (احسن الفتاویٰ ۳/۲۹۹)

اگر خود اس مال تجارت کا چالیسواں حصہ بطور زکوٰۃ دے دیا جائے تو کوئی دغدغہ نہیں رہے گا۔ مثلاً چالیس جو توں میں سے ایک جو تہ۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۵/ شوال المکرم ۱۳۱۳ھ

الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

## زکوٰۃ میں بیچنے کی قیمت کا اعتبار ہے

**سوال:** تجارت کی زکوٰۃ میں کونسی قیمت کا اعتبار ہوگا؟ جس قیمت میں خریدے

اس کا اعتبار ہوگا؟ یا جس قیمت میں ہم بیچنا چاہتے ہیں اس کا اعتبار ہوگا، مثلاً ۵۰۰۰۰ میں خرید اور میں بیچنا چاہتے ہیں، حضرت والا سے جواب کی امید ہے۔

**الجواب:** حامداً ومصلياً ومسلماً

جس قیمت پر بیچے گا اس حساب سے زکوٰۃ ادا کی جائے، یعنی زکوٰۃ کی ادائیگی کے سلسلہ میں قیمت فروخت کا اعتبار کیا جائے گا۔ (از احسن الفتاویٰ ۴/۲۹۹ - فتاویٰ محمودیہ کراچی ۳۱۶/۹، امداد الفتاویٰ ۲/۳۲، مسائل بہشتی زیور ۱/۳۱۹، فتاویٰ رحیمیہ ۱۰/۱۶۵) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

الماہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۲۲/ جمادی الاولیٰ ۱۴۳۰ھ  
الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ      الجواب صحیح: عبدالقیوم راجکوٹی

## زیرا، سونف اور رائی پر زکوٰۃ

**سوال:** اگر کسی کے پاس اپنے کھیت کا زیرا، سونف اور رائی وغیرہ زکوٰۃ نکالتے وقت موجود ہے اور یہ نصاب کی مقدار بھی ہیں، اور یہ مال فروخت کرنے کی نیت سے رکھا ہوا ہے، تو کیا زکوٰۃ نکالتے وقت ایسے مال کی بھی زکوٰۃ نکالنی پڑے گی یا نہیں؟ ایسے مال پر زکوٰۃ واجب ہوگی یا نہیں؟ اُس کو مال تجارت کہتے ہیں یا نہیں؟ مال تجارت کی تعریف کیا ہے؟

**الجواب:** حامداً ومصلياً ومسلماً

اس کی زکوٰۃ واجب نہیں ہے؛ البتہ اگر اس کو فروخت کر چکا ہے اور زکوٰۃ نکالتے وقت اس کی قیمت موجود ہے تو اُس پر زکوٰۃ واجب ہوگی۔

ومثله الخارج من أرضه؛ لأن الملك ثبت فيه بالنبات، ولا اختيار



له فيه، ولذا قال في البحر: وخرج أي بقيد العقد ما إذا دخل من أرضه حنطة تبلغ قيمتها نصابا، ونوى أن يمسكها ويبيعها، فأمسكها حولا لا تجب فيها الزكوة كما في الميراث (شايء، ۱۷/۲)

تجارت کی تعریف: التجارة كسب المال ببذل هو مال (شايء ۲، ۱۵/۲)  
(ترجمہ: تجارت مال کے عوض مال کمانا ہے۔ مرتب) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عنی عنہ خانپوری

## تجارتی غلہ کی زکوٰۃ کے چند مسائل

**سوال:** زید نے غلہ کے علاوہ دیگر پیداوار میں سے زیر، تمباکو، رائی کو اپنے پاس بطور ذخیرہ روک رکھا، کچھ مدت بعد اُس کو ادھار قیمت سے بکر کوچ دیا؛ لیکن پھر وہی مال دوبارہ بکر سے تجارت کی غرض سے خرید بھی لیا، اس صورت میں زید کی ان اشیاء کے متعلق سوال یہ ہے کہ:

(الف) اب اس دوبارہ خریدنے کے بعد ان اشیاء کو مال تجارت شمار کریں گے یا حسب سابق یہ کھیتی کی پیداوار ہی شمار کی جائے گی؟

(ب) اب سے حوالانِ حول پر ان اشیاء کی زکوٰۃ زید پر واجب ہوگی یا نہیں؟  
(ج) زکوٰۃ واجب ہونے کی صورت میں ان اشیاء کی خرید کی قیمت معتبر ہوگی یا فی الحال کا بازاری بھاؤ معتبر ہوگا؟

(د) بالفرض اب تک اگر ان اشیاء کا عشر یا خراج نہیں ادا کیا گیا تو عشر یا خراج کا کیا حکم ہوگا؟

(ھ) اب ادا کیگی واجب ہونے کی صورت میں کس طرح سے عشر یا خرچ ادا کیا جائے گا؟

(و): بعض مرتبہ زید کا مال بکنے اور دوبارہ خریدنے تک زید ہی کے گھر اسی جگہ جہاں پہلے سے رکھا ہوا ہے، اسی ہیئت میں جو پہلے سے ہے، رکھا رہتا ہے، اس طرح تجارت میں شرعاً کوئی حرج تو نہیں؟

(جواب): حامداً ومصلياً ومسلماً

(الف) جب بغرض تجارت خرید گیا تو خریدتے ہی وہ مال تجارت شمار ہوگا۔  
وما اشتراه لها أي للتجارة كان لها، لمقارنة النية لعقد التجارة (در مختار)  
(ب) ہوگی۔

(ج) سال پورا ہونے پر جس قدر مال موجود ہو اُس وقت اُس کی جتنی قیمت ہو، اُس کے حساب سے زکوٰۃ ادا کرے۔ (فتاویٰ محمودیہ ۵۰/۳)

(د) اب ادا کرے۔ (ھ) قیمت لگا کر۔

(و) جب قبضہ نہیں ہوا ہے تو پہلی بیع کے بعد دوسری بیع کیسے درست ہوگی؟۔  
نقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عنی عنہ خانپوری، ۳/ جمادی الاخریٰ ۱۴۰۹ھ

الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عنی عنہ

شرکت والے کاروبار کی زکوٰۃ کس طرح نکالی جائے؟

(سوال): ایک بھائی نے دوسرے بھائی کو دکان کھلوائی ہے، رقم ایک بھائی کی

ہے اور چلاتا دوسرا بھائی ہے، نفع برابر کا ہے، اُس کی زکوٰۃ کون ادا کرے؟ جب کہ یہ کاروبار شرکت میں ہے۔

**الجواب:** حامداً ومصلياً ومسلماً

پہلے یہ سمجھ لیجیے کہ جب کسی کاروبار کے لیے مال دیا جائے اور نفع میں حصہ رکھا جائے تو شرعی اصطلاح میں اس کو ”مضاربت“ کہتے ہیں، اور ہمارے یہاں عام طور سے اس کو ”شرکت“ کہہ دیا جاتا ہے، اس کاروبار میں ایک اصل رقم ہوتی ہے اور ایک اُس کا منافع، اصل رقم کی زکوٰۃ اُس کے مالک کے ذمہ ہے، اور اُس کے ذمہ منافع کے اُس حصہ کی زکوٰۃ بھی واجب ہے جو اُسے ملے گا، اور جو نفع پر کام کرتا ہے اگر اُس کا نفع نصاب کی مقدار کو پہنچے اور اُس پر سال بھی گزر جائے، تو اپنے حصہ کی زکوٰۃ اُس پر بھی ہوگی۔ جو قطعہ زمین کا دکان کے لیے خریدا ہے اُس پر زکوٰۃ نہیں۔ (آپ کے مسائل اور ان کا حل ۳/۳۵۰) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

## مرغیوں پر زکوٰۃ

**سوال:** مرغوں اور مرغیوں پر وجوب زکوٰۃ کا کیا حکم ہوگا؟ ایک مولوی صاحب کا قول سنا ہے کہ مرغیوں میں زکوٰۃ واجب نہ ہوگی اور مرغوں میں واجب ہوگی؛ کیوں کہ فارم تجارت کی نیت سے خرید کر مرغنے پالتے ہیں، مگر ان کی بات میں خلجان یہ ہے کہ (۱) صرف مرغنے ہوتے ہیں اور ان میں افزائش نہیں ہوتی۔ (۲) قیمت سے خریدا ہوا فیڈ کھلایا جاتا ہے۔ (۳) دو ماہ تک پال کر بڑے کئے جاتے ہیں، پھر

فروخت ہوتے ہیں۔ (۳) دو ماہ میں حوالان حول نہیں ہوگا؛ لہذا مرغوں اور مرغیوں کی زکوٰۃ کے بارے میں تفصیل سے وضاحت فرمائیں۔

**الجواب:** حامداً ومصلياً ومسلماً

مرغے، مرغیاں اگر افزائش نسل کے طور پر رکھی ہیں، تو ان میں زکوٰۃ نہیں ہوگی، اور اگر تجارت کی غرض سے ہیں، تو مال تجارت کے حکم میں ہے، یعنی اس میں باعتبار قیمت زکوٰۃ واجب ہوگی۔

ولو للتجارة ففيها زكاة التجارة (در مختار) أي بحكم مانوي به التجارة من العروض الشاملة للحيوانات، وبحكم المسامة للحمل والركوب وهو وجوب زكاة التجارة في الأول، وعدمه في الثاني (شاي، ۱۷/۲) فقط والله تعالى اعلم۔

کتبہ: العبد احمد غنی عنہ خانپوری، ۱۵/ شوال المکرم ۱۴۰۹ھ  
الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ غنی عنہ

## انڈے پر زکوٰۃ

**سوال:** میرا بیوپار مرغی کے انڈے کا ہے، فارم سے لاکر ایک ایک دو کر کے بیچتا ہوں، کیا اس کی زکوٰۃ نکالنی ہوگی؟ اگر نکالنی ہوگی تو کس طرح؟ پیسوں کی زکوٰۃ تو نکال دیتا ہوں۔

**الجواب:** حامداً ومصلياً ومسلماً

نصاب زکوٰۃ کا سال جس تاریخ کو پورا ہوتا ہو اس تاریخ کو جو نقد رقم موجود ہو،

اس کے ساتھ اس دن جو مرغیاں بچے انڈے موجود ہیں ان کی قیمت بھی ملا لیں، اور اس مجموعے کا حساب لگا کر چالیسواں حصہ بہ طور زکوٰۃ ادا کریں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

آملہ: العبد احمد عنی عنہ خانپوری، ۲۲/ رمضان ۱۴۲۱ھ  
الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ

## زکوٰۃ دکان پر یا مال پر؟

**سوال:** ایک آدمی جس کے پاس دکان ہے اور وہ مال سے بھری ہوئی ہے، اس آدمی کو زکوٰۃ کس طرح نکالنی چاہیے؟ کیا اسے صرف مال کی زکوٰۃ ادا کرنی چاہیے، یا کہ دکان کی قیمت پر بھی زکوٰۃ ادا کرنی چاہیے؟

**الجواب:** حامداً ومصلياً ومسلماً

جو مال تجارت اس کے پاس موجود ہے وہ اور ساتھ ہی جو رقم ہے، دونوں کی زکوٰۃ ادا کرنا ہوگی، دکان کی قیمت پر زکوٰۃ نہیں ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عنی عنہ خانپوری، ۵/ رمضان المبارک ۱۴۱۰ھ  
الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عنہ

## مضاربت کی رقم میں زکوٰۃ واجب ہے

**سوال:** میں ایک ملازم ریٹائرڈ ہوا ہوں اور ایک سال کے بعد لڑکی کی شادی ہے، میرے پاس پچاس ہزار روپے نقد تھے تو وہ پیسے میرے بھائی جن کی بڑی تجارت ہے دے دیا ہوں، اور وہ کہتے ہیں کہ یہ پیسے میں میری تجارت میں لگا کر جو منافع ملیں گے ہر ماہ یا جیسے ممکن ہو دے دوں گا، تو زکوٰۃ کا مسئلہ کیا ہے؟

**الجواب:** حامداً ومصلياً ومسلماً

ایک آدمی کی رقم اور دوسرے کی محنت اس طرح کے جو منافع ہوں وہ پورا رقم والے کو دے دے یہ درست ہے، اس رقم میں زکوٰۃ واجب ہوگی۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔  
کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

## بیچنے کی نیت سے خریدی ہوئی زمین پر زکوٰۃ

**سوال:** ایک شخص نے زمین اس نیت سے خریدی کہ اچھی قیمت آنے پر سات آٹھ سال کے بعد فروخت کر دوں گا تو کیا اس زمین پر زکوٰۃ آئے گی؟ ہمارے یہاں مفتی صاحب فرماتے ہیں کہ جب تک تم نے مارکیٹ میں اسے نہیں رکھا یا کسی وکیل وغیرہ کو نہیں کہا تب تک زکوٰۃ فرض نہ ہوئی، تو کیا ان مفتی صاحب کا یہ کہنا درست ہے؟

**الجواب:** حامداً ومصلياً ومسلماً

اس زمین کا بیچنے کے ارادہ سے خریدنا اسی کا نام شرعاً تجارت ہے، اس لیے اس پر زکوٰۃ واجب ہوگی۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

الملاء: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۲۴ / محرم الحرام ۱۴۲۹ھ

الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ الجواب صحیح: عبدالقیوم راجکوٹی

## مشترکہ منافع میں تصرف اور زکوٰۃ کا حکم

**سوال:** زید ایک مشترکہ ہوٹل کا ذمہ دار ہے، سالانہ اس کو پچیس ہزار کی رقم منافع میں حاصل ہوتی ہے، جس میں وہ صرف بیس ہزار کی رقم اپنے تصرف میں لاتا

ہے، بعض مرتبہ ذمہ دار شرکاء کو اس کی اطلاع کرتا ہے اور بعض مرتبہ بلا اطلاع ہی ایسا کرتا ہے، نیز اطلاع دینے پر شرکاء بعض مرتبہ دل سے اجازت دیتے ہیں اور بعض مرتبہ مصلحتاً دل نہ چاہتے ہوئے اجازت دیتے ہیں یا محض خاموشی سے کام لیتے ہیں، ان تمام صورتوں کا شرعاً کیا حکم ہے؟ نیز ان سب صورتوں میں اس رقم کی زکوٰۃ کس پر واجب ہوگی؟ اور کس طرح ادا کی جائے گی؟

**الجواب:** حامداً ومصلياً ومسلماً

اگر شرکاء کی اجازت سے تصرف کیا ہے تو درست، اور اس سے حاصل شدہ منافع بھی حلال ہیں، ورنہ نہیں۔

(فان فعل ضمن) بالمخالفة (وكان ذلك الشراء له) (قوله الشراء له) وله ربحه وعليه خسارانه ولكن يتصدق بالربح عندهما وعند ابى يوسف يطيب له اصله المودع اذا تصرف فيها وربح اتقانى (شامى ٤/ ٥٤٢)

جو اجازت دل سے نہیں دی گئی ہے وہ معتبر نہیں ہے۔ قال رسول الله ﷺ

الا لا تظلموا الا لا يحل مال امرء الا بطيب نفس منه (مشکوٰۃ: ٢٥٥) جب دل سے نہ دی گئی اجازت کا یہ حال ہے، تو خاموشی کی صورت میں کیسے جائز ہوگا۔

رہی زکوٰۃ تو وہ بقدر حصص نفع ہر ایک شریک پر واجب ہوگی، بشرطیکہ دیگر شرائط اس میں موجود ہوں۔ فتجب زكاتها اذا تم نصابا وحال الحول لكن لا فوراً بل عند قبض اربعين درهما من الدين القوي كقرض (درمختار)

جب وہ رقم ان کے پاس آ جاوے اس وقت زکوٰۃ ادا کریں۔ فقط والله تعالى اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

## باب المصارف

### مصرف اور غیر مصرف کی چند صورتیں

**سوال:** ① اگر کوئی شخص صاحب نصاب ہو اور فی الحال گھر خرچ میں تنگی ہے، تو کیا اس کو زکوٰۃ کا پیسہ دے سکتے ہیں؟

② صاحب نصاب کسے کہتے ہیں؟ اگر اس پر تفصیلی خلاصہ کر دیتے تو زکوٰۃ کی رقم ادا کرنے میں عافیت ہوتی۔

③ کسی کو کاروبار کرنے کے لیے بھی دے سکتے ہیں تو کتنی رقم دے سکتے ہیں؟

④ ایک گھرانہ ایسا ہے جس کے گھر کے آدمی دین سے دور ہے، اور سڑھ کھیلتے ہیں؛ گھر کے خرچ کے لیے اسے زکوٰۃ دے سکتے ہیں یا نہیں؟

⑤ وطن میں ایک مدرسہ ہے، جس میں ۷۰ طلبا صرف عربی تعلیم حاصل کر کے گھر چلے جاتے ہیں، وہاں پر کھانے یا رہنے کا کسی قسم کا نظم نہیں ہے، تو کیا وہاں کے مدرس کو یا اور اخراجات کے لیے زکوٰۃ کا پیسہ دے سکتے ہیں؟

**الجواب:** حامداً ومصلياً ومسلماً

① جو آدمی صاحب نصاب ہو اس کو زکوٰۃ کی رقم نہیں دی جاسکتی۔

② جس کے پاس ساڑھے باون تولہ (۶۱۲ گرام ۳۵ ملی گرام) چاندی یا

ساڑھے سات تولہ (۸۷ گرام ۷۴۹ ملی گرام) سونا یا اتنی ہی قیمت کا سوداگری کا

اسباب ہو، اس کو شریعت میں مال دار کہتے ہیں، ایسے شخص کو زکوٰۃ کا پیسہ دینا درست



نہیں اور اس کو زکوٰۃ کا پیسہ لینا اور کھانا بھی حلال نہیں۔ اسی طرح جس کے پاس اتنی ہی قیمت کا کوئی مال ہو تو سوداگری کا اسباب تو نہیں؛ لیکن ضرورت سے زائد ہے، وہ بھی مال دار ہے، ایسے شخص کو بھی زکوٰۃ کا پیسہ دینا درست نہیں، اگرچہ خود اس قسم کے مال دار پر زکوٰۃ واجب نہیں۔ اور جس کے پاس اتنا مال نہیں؛ بلکہ تھوڑا مال ہے، یا کچھ بھی نہیں یعنی ایک دن کے گزارے کے موافق بھی نہیں، اس کو غریب کہتے ہیں، ایسے لوگوں کو زکوٰۃ کا پیسہ دینا درست ہے، اور ان لوگوں کو لینا بھی درست ہے۔ رہنے کا گھر اور پہننے کے کپڑے اور کام کاج کے لیے نوکر چاکر اور گھر گھرسی جو اکثر کام میں رہتی ہے، یہ سب ضروری اسباب میں داخل ہیں، اس کے ہونے سے مال دار نہیں ہوتا، چاہے جتنی قیمت کی ہو؛ اس لیے اس کو زکوٰۃ کا پیسہ دینا درست ہے۔ کسی کے پاس پانچ مکان ہیں جن کو کرایہ پر چلاتا ہے اور اس کی آمدنی سے گزار کرتا ہے؛ لیکن بال بچے اور گھر میں کھانے پینے والے لوگ اتنے زیادہ ہیں کہ اچھی طرح بسر نہیں ہوتی اور تنگی رہتی ہے، اور اس کے پاس کوئی ایسا مال بھی نہیں جس میں زکوٰۃ واجب (مثلاً چاندی، سونا، سامان تجارت)، تو ایسے شخص کو بھی زکوٰۃ کا پیسہ دینا درست ہے۔ (بہشتی زیور ۳۱۳)

④ جو صاحب نصاب نہ ہو اس کو زکوٰۃ کی رقم کاروبار کرنے کے لیے مالک بنا کر دے سکتے ہیں۔ اتنی رقم دے کہ وہ صاحب نصاب نہ بن جائے۔

④ دے سکتے ہیں۔

⑤ وہ مدرس اگر صاحب نصاب نہیں ہے تو اس کو زکوٰۃ کی رقم ادا بھیگی زکوٰۃ کے لیے مالک بنا کر دی جاسکتی ہے، تنخواہ میں نہیں دی جاسکتی۔ مدرسے کے اخراجات کے

لیے دینا درست نہیں ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۱۹ اشوال المکرم ۱۴۲۰ھ

الجواب صحیح: عباس داود۔ بسم اللہ

## جس کے پاس ٹی وی وغیرہ ہو اُس کو زکوٰۃ دینا

**سوال:** ایک شخص بیس ہزار روپیہ کا مقروض ہے، اور دینے کی صلاحیت بھی نہیں ہے؛ مگر گھر میں ٹی وی، ریڈیو اور ٹیپ وغیرہ رکھے ہوئے ہیں، جن کی مالیت بیس ہزار روپیہ تک ہے، تو کیا اُس آدمی کو قرض کی ادائیگی کے لیے زکوٰۃ کاروپیدے سکتے ہیں؟

**الجواب:** حامداً ومصلياً ومسلماً

اُس کی حوائجِ اصلیہ سے زائد سامانِ فروخت کر کے قرض ادا کرنے کے بعد اُس کے پاس نصاب کی مقدار موجود نہ ہو، تو اُس کو زکوٰۃ دی جاسکتی ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

## مقروض کے لیے زکوٰۃ لینے کا حکم

**سوال:** میری ملکیت میں ایک بیکری کے اندر سو حصوں میں سے ایک حصہ ہے، پوری دکان مالگی کی ہے، ایک حصہ کے میں نے انیس ہزار روپے ادا کئے تھے، وہ پیسے تو بیکری کے لیے مکان خریدنے میں خرچ ہو گئے، اور سال بھر میں اس کی آمدنی چار ہزار روپے کے قریب آتی ہے، ایک حصہ کی، اور وہ رقم آتے ہی کوئی نہ کوئی کام میں فوراً استعمال ہو جاتی ہے، اور دوسرا میرے والد صاحب کے دیے ہوئے مکان کے

لیے ایک پلاٹ ہے جس کی قیمت تقریباً بیس ہزار روپے ہیں۔ میرے شوہر کے ساتھ حج میں گئی تو میرے شوہر نے حج میں جانے سے پہلے کہا تھا کہ حج میں صرف آنے جانے کا کرایہ، کھانے، پینے کو چھوڑ کر جو خرچ ہو وہ مجھے دینا ہوگا جب بھی کوئی رقم میرے پاس آئے، اس حساب سے پینتالیس ہزار روپے میرے ذمہ قرض ہے، جس پر میں راضی بھی تھی۔

تو اب سوال یہ ہے کہ اوپر جو میری ملکیت کی چیزیں بتلائیں اس کے علاوہ کوئی بھی چیز میرے پاس نہیں ہے، اور اس کے ساتھ پینتالیس ہزار روپے قرض ہے تو اب اگر کوئی آدمی مجھے زکوٰۃ کی رقم دے تو مجھے لینا جائز ہے یا ناجائز؟  
نوٹ: بیکری کے اندر تجارتی مال کا اسٹاک مالک بیکری کے بتلانے کے مطابق زیادہ سے زیادہ ایک لاکھ ہوتا ہے، اس حساب سے ایک حصہ کے ایک ہزار روپے آئے۔

**الجواب:** حامداً ومصلياً ومسلماً

چوں کہ آپ کا نفقہ سکنی وغیرہ آپ کے شوہر کے ذمہ ہے، صرف آپ پر جو قرضہ واجب الاداء ہے اس کی ذمہ داری آپ پر رہ جاتی ہے، اس لیے بیکری میں جو آپ کا سوواں حصہ ہے وہ مکان اور مال تجارت دونوں میں ہے، اور جس وقت مکان خریدا گیا تھا ظاہر ہے اس کے بعد اس کی قیمت میں اضافہ ہوا ہوگا، اس اعتبار سے وہ سوواں حصہ اس وقت کتنی مالیت رکھتا ہے اس کی وضاحت آپ کے سوال میں ہونی چاہیے تھی، اس لیے آپ بیکری کے مکان اور اس میں موجود اسٹاک دونوں کی حالیہ قیمت معلوم کر کے اس کا سوواں حصہ شمار کریں، اور مکان کے لیے والد صاحب نے جو

پلاٹ آپ کو دیا ہے اس کی بھی حالیہ قیمت لگا کر اگر دونوں کا مجموعہ آپ پر واجب الادا قرضہ پینتالیس ہزار سے اتنا زائد ہے کہ وہ زیادتی چاندی کے نصاب ۶۱۲ گرام ۳۵ ملی گرام چاندی کی قیمت کے برابر ہوتی ہے تو آپ کے لیے زکوٰۃ لینا جائز نہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

الماہ: العبد احمد عنی عنہ خانپوری، ۱۷/ ذی القعدة ۱۴۲۷ھ

الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ

## فیکٹری کا مقروض مالک مستحق زکوٰۃ ہے

**سوال:** میرا نام یوسف ہے، اور میرا کاروبار صابون اور پاؤڈر بنانے کی فیکٹری بڑے پیمانے پر چل رہی تھی، تقریباً سترہ سال سے چالو تھی جس میں میرے ساتھ پانچ بھاگیدار تھے، اور اس کی پوری جواب داری میری تھی، اور اس میں کام کرنے والے ذمہ دار قسم کے لوگوں نے بہت بڑے پیمانے پر بھروسے کا غلط فائدہ اٹھایا، اور کروڑوں کا نقصان فیکٹری کا کر دیا، جس کی وجہ سے آج تقریباً بیس کروڑ کا قرض فیکٹری پر ہو گیا ہے، اب ہمارے بھاگیداروں کو ملا کر مشورہ کیا تو بھاگیداروں نے کہا کہ ہم اس قرض کے ذمہ دار نہیں ہیں، آپ ہم کو بنا پوچھے باہر سے روپیہ لاکر فیکٹری میں کیوں ڈالے؟ اور روپے جتنے بھی باہر سے لائے وہ سارے فیکٹری ہی میں ڈالے ہیں، اس پر میری بھی بہت بڑی غلطی ہے کہ میں نے بھاگیداروں سے بنا پوچھے رقم لاکر فیکٹری میں ڈال دی، اور آج میری یہ حالت ہے کہ میرے پاس نہ کوئی بمبئی میں گھر ہے، نہ کوئی میرے خرچے کے لیے کافی اسباب ہیں، اور جو بھی میرا تھا وہ

سب بھائیوں نے مجھ سے لے لیا، ابھی فی الحال میرے پاس ایک مہینہ کا بھی خرچ نہیں ہے، اور جس کے پاس سے میں نے رقم لی تھی اس کو جواب دینے کا بھی کوئی سہارا میرے پاس نہیں ہے، تو کیا ایسی صورت میں زکوٰۃ، صدقات کے روپے لے کر میں اپنا قرض چکا سکتا ہوں، اور اس میں سے گھر کا خرچ کر سکتا ہوں؟

(الجواب): حامداً ومصلياً ومسلماً

آپ نے سوال میں اپنی جو حالت بتلائی ہے اس کے پیش نظر آپ مستحق زکوٰۃ ہیں، کوئی آدمی اگر آپ کو زکوٰۃ دینا چاہے تو دے سکتا ہے، اور آپ لے سکتے ہیں، اس کی زکوٰۃ ادا ہو جائے گی۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

املاًہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۱۲ / ربیع الآخر ۱۴۲۸ھ

الجواب صحیح: عبدالقیوم راجکوٹی

## مقروض مستحق زکوٰۃ ہے

(سوال): اگر کسی کے پاس کوئی ذریعہ معاش نہیں ہے، تو وہ آدمی رکشا ٹیکسی یا چھوٹی موٹی دوکان یا بنانا ہو گا گھر ادھار خریدے، یا کسی کے پاس سے وہ رقم لے کر خریدے، پھر وہ مقروض ہو جائے تو زکوٰۃ کی رقم کا مالک بنا دے، اور وہ اپنا قرض پورا کر دے تو یہ شرعاً کیسا ہے؟

(الجواب): حامداً ومصلياً ومسلماً

مقروض کا قرض ادا کرنے کے لیے رقم زکوٰۃ اس کو دی جاسکتی ہے۔ فقط

واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۲۸ شوال المکرم ۱۴۲۰ھ  
الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ

## رہائش کے مکانات زکوٰۃ کا حق دار ہونے میں مانع نہیں

**سوال:** میں اس وقت بہت ہی پریشانی کی حالت سے گزر رہا ہوں کہ اپریل یا مئی میں میری دو لڑکیوں کی شادی ہے اور بمبئی میں ایک مکان ہے اور گاؤں میں بھی ایک مکان ہے، اس مکان کی حالت یہ ہے کہ پائے کی ساری اینٹیں پاؤڈر ہوتی جا رہی ہے اس کی مرمت کروانے کی بھی طاقت نہیں اور یہ اندیشہ ہے کہ دیوار گر جائے، ادھر بازار میں ساڑھے تین لاکھ کا قرضہ ہے اس کے ادا کرنے کے واسطے بھی کوئی شکل و صورت نہیں نیز دو لڑکیوں کی شادی بھی کروانی ہے اس کی بھی کوئی صورت نہیں جس کی وجہ سے میں آپ سے مشورہ چاہتا ہوں کہ زکوٰۃ لے سکتا ہوں یا نہیں اور مکان بمبئی یا گاؤں کا بچنے سے قرض یا ضرورت پوری ہو سکتی ہے یا نہیں اور میرے دو لڑکے مدرسہ بھروچ میں پڑھتے ہیں اور تین لڑکیاں بھی اسکول میں جاتی ہیں اس وجہ سے میں زکوٰۃ لے سکتا ہوں یا نہیں؟ آپ سے مشورہ چاہتا ہوں۔

**الجواب:** حامداً ومصلياً ومسلماً

صورت مسئلہ میں اگر کوئی آدمی آپ کو زکوٰۃ کی رقم دے تو اس کا لینا آپ کے لیے جائز ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

ألملاه: العبد احمد خانپوری، ۱۴ شوال ۱۴۲۳ھ  
الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ

## مقدمہ کے لیے زکوٰۃ دینا

**سوال:** ایک شخص مقدمہ کے لیے زکوٰۃ کی رقم طلب کرتا ہے، حالاں کہ نہ اس نے کبھی زکوٰۃ لی اور نہ دی ہے، اگر وہ کسی سے مقدمہ کے لیے زکوٰۃ طلب کرتا ہے تو زکوٰۃ کا مستحق ہے یا نہیں؟ اور زکوٰۃ دینے والے کے ذمہ سے زکوٰۃ ساقط ہوگی اور وہ بری الذمہ ہو جائے گا؟

**الجواب:** حامداً ومصلياً ومسلماً

اگر اس کے پاس اپنی اصلی ضرورتوں سے زائد اثنا مال نہیں ہے جس کی قیمت ۶۱۳ (چھ سو تیرہ) گرام چاندی کے برابر ہو تو اس کو زکوٰۃ دے سکتے ہیں، اور اس صورت میں اس کو دینے سے زکوٰۃ ادا ہو جائے گی۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد غنی عنہ خانپوری

## زکوٰۃ کی رقم کاروبار میں لگا کر غربا پر منافع کی تقسیم

**سوال:** شہر حیدرآباد میں اور ملک کے دیگر مقامات پر بھی مال دار اور متمول اصحاب کی جانب سے زکوٰۃ کے ٹرسٹ قائم ہیں، بعض ٹرسٹ خاندان کے نام سے ہیں اور بعض ٹرسٹ عام نوعیت کے نام پر ہیں، ہر سال ان ٹرسٹ میں متعلقہ اصحاب اور ان کے قریبی رشتہ داروں اور دوست احباب کی رقم جمع ہوتی ہے، اور یہ رقم کسی آمدنی پیدا کرنے والے ذریعہ میں مشغول کی جاتی ہے، یا کسی معتبر بینک کے کھاتے میں اور خصوصاً میچوئل (Mutual) فنڈز میں یا حکومت ہند کے یونٹ ٹرسٹ میں مشغول کی

جاتی ہے، ان اصحاب کی نیتوں پر شک و شبہ نہیں ہے، نیت تو ان کی یہ ہے کہ اس سے زیادہ عرصہ تک ضرورت مندوں کو فائدہ پہنچتا رہے، متمول تجارت و صنعت کاروں کا مزاج یہ ہوتا ہے کہ پیسے سے پیسہ پیدا کیا جائے، اور بغیر کسی آمد کے پیسہ دینا یا پیسہ لگانا وہ پیسہ کو ضائع کرنا سمجھتے ہیں، اس لحاظ سے اُن کی نیت یہ ہوتی ہے کہ زکوٰۃ کے پیسے کو مشغول کر کے اُس آمدنی سے زیادہ سے زیادہ افراد اور اداروں کو فائدہ پہنچایا جائے، اس سلسلہ میں سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کیا زکوٰۃ کی رقم نفع بخش کاروبار، تجارت، میچوئل فنڈز یا یونٹس میں مشغول کی جاسکتی ہے؟ چوں کہ زکوٰۃ کی رقم جس وقت نکالی گئی اُس کے ایک سال کے اندر صرف ہو نہیں پاتی؛ بلکہ مشغول رہتی ہے، یہ سوال پیدا ہوگا کہ جن لوگوں نے یہ رقومات ٹرسٹ میں دی ہیں کیا اُن کی زکوٰۃ ادا ہوگئی؟

یہ سوالات ایک دینی مدرسہ کے استاذ سے پوچھے گئے تھے، اُنھوں نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دور کے ایک واقعہ کی طرف نشان دہی کی، جس میں وہ صاحب جن کو کسی بیت المال سے کچھ رقم لانے کے لیے کہا گیا تھا، اُنھوں نے راستہ میں رقم مشغول کر کے نفع کمایا اور مدینہ پہنچنے کے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے اس کا تذکرہ کیا، اور اس پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کوئی اعتراض نہیں فرمایا، جب استاذ موصوف سے پوچھا گیا کہ: کیا یہ رقم زکوٰۃ کی تھی؟ کیوں کہ بیت المال میں زکوٰۃ کے علاوہ بھی دوسرے کئی مدات کی رقم جمع ہوا کرتی تھی، اُنھوں نے جواب دیا کہ: اس بات کی صراحت روایت میں نہیں ملتی، اُنھوں نے مزید کہا: کہ کسی دینی مدرسہ کے دارالافتاء سے صحیح اور دو ٹوک جواب ملنا مشکل ہے؛ کیوں کہ ہر مدرسہ کو ایسے ٹرسٹس سے امداد جاری ہے؛ تاہم میرا یقین ہے کہ علمائے کرام اور مفتیانِ عظام ان مسائل میں کسی مصلحت کو پیش نظر نہیں رکھیں گے،



اور شرع شریف کے مطابق صحیح جوابات ہے اُس کو بیان کریں گے؛ لہذا حاملینِ دین متین اور مفتیانِ شرع مبین سے گزارش ہے کہ وہ درجِ ذیل دو سوالات کا جواب نصوص کی روشنی میں عطا فرمائیں۔

① کیا زکوٰۃ کی رقم کو زکوٰۃ کے مدات پر خرچ کرنے کے بجائے اُن کو نفع بخش انداز میں مشغول کرنا، اور اِس طرح زکوٰۃ کی رقم کو محفوظ رکھنا، اور اِس سے حاصل ہونے والے نفع کو زکوٰۃ کی مدات پر لگانا جائز ہے؟

② کیا اُس شخص کی زکوٰۃ شرعاً ادا ہو جائے گی جس نے اپنی زکوٰۃ کی رقم اُن اصحاب اور اداروں کے حوالہ کی ہے جو زکوٰۃ کی رقمات کو محفوظ اور مشغول رکھ کر صرف اُس کے نفع کو خرچ کرتے ہیں؟

**الجواب:** حامداً ومصلياً ومسلماً

حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ آیت کریمہ: ﴿إِنَّمَا الصَّدَقَتُ لِلْفُقَرَاءِ﴾ الآیة کی تفسیر کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں کہ: جمہور فقہاء اس بات پر متفق ہیں کہ زکوٰۃ کے معینہ آٹھ مصارف میں بھی زکوٰۃ کی ادائیگی کے لیے یہ شرط ہے کہ ان مصارف میں سے کسی مستحق کو مالِ زکوٰۃ پر مالکانہ قبضہ دے دیا جائے، بغیر مالکانہ قبضہ دیے اگر کوئی مال اُن ہی لوگوں کے فائدے کے لیے خرچ کر دیا گیا تو زکوٰۃ ادا نہیں ہوگی، اسی وجہ سے ائمہ اربعہ اور جمہور فقہائے امت اس پر متفق ہیں کہ رقم زکوٰۃ کو مساجد یا مدارس یا شفاخانے، یتیم خانے کی تعمیر میں یا اُن کی دوسری ضروریات میں خرچ کرنا جائز نہیں؛ اگرچہ ان تمام چیزوں سے فائدہ فقراء اور دوسرے حضرات

کو پہنچتا ہے جو مصرفِ زکوٰۃ ہیں؛ مگر اُن کا مالکانہ قبضہ ان چیزوں پر نہ ہونے کے سبب زکوٰۃ اِس سے ادا نہیں ہوتی۔ (معارف القرآن ۴/۴۰۹)

آپ نے اپنے سوال میں جن صورتوں کا تذکرہ کیا ہے جس میں زکوٰۃ کی رقم کو نفع بخش کاروبار، تجارت، میچوئل فنڈ ٹرسٹس میں مشغول کر کے اُن سے آمدنی حاصل کی جاتی ہے، اور حاصل شدہ اِس آمدنی کو غرباء، مساکین میں تقسیم کیا جاتا ہے، تو ایسا کرنے سے اصحابِ اموال کی زکوٰۃ ادا نہ ہوگی؛ اِس لیے کہ مالِ زکوٰۃ کو کاروبار یا میچوئل فنڈس وغیرہ میں لگانے سے تملیک - جو زکوٰۃ کی ادائیگی کی بنیادی شرط ہے - نہیں پائی جاتی، اور مستحقینِ زکوٰۃ کو مالِ زکوٰۃ کا مالک بنائے بغیر دوسرے طریقوں سے فائدہ پہنچانے سے زکوٰۃ ادا نہیں ہوتی، جیسا کہ شروع جواب میں ”معارف القرآن“ کی عبارت سے واضح ہو چکا ہے، ”فتاویٰ رحیمیہ“ سے اِسی نوع کا ایک سوال و جواب نقل کیا جاتا ہے،

ملاحظہ ہو:

سوال: زید کے پاس زکوٰۃ کی بڑی رقم جمع ہے، اُس کو یکبارگی حق دار کو نہ دیتے ہوئے اِس رقم سے کوئی پراپرٹی یا زمین خرید کر اُس کی آمدنی میں سے مستحقین، مدارس اور دینی دنیوی طلباء جو اِس کے مستحق ہوں، اُن کو کوئی وظیفہ دینا چاہتا ہے؛ تو کیا زکوٰۃ کی رقم سے آمدنی کا سامان کر کے آمدنی میں سے مستحقین پر خرچ کر سکتا ہے؟

الجواب: ادائیگیِ زکوٰۃ کے لیے تملیک یعنی مستحقین کو بلا عوض مالک بنا دینا شرط ہے، اگر آمدنی کے لیے پراپرٹی قائم کی گئی یا کوئی زمین خریدی گئی تو یہ شرط پوری نہیں ہوئی؛ لہذا زکوٰۃ ادا نہ ہوگی؛ لہذا زکوٰۃ کی رقم سے آمدنی کی جائیداد فراہم کرنا جائز نہیں ہے، حق دار کو بلا عوض مالک بنا دینا ضروری ہے۔ (فتاویٰ رحیمیہ ۸/۲)

اس مسئلہ کی مزید وضاحت ہو جائے؛ اس لیے ”فتاویٰ رحیمیہ“ سے ایک اور سوال وجواب بھی نقل کیا جاتا ہے:

سوال: ہمارے یہاں ایک کمیٹی ہے، کمیٹی کے اراکین زکوٰۃ کی رقم چندہ میں جمع شدہ رقم میں سے غرباء کو غیر سودی قرض دیتے ہیں؛ تاکہ وہ اپنے گزران کے لیے چھوٹا موٹا کاروبار شروع کر سکیں، اور قرض دینے کا مقصد ہوتا ہے کہ ان کو قرض ادا کرنے کی فکر رہے گی تو محنت اور توجہ سے کام کریں گے، تو دریافت طلب امر یہ ہے کہ کمیٹی کا یہ طریقہ کار صحیح ہے یا نہیں؟

الجواب: یہ طریقہ صحیح نہیں ہے، قابل ترک ہے، زکوٰۃ کی رقم جمع کر کے اُس میں سے قرض دینا جائز نہیں ہے، جن لوگوں کی رقمیں ہیں ان کی زکوٰۃ ادا نہ ہوگی، اور کمیٹی کے ممبر اس کے ذمہ دار ہوں گے، زکوٰۃ کی ادائیگی کے لیے یہ شرط ہے کہ زکوٰۃ کی رقم مستحق زکوٰۃ کو بلا عوض مالک بنا کر دے دی جائے۔ ”در مختار“ میں ہے: (ہی تملیک) خرج الإباحة، فلو أطعم یتیماناً یا زکوٰۃ لا یجزيه إلا إذا دفع إليه المطعوم كما لو كساه (در مختار مع الشاي ۳/۲)

اور یہ بات بالکل واضح ہے کہ قرض دینے کی صورت میں تملیک پائی نہیں جاتی، کمیٹی والے بھی اس نیت سے دیتے ہیں کہ بعد میں اس سے یہ رقم وصول کرنا ہے؛ لہذا یہ طریقہ واجب الترتک ہے۔ اور یہ بات بھی خیال میں رہے کہ زکوٰۃ کی رقم مستحقین زکوٰۃ میں جلد از جلد تقسیم کر دی جائے؛ تاکہ لوگوں کی زکوٰۃ ادا ہو جائے، قرض دینے کے لیے دوسری رقم کا انتظام کیا جائے۔ (فتاویٰ رحیمیہ ۷/۳۶۷) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ

## مدارس میں استعمالِ زکوٰۃ کے متعلق کچھ سوالات

غیر مسلم مہاجن سے قرض لے کر ادائے قرض میں زکوٰۃ دینا

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے کرام و مفتیان عظام مسائل ذیل کے بارے میں:

① کہ آج کل مدارس میں زکوٰۃ ہی زیادہ وصول ہوتی ہے، امداد تو شاذ و نادر؛ اس لیے مدارس کے اربابِ حل و عقد شریعت کے مقرر کردہ طریقہ (حیلہ تملیک) سے فائدہ اٹھا لیتے ہیں؛ مگر ہمارے یہاں اہل مدرسہ اس حیلہ تملیک سے بھی کلی طور پر متفق نہیں، تو اس صورت میں مہتمم کیا یہ کر سکتا ہے کہ اول کسی مہاجن وغیرہ سے قرض اٹھالے اور اُس کو مدرسہ کی ضروریات میں خرچ کرے، بعد میں زکوٰۃ کی مد سے اُس قرضہ کو ادا کر دے، تو کیا مہتمم زکوٰۃ کی مد سے مدرسہ کا قرضہ ادا کر سکتا ہے؟

### مہتمم طلبہ کا وکیل

سوال: ② کیا مہتمم طلبہ کا شرعی وکیل ہو سکتا ہے؟ جواب مفصل مطلوب ہے۔

### زکوٰۃ کی رقم طلبہ کو بطور وظیفہ دینا

سوال: ③ یا زکوٰۃ کی رقم کو مدرسہ کی جملہ مدات میں استعمال کرنے کے لیے

وظیفہ کا طریقہ اختیار کر لیا جائے، اور طلبہ سے ماہانہ وظیفہ کے ذریعہ جو رقم اکٹھی ہو اُس سے مدرسین کی تنخواہیں و دیگر ضروریات پوری کر لی جائیں، جیسا کہ بعض مدارس میں ایسا بھی ہوتا ہے، تو کیا اس شکل میں مہتمم اُس رقم کو جو زکوٰۃ کی ہے اور طلبہ کے وظیفہ میں

دی ہے، طلبہ نے اُس کو اپنی فیس طعام وغیرہ میں مدرسہ میں جمع کر دیا، مدرسہ کی دیگر ضروریات میں خرچ کی جاسکتی ہے؟

(الف): طلبہ بالغ ہوں یا نابالغ ہوں؟

(ب): نابالغ طلبہ کو مالک بنانے کی کیا صورت ہو؟

(ج): مستطیع طلبہ ہی ہوں یا غیر مستطیع طلبہ کو مالک بنایا جاسکتا ہے؟

(د) کسی طالب علم کے ورثاء تو مستحق زکوٰۃ نہیں ہیں؛ مگر وہ بچہ کا خرچ بھی مدرسہ میں نہیں دے سکتے، تو اس شکل میں کیا حکم ہے؟ اُس پر زکوٰۃ خرچ کی جاسکتی ہے یا نہیں؟

(ه): اگر طلبہ کے ورثاء سے لکھوا لیا جائے کہ ہم خرچ برداشت نہیں کر سکتے، تو کیا

اُن طلبہ پر زکوٰۃ خرچ کی جاسکتی ہے یا نہیں؟

(و): کیا یہ بھی درست ہے کہ بیرونی طلبہ جو نابالغ ہوں اُن کے وارثین کی طرف

سے کسی کو سرپرست بنا دیا جائے، اور وہ سرپرست بیت المال سے اُن طلبہ کے وظیفہ کی شکل میں رقم لے کر مدرسہ میں جمع کرادے، اور مدرسہ وہ رقم تنخواہ و جملہ مدات میں

صرف کرے، فی زمانہ اس کا بہتر طریقہ کیا ہے جو شکوک سے بالا ہو؟ نیز اس مسئلہ میں

قرآن و حدیث کا کیا حکم ہے؟ اور تعامل صحابہ اور اجماع امت کا کیا کہنا ہے؟ اس مسئلہ پر تحقیقی نقطہ نظر سے قلم اٹھائیں گے تو حضرت کی ذرہ نوازی ہوگی۔

## حیلوں کی شرعی حیثیت و اقسام

سوال (۴): حیلہ تملیک تو بظاہر رقم کی ہیرا پھیری کا نام ہے، اس مسئلہ پر معترضین کے منہ کس طرح بند کیے جائیں۔

جوابات مفصل مدلل تحریر کیے جائیں؛ تاکہ انہیں افادۂ عام کے لیے چھپوایا جاسکے۔

**الجواب:** حامداً ومصلياً ومسلماً

① زکوٰۃ کی تعریف یہ کی گئی ہے: هي تملك جزء مال عينه الشارع من مسلم فقير غير هاشمي ولا مولاه، مع قطع المنفعة عن المملك من كل وجه لله تعالى (تنوير الأبصار)

اس لیے زکوٰۃ کی ادائیگی کے لیے یہ شرط ہے کہ زکوٰۃ کے مال کا بلا شرط عوض مالک بنا دیا جائے، مہاجن کو جو کچھ دیا جا رہا ہے وہ اس کے پاس سے خریدے ہوئے مال یا لیے ہوئے قرض کی ادائیگی میں دیا جا رہا ہے؛ نیز وہ مسلمان بھی نہیں؛ اس لیے اس طریقہ سے زکوٰۃ ادا نہیں ہوگی۔

② مہتمم، طلبہ کا وکیل بایں معنی ہے کہ، جب طلبہ نے اُس کے اہتمام کو تسلیم کر لیا تو گویا یہ کہہ دیا کہ: آپ ہمارے واسطے اربابِ اموال سے زکوٰۃ وغیرہ وصول کر کے ہماری ضروریات (کھانا، کپڑا وغیرہ) میں صرف کریں۔ (فتاویٰ محمودیہ قدیم ۳/۳۸)

لیکن اس صورت میں یہ ضروری ہوگا کہ اُس زکوٰۃ کی رقم سے جو کچھ خریدا جائے وہ بعد میں طلبہ کو تملیک ادا دے دیا جائے؛ اس لیے کہ اس کی حیثیت وکیل بالقبض اور پھر وکیل بالشراء کی ہے۔

③ وظیفہ والے طریقہ کو اختیار کرنے میں بھی کوئی اشکال نہیں، جس کی شکل یہ ہے: بوقتِ داخلہ طلبہ کو کہہ دیا جائے کہ آپ کا داخلہ فیس سے ہے، جس کی مقدار مثلاً ماہانہ دو سو روپیہ ہے، اور طلبہ اس کو منظور کر لیں، اس کے بعد ہر ماہ اتنی مقدار اُن کے ہاتھ میں دی جائے، اور وہ بطور فیس مدرسہ میں جمع کرا دیں، اب اس رقم کو منظمین

مدرسہ ضروریات طلبہ، تنخواہ مدرسین و ملازمین اور دیگر ضروریات مدرسہ میں بھی خرچ کر سکتے ہیں۔ (ماخوذ از فتاویٰ رحیمیہ ۱۵۰/۵)

(الف) طلبہ چاہے بالغ ہوں یا نابالغ۔

(ب) نابالغ بھی اگر مصرفِ زکوٰۃ ہو تو اُس کو دینے سے زکوٰۃ ادا ہو جاتی ہے۔

(امداد الفتاویٰ ۲/۵۲)

اس کا عاقل ہونا کافی ہے، یعنی مال کی اہمیت اور حیثیت جانتا ہو، کوئی دھوکہ دے کر اُس سے مال ہتھیانہ سکتا ہو جیسے کہ ایک دم چھوٹے بچے کو سویٹ، مٹھائی وغیرہ دے کر پھسلا کر دھوکہ دیا جاتا ہے۔

”شامی“ میں ہے: ویصرف إلی مراهق یعقل الأخذ، كما فی المحيط (شامی ۲/۶۸) (بشرط أن یعقل القبض) قید فی الدفع و الکسوة کلھما، ح وفسره فی الفتح وغیره بالذی لا یرمی بہ ولا یخدع عنہ، فإن لم یکن عاقلا فقبض عنہ أبوه أو وصیه أو من یعولہ، قریبا أو أجنبیا أو ملتقطہ صح (شامی ۲/۳)

(ج) جو طلبہ غیر مستطیع ہوں اُن کو مالک بنایا جائے، اگر وہ بالغ ہیں تو خود اُس کی ملک میں بقدر نصاب مال نہ ہو، چاہے اُن کا باپ مالدار ہو، اور اگر وہ نابالغ ہیں تو خود اُن کی ملک میں بقدر نصاب مال نہ ہونے کے ساتھ اُن کے باپ کا بھی فقیر ہونا ضروری ہے۔

(د) اگر وہ بالغ ہیں تو اُن کو زکوٰۃ دی جاسکتی ہے۔ (بشرطیکہ خود اُن کی ملک میں بھی بقدر نصاب مال نہ ہو)، نابالغ ہیں تو نہیں۔

(۵): صورت سابقہ کی طرح۔

(۶): اس کے بغیر بھی جب کام چل سکتا ہے جیسا کہ صورت ”ب“ میں مذکور ہے، تو اس کی کیا ضرورت ہے؟

اس میں حیلہ کا استعمال بلا ضرورت جائز نہیں ہے؛ البتہ اگر مدرسہ کی کوئی اور آمدنی نہ ہو اور مدرسہ بند ہو جانے کا خطرہ ہو، تو زکوٰۃ کا روپیہ حیلہ شرعیہ کے ساتھ (مدرسین و ملازمین کی تنخواہوں میں) خرچ کیا جاسکتا ہے۔ (کفایت المفتی ۲/۲۸۵)

(۴) حیلہ کے سلسلہ میں ایک بات اصولی طور پر یاد رکھنے کی ضرورت ہے؛ اس لیے کہ جب کوئی آدمی دفع حقوق کے لیے حیلوں کو کتاب میں دیکھتا ہے تو اُس کو اُس پر حیرت ہوتی ہے، کہ اسلام میں اس نکر و فریب کی اجازت کیسے ہوگئی؟ جب کہ اسلام تو اس قسم کی حرکتوں کو مٹانے اور ختم کرنے کے لیے آیا ہے، تو بھلا اسلام کے پیش کر دہ طریق اصلاح سے اس فساد کا کیا جوڑ؟ حالاں کہ اگر اس کے شروع میں تصحیح کر دی جائے کہ لوگوں کے اموال قبضانے کے لیے حیلہ اختیار کرنا حرام ہے، تو دل کو تسکین ہو جاتی ہے، کہ یہ تو اُن لوگوں کے لیے ہے جو پھنس گئے ہیں اور اپنی خلاصی چاہتے ہیں، اس سے مقصود ان حیلوں کی ترویج اور لوگوں کے اموال کو ہڑپ کرنے کی اجازت نہیں ہے، تو پھر کوئی اشکال باقی نہ رہتا۔ (فیض الباری ۴/۴۹، ۴۸۰)

چنانچہ حیلوں کی شرعی حیثیت معلوم کرنے سے پہلے اُس کے اقسام جاننا ضروری ہے، حافظ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ: حیلہ کے محرکات کے اعتبار سے اس کی چند قسمیں ہیں:

اول: اگر کوئی آدمی کسی جائز و مباح طریقہ سے کسی کے حق کو باطل کرنا یا کسی



باطل چیز کو ثابت کرنا چاہتا ہے، تو وہ حرام ہے۔

دوم: اور اگر مباح طریقہ سے کسی حق کو ثابت کرنا یا باطل کو دفع کرنا چاہتا ہے، تو وہ واجب یا مستحب ہے۔

سوم: اور اگر کسی مباح طریقہ سے اپنے آپ کو کسی مکروہ میں پھنسنے سے بچانا چاہتا ہے تو وہ مستحب یا مباح ہے۔

چہارم: اور اگر کسی مباح ذریعہ سے کسی فعلِ مندوب کو چھوڑنا چاہتا ہے تو وہ مکروہ ہے۔

ان اقسامِ اربعہ میں سے قسمِ اول کے سلسلہ میں ائمہ میں اختلاف ہے، کہ کیا اس قسم کے حیلے مطلقاً صحیح ہو کر ظاہر و باطن میں نافذ ہو جاتے ہیں یا مطلقاً باطن میں؟ یا صحیح تو ہے؛ لیکن گناہ کے ساتھ؟ چنانچہ جن حضرات نے مطلقاً اس کو جائز قرار دیا یا مطلق باطل قرار دیا، دونوں کے پاس دلائل ہیں۔ پہلی جماعت کے دلائل میں سے ارشادِ باری تعالیٰ: ﴿خذ بيدك ضغثاً فاضرب به ولا تحنث﴾ اور خود نبی کریم ﷺ نے اس حیلہ پر اُس آدمی کے سلسلہ میں عمل کیا جو بیماری کی وجہ سے نہایت کمزور تھا۔ سنن میں ابو امامہ رضی اللہ عنہ کی روایت میں یہ واقعہ مذکور ہے، اور ارشادِ باری تعالیٰ: ﴿ومن يتق الله يجعل له مخرجاً﴾ اور حیلہ بھی تو اسی کا مصداق ہے، اور شریعت کی طرف سے استثناء کی اجازت دینا اس لیے کہ اس میں بھی حنث فی الیمین سے اپنے کو بچانا ہے، اسی طرح تمام شروط کا حال ہے، کہ اس میں اپنے آپ کو حرج میں پڑنے سے بچانا ہے، اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ و حضرت ابو سعید رضی اللہ عنہ کی روایت حضرت بلال رضی اللہ عنہ کے قصہ میں ”بع الجمع بالدرہم ثم ابتع بالدرہم

جنیباً“ (فتح الباری ۱۲/ ۲۷۰)

علامہ عینی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ: اپنے کو حرام سے بچانے اور گناہ میں مبتلا ہونے سے دور رکھنے کے لیے حیلہ اختیار کرنے میں کوئی حرج نہیں؛ بلکہ وہ مستحسن ہے؛ البتہ کسی مسلمان کے حق کو باطل و ختم کرنے کے لیے حیلہ اختیار کرنا گناہ ہے و سرکشی ہے۔ علامہ نسفی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب ”الکافی“ میں امام محمد بن الحسن رحمۃ اللہ علیہ سے نقل فرمایا ہے کہ: مبطل حق حیلہ اختیار کر کے خدائی احکام سے فرار اختیار کرنا مؤمن کی شان نہیں۔ (عمدة القاری شرح بخاری ۲۳/ ۱۰۸، ۱۰۹)

علامہ شمس الائمہ سرخسی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب ”مبسوط“ میں اس پر سیر حاصل بحث کرتے ہوئے فرمایا ہے، کہ جو حضرات علی الاطلاق اس کو غلط و مکروہ سمجھتے ہیں یہ ان کی ناواقفیت اور کتاب و سنت میں عدم تدبیر کی وجہ سے ہے۔ (مبسوط سرخسی ۳۰/ ۲۰۸) اس کے بعد انھوں نے کتاب و سنت سے اس کے دلائل جواز پیش کیے ہیں: چنانچہ سب سے پہلی دلیل حضرت ایوب علیہ السلام کا واقعہ ہے۔ اس واقعہ کی بقدر ضرورت تفصیل معارف القرآن سے پیش کرتا ہوں:

﴿واذکر عبدنا ایوب إذ نادى ربه أنى مسني الشيطان بنصب وعذاب - إلى قوله تعالى:- وخذ بيدك ضعفاً فاضرب به ولا تحنث﴾  
 الخ خلاصہ تفسیر میں فرماتے ہیں: اور آپ ہمارے بندہ ایوب علیہ السلام کو یاد کیجیے جب کہ انھوں نے اپنے رب کو پکارا، کہ شیطان نے مجھ کو رنج اور آزار پہنچایا ہے۔ اور یہ رنج اور آزار بعض مفسرین کے قول کے مطابق وہ ہے جو امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے ”کتاب الزهد“ میں ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے، کہ حضرت ایوب علیہ السلام کی

بیماری کے زمانہ میں ایک بار شیطان ایک طبیب کی شکل میں حضرت ایوب علیہ السلام کی بیوی کو ملا تھا، اُس سے انھوں نے طبیب سمجھ کر علاج کی درخواست کی، اُس نے کہا کہ: اس شرط سے کہ اگر اُن کو شفاء ہو جائے تو یوں کہہ دینا کہ تُو نے اُن کو شفاء دی، میں اور کچھ نذرانہ نہیں چاہتا، انھوں نے حضرت ایوب علیہ السلام سے ذکر کیا، انھوں نے فرمایا کہ: بھلی مانس! وہ تو شیطان تھا، میں عہد کرتا ہوں کہ اگر اللہ تعالیٰ مجھ کو شفاء دے دے تو میں تجھ کو سو فحشیاں ماروں گا، پس آپ کو سخت رنج پہنچا اس سے کہ میری بیماری کی بدولت شیطان کا یہاں تک حوصلہ بڑھا کہ، خاص میری بیوی سے ایسے کلمات کہلوانا چاہتا ہے جو ظاہراً موجب شرک ہے، گو تاویل سے شرک نہ ہوں؛ اگرچہ حضرت ایوب علیہ السلام ازالہ مرض کے لیے پہلے بھی دعا کر چکے تھے؛ مگر اس واقعہ سے اور زیادہ اہتال اور تضرع سے دعا کی، پس ہم نے اُن کی دعا قبول کر لی، اور حکم دیا کہ اپنا پاؤں (زمین پر) مارو (چناں چہ انھوں نے زمین پر پاؤں مارا تو وہاں سے ایک چشمہ پیدا ہو گیا) (رواہ احمد) (پس ہم نے اُن سے کہا کہ: یہ تمہارے لیے نہانے کا ٹھنڈا پانی ہے اور پینے کا، (یعنی اس میں غسل کرو اور پیو بھی، چنانچہ نہانے اور پینا بھی، اور بالکل اچھے ہو گئے)..... اور اب حضرت ایوب علیہ السلام نے اپنی قسم پوری کرنے کا ارادہ کیا؛ مگر چوں کہ انھوں نے حضرت ایوب علیہ السلام کی خدمت بہت کی تھی، اور اُن سے کوئی گناہ بھی صادر نہ ہوا تھا؛ اس لیے اللہ تعالیٰ نے اپنی رحمت سے ان کے لیے ایک تخفیف فرمائی (اور ارشاد فرمایا کہ: اے ایوب!) تم اپنے ہاتھ میں ایک مٹھا سینکوں کا لو (جس میں سو سینکیں ہوں) اور (اپنی بیوی کو) اُس سے مار لو، اور (اپنی) قسم نہ توڑو، (چناں چہ ایسا ہی ہوا)۔

آگے ”معارف و مسائل“ کے ذیل میں حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ”حیلوں کی شرعی حیثیت“: اس آیت سے دوسرا مسئلہ یہ معلوم ہوا کہ کسی نامناسب یا مکروہ بات سے بچنے کے لیے کوئی شرعی حیلہ اختیار کیا جائے تو وہ جائز ہے، ظاہر ہے کہ حضرت ایوب علیہ السلام کے واقعہ میں قسم کا اصلی تقاضہ یہ ہے کہ آپ اپنی زوجہ، مطہرہ کو پوری سوچیں ماریں؛ لیکن چوں کہ ان کی زوجہ، مطہرہ بے گناہ تھیں، اور انھوں نے حضرت ایوب علیہ السلام کی بے مثال خدمت کی تھی؛ اس لیے اللہ تعالیٰ نے خود حضرت ایوب علیہ السلام کو ایک حیلہ کی تلقین فرمائی، اور یہ تصریح کر دی کہ اس طرح ان کی قسم نہیں ٹوٹے گی؛ اس لیے یہ واقعہ حیلہ کے جواز پر دلالت کرتا ہے؛ لیکن یہ یاد رکھنا چاہیے کہ اس قسم کے حیلے اُسی وقت جائز ہوتے ہیں جب کہ انہیں شرعی مقاصد کے ابطال کا ذریعہ نہ بنایا جائے، اور اگر حیلہ کا مقصد یہ ہو کہ کسی حقدار کا حق باطل کیا جائے، یا کسی صریح فعل حرام کو اُس کی روح برقرار رکھتے ہوئے اپنے لیے حلال کر لیا جائے، تو ایسا حیلہ بالکل ناجائز ہے۔ الخ (معارف القرآن ۷/ ۵۲۰ تا ۵۲۳ مجذوف واختصار)

اس کے بعد شمس الائمہ سرخسی رحمۃ اللہ علیہ نے دوسری دلیل قرآن میں ارشادِ ربانی: ﴿ولما جهزهم بجهازهم جعل السقاية في رحل أخيه﴾ إلى قوله تعالى ﴿ثم استخرجها من وعاء أخيه، كذلك كدنا ليوسف﴾ الخ حضرت یوسف علیہ السلام کا قصہ جو اُن کے بھائی بنیامین کے ساتھ ہوا، اس کو پیش کیا ہے، جس میں حضرت یوسف علیہ السلام نے اپنے بھائی بنیامین کو اپنے پاس روکنے کے لیے ایک حیلہ اختیار کیا تھا، (واقعہ معروف ہے، کتب تفسیر میں دیکھ لیا جائے) اسی واقعہ پر ”معارف و مسائل“ کے عنوان کے ماتحت حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ

فرماتے ہیں: ﴿كذلك كدنا ليوסף﴾ سے معلوم ہوا کہ کسی شرعی مصلحت کی بناء پر معاملہ کی صورت میں کوئی ایسی تبدیلی اختیار کرنا جس سے احکام بدل جائے، جس کو فقہاء کی اصطلاح میں ”حیلہ شرعیہ“ کہا جاتا ہے، یہ شرعاً جائز ہے، شرط یہ ہے کہ اس سے شرعی احکام کا ابطال لازم نہ آتا ہو؛ ورنہ ایسے حیلے باتفاق فقہاء حرام ہیں، جیسے: زکوٰۃ سے بچنے کے لیے کوئی حیلہ کرنا، یا رمضان سے پہلے کوئی غیر ضروری سفر صرف اس لیے اختیار کرنا کہ روزہ نہ رکھنے کی گنجائش نکل آئے، یہ باتفاق حرام ہے۔ ایسے ہی حیلے کرنے پر بعض اقوام پر عذاب الہی آیا ہے، اور رسول اللہ ﷺ نے ایسے حیلوں سے منع فرمایا ہے، اور باتفاق امت حرام ہیں، اُن پر عمل کرنے سے کوئی کام جائز نہیں ہو جاتا؛ بلکہ دوہرا گناہ لازم آتا ہے: ایک تو اصل ناجائز کام کا، دوسرے یہ ناجائز حیلہ، جو ایک حیثیت سے اللہ اور اُس کے رسول ﷺ کے ساتھ چال بازی کا مرادف ہے، اسی طرح کے حیلوں کے ناجائز ہونے کو امام بخاری رحمہ اللہ نے ”کتاب الحیل“ میں ثابت کیا ہے۔ (معارف القرآن ۵/۱۰۶، ۱۰۷)

اس کے بعد مزید دو دلیلیں قرآن مجید سے پیش کرنے کے بعد شمس اللائمہ سرخسی رحمہ اللہ نے حدیث سے دلائل پیش کیے ہیں: جن میں ایک واقعہ یہ بھی ہے کہ، ایک آدمی نے حاضر خدمت ہو کر آپ ﷺ سے عرض کیا کہ: یا رسول اللہ! میں نے اپنی بیوی پر تین طلاق کی قسم کھالی ہے کہ، میں اپنے بھائی سے بات نہیں کروں گا، تو آں حضرت ﷺ نے فرمایا کہ: ایسا کرو کہ اپنی بیوی کو ایک طلاق دے دو، پھر جب اُس کی عدت گزر جائے تو اپنے بھائی سے بات کر لو، اور پھر بیوی سے از سر نو نکاح کر لو۔ (المبسوط ۳۰/۲۰۹)

اس کے بعد فرماتے ہیں کہ جو آدمی احکام شرعیہ میں غور فکر کرے گا تو دیکھے گا کہ تمام معاملات اسی شان کے حامل ہیں، مثلاً: اگر کسی آدمی کو کسی عورت سے عشق و محبت ہو جائے، اور وہ پوچھے کہ: میرے لیے اُس کے حاصل کرنے کی کیا صورت ہے؟ تو اُس کو کہا جائے گا کہ: اس سے نکاح کر لو۔ کسی کو اپنی بیوی سے نفرت ہو جائے اور پوچھے کہ: میرے اس سے خلاصی کی کیا صورت ہے؟ تو جواب ملے گا کہ: طلاق دے دو۔ کوئی آدمی اپنی بیوی کو طلاقِ رجعی دے چکا ہو، اور اب نامدہ ہو اور پوچھے کہ: میرے لیے کیا تدبیر ہے؟ تو اُس کو کہا جائے گا کہ: رجوع کر لو۔ کوئی آدمی اپنی بیوی کو اُس کی بدخلقی کی وجہ سے تین طلاق دے چکا تھا، پھر وہ تائب ہوگئی، اور اب دونوں کوئی تدبیر چاہتے ہیں، جواب ملے گا کہ: حلالہ کے بعد نکاح کر سکتے ہو، تو جو آدمی احکام میں حیلہ کو ناپسند سمجھتا ہے تو درحقیقت وہ احکام شرعیہ سے ناپسندیدگی کا اظہار کر رہا ہے، یہ باتیں قلتِ تدبر سے ناشی ہیں۔ خلاصہ یہ کہ کوئی ایسا طریقہ اختیار کرنا جس سے آدمی حرام سے بچے یا حلال حاصل کرے اچھا ہے؛ البتہ حیلہ کے ذریعہ کسی کے حق کو باطل کرنا، یا باطل میں ملاوٹ کر کے اُس کو خوبصورت بنانا ممنوع ہے۔ (المبسوط ۳۰/۲۱۰)

حافظ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ نے بوقتِ ضرورت حیلہ کے جائز ہونے پر حدیث سے دو دلیلوں کی طرف اشارہ فرمایا ہے، اس کی وضاحت بھی مناسب ہے:

① ابو داؤد شریف میں روایت موجود ہے کہ: ایک انصاری صحابی رضی اللہ عنہ بیمار ہوئے، اور انھیں ایسی نقاہت لاحق ہوئی کہ ہڈی اور چمڑی رہ گئی، اسی حالت میں کوئی باندی اُن کے پاس پہنچ گئی، اُس کو دیکھ کر اُن کی طبیعت میں سرور پیدا ہوا، اور

اُس کے ساتھ جماع کر لیا، پھر جب اُن کی قوم کے لوگ اُن کے پاس عیادت کے لیے گئے تو انھوں نے اُن لوگوں کو باخبر کیا، اور عرض کیا کہ: میرے لیے نبی کریم ﷺ سے حکم معلوم کرو کہ: میں ایک باندی سے جو میرے پاس آئی تھی، فعلِ بد کر بیٹھا؛ چنانچہ اُن لوگوں نے نبی کریم ﷺ سے اس واقعہ کا تذکرہ کرنے کے ساتھ یہ بھی عرض کیا کہ: وہ آدمی جس آزار میں مبتلا ہے ایسا آزار ہم نے کسی پر نہیں دیکھا، وہ اتنے کمزور ہو چکے ہیں کہ ہم اگر اُن کو اٹھا کر آپ کی خدمت میں لے آئیں تب بھی اندیشہ ہے کہ اُن کی ہڈیاں ریزہ ریزہ ہو جائیں، وہ تو محض ہڈی اور چمڑی کا مجموعہ ہیں، تو حضور ﷺ نے حکم دیا کہ: سو سیکین لے کر یکبارگی اُن کو مار دو۔ (ابوداؤد شریف ۲/۶۱۳)

② دوسری روایت جو تقریباً تمام کتب حدیث میں موجود ہے، یہاں ”بخاری“ کے حوالہ سے پیش کرتا ہوں: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ اور حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہما سے منقول ہے، کہ حضور ﷺ نے ایک آدمی کو خیبر پر عامل مقرر کیا، وہ شخص ایک مرتبہ آپ ﷺ کی خدمت میں عمدہ کھجوریں لے کر حاضر ہوئے، تو آپ ﷺ نے سوال کیا کہ: خیبر کی تمام کھجوریں ایسی (عمدہ) ہوتی ہیں، اُنھوں نے عرض کیا: نہیں، بخدا! اے اللہ کے رسول! ہم اس جیسی کھجوریں ایک صاع کی مقدار دیگر اقسام کی کھجوروں کے دو صاع کے عوض، اور اس جیسی کھجوروں کے دو صاع دوسری کھجوروں کے تین صاع کے عوض حاصل کرتے ہیں، تو حضور ﷺ نے فرمایا کہ: ایسا نہ کرو؛ (بلکہ) دیگر اقسام کی کھجوریں دراہم کے عوض بیچو، پھر اُن دراہم سے عمدہ کھجوریں خریدو۔ (بخاری ۱/۲۹۳)

ان دونوں روایتوں کی حقیقت پر غور فرمائیے کہ ان میں ایک حیلہ ہی تو بتلایا گیا ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ بوقتِ ضرورت حیلہ اختیار کیا جاسکتا ہے؛ البتہ اس میں

وہی شرط ہے جو ہم اوپر ”معارف القرآن“ کے حوالہ سے حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے کلام میں اور ”مبسوط“ کے حوالہ سے شمس الائمہ سرخسی رحمۃ اللہ علیہ کے کلام میں نقل کر چکے ہیں، ایسے موقع پر جب شریعت حیلہ کی اجازت دیتی ہو تو اُس کو معیوب سمجھنا کیا معنی رکھتا ہے؟

اگر طمع خواہد زمن سلطان دیں	خاک بر فرق قناعت بعد ازیں
-----------------------------	---------------------------

اب آپ حضرات حضرت مولانا مفتی کفایت اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے وہ الفاظ دوبارہ پڑھ لیجیے جو ہم اوپر ”کفایت المفتی“ کے حوالہ سے نقل کر آئے ہیں؛ اس لیے اہل مدرسہ کو چاہیے کہ مدرسین و ملازمین کی تنخواہ میں زکوٰۃ کا روپیہ حیلہ شرعیہ کے بعد بھی بلا ضرورت ہرگز استعمال نہ کریں، طلبہ کی ضرورت میں یقیناً استعمال کیا جاسکتا ہے؛ اس لیے کہ وہ اس کے اصلی حق دار ہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۲/ صفر المظفر ۱۴۰۸ھ

